فہرست

خطبۂ افتتاحیہ

باب

(مسئلۂ خلافت)

فصل - حقیقت خلافت - ۱

فصل - خلافت خاصہ و خلافت ملوکی ۵

فصل - عہد اجتماع و ائتلاف ، و دور اشتات و انتشار ۸

فصل - جمع و تفرقۂ قریش و مناصب ۱۴

فصل - اطاعت خلیفہ و التزام جماعت ۱۹

مطلب - تحقیق معنی " اولوالامر "

فصل - شرح حدیث حارث اشعری ۲۹

فصل - جماعت و التزام جماعت ۳۹

فصل - شرائط امامت و خلافت ۴۲

فصل - نصوص سنۃ و اجماع امت ۵۰

فصل - اذا بویع الخلیفتین فاقتلوا اخرھما ۵۷

فصل - اجماع امت و جمہور فقہاء و اعلام ۵۸

فصل - سنی اور شیعۂ دونوں متفق ہیں ۶۳

فصل - بعض کتب مشہورۂ عقائد و فقہ ۶۵

باب

(حکم حمل سلاح علی المسلم)

فصل - من حمل علینا السلاح فصل - اقسام ثلاثۂ قتل مسلم و حمل سلاح ۸۱

فصل - واقعہ امام حسین علیہ السلام ۸۶

فصل - شرط قرشیۃ ۸۹

باب

(الائمۃ من قریش)

فصل - تحقیق امارۂ قریش و شرط قرشیہ ۹۱

فصل - دعوئے اجماع ۱۰۵

باب - خلافۂ آل عثمان

فصل - چند لمحات تاریخیہ ۱۱۵

فصل - خلافت و امامت سلاطین عثمانیہ ۱۱۸

فصل - مسلمانان ہند اور خلافت سلاطین عثمانیہ ۱۲۴

فصل - قرون متوسطۂ و اخیرہ میں مرکزی حکمرانی ۱۳۰

فصل - ترکان عثمانی اور عالم اسلامی ۱۳۱

باب

(فریضۂ عظیمہ دفاع)

فصل - حقیقت حکم دفاع ۱۳۸

فصل - فضائل دفاع ۱۴۱

فصل - عہد نبوت کا ایک واقعہ ۱۵۰

فصل - ایک عام غلط فہمی ۱۵۵

فصل - احکام قطعیہ دفاع ۱۵۹

باب

(جزیرۂ عرب و بلاد مقدسہ)

فصل - مرکز ارضی ۱۷۰

فصل - احکام شرعیہ ۱۷۳

فصل - جزیرۂ عرب کی تحدید ۱۷۸

فصل - مسجد اقصیٰ ۱۸۶

باب

خانۂ سخن

فصل - نتائج بحث ۱۸۲

فصل - خلیفۃ المسلمین اور گورنمنٹ برطانیہ ۱۸۶

فصل - موجودہ و آئندہ حالت اور احکام شرعیہ ۱۹۰

باب

ترک و اختیار

فصل - ترک موالات ۱۹۵

فصل - رافعۂ حاطب بن ابی بلتعہ ۱۹۷

فصل - ھل للامام ان یمنع المتخلفین و القاعدین الخ ۲۰۰

فصل - ایک شبہ اور اسکا ازالہ ۲۰۲

فصل - گورنمنٹ کیلیے اصلی سوال ۲۰۴

باب

نظام عمل

فصل - مسلمانان ھند اور نظام جماعت ۲۰۶

فصل - زبان رکتہ فرو ماند و راز من باقیست ۲۱۱

ضمیمہ - جدول سنین خلافت اسلامیہ ۲۱۴

ضمیمہ (۲) - مواعید و عہود ۲۱۸

مقدمہ

طبع ثانی

الحمد للہ وحدہ - جاز مہینے ہوے ' یہ رسالہ خطبۂ صدارت کی صورت میں شائع ہوا تھا - اب مزید تہذیب و ترتیب اور اضافۂ فصول و مطالب کے ساتھہ بار دوم شائع کیا جاتا ہے -

پچھلے ایڈیشن سے تقریباً ایک ثلث مطالب اس میں زیادہ ہیں - وہ تقریر کی شکل میں تھا - اس لیے ابواب و فصول منضبط نہ تھے - اب یہ کمی پوری کردی گئی ہے -

اس ایڈیشن کے حسب ذیل اضافات خصوصیت کے ساتھہ قابل ذکر ہیں :

(۱) آیۂ کریمہ اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم میں تحقیق معنی " اولی الامر " جسکی طرف پہلے سرسری اشارہ کیا گیا تھا -

(۲) شرح حدیث حارث اشعری مندرجۂ مسند و ترمذی ' اور نظام و قوام جماعت -

(۳) اشتراط قرشیۃ کا مبحث اب بالکل مکمل و مختتم کردیا گیا ہے - حتی الوسع مسئلہ کا کوئی ضروری پہلو بحث و نظر سے باقی نہیں رہا - پہلے ایڈیشن میں حدیث امامۂ قریش کے بعض طرق و سلاسل غیر ضروری سمجھکر چھوڑ دیے تھے ' لیکن اب اُن پر بھی نظر ڈال لی ہے ' تاکہ بحث بالکل مکمل ہوجاے - دعوئے اجماع پر بھی بعض نئے مباحث ملینگے جو پہلے ایڈیشن میں نہ تھے - امید ہے کہ اصحاب نظر و بصیرۃ کے لیے یہ حصہ خاص طور پر موجب انشراح خاطر ' و رفع اضطراب ' و دفع شکوک و ارتیاب ہوگا -

(۴) مسئلۂ " حمل سلاح علی المسلم " کی طرف پہلے سرسری طور پر اشارہ کردیا تھا - اب ایک مستقل باب بڑھا دیا ہے ' اور اصولی طور پر

(۵) حکم دفاع کا حصہ بھی پہلے سے زیادہ مشرح و مکمل ہے -

مسئلۂ خلافت تاریخ اسلام کے اُن نہایت نازک اور مزلۂ اقدام مسائل میں سے ہے جو میدان تقاتل و تزاحم سے کہیں زیادہ صفحات کتب اور مجالس بحث و نظر میں معرکۃ الارا رہچکے ہیں ' اور بعض اندرونی فرق و طوائف کی نزاعات اور مختلف عہدوں کے پولیٹکل اثرات کی آمیزش و احاطہ نے مسئلہ کی صاف و سہل الفہم صورت کو طرح طرح کی مشکلوں اور پیچیدگیوں سے غبار آلود کردیا ہے - علی الخصوص نصوص سنت کی تشریح ' نے شمار اور بظاہر مختلف احادیث کی تطبیق و توفیق ' اُنکے فقہ و حکم کی معرفت و تحقیق ' اور ہر حکم کو اُسکے صحیح محل پر وارد و محمول کردینے کا معاملہ نہایت غور و فکر اور وسعت نظر و رسوخ علم کا محتاج ہے - فکر کی ذرا سی لغزش اور نظر کی تھوڑی سی کوتاہی بھی نہایت سخت غلطیوں کا موجب ہو جاسکتی ہے -

با ایں ہمہ مسئلہ کی تمام مشکلات جس طرح حل ہوگئی ہیں ' اور ضمناً جابجا متعدد اصولی مسائل و مباحث کی نزاعات قدیمہ کا جسطرح نکلی خاتمہ کردیا گیا ہے ' اُسکا اندازہ صرف وہی اصحاب علم و بصیرۃ کرسکتے ہیں جنکو بحث و نظر کی اِن وادیوں میں قدم رکھنے کا اتفاق ہوا ہے ' اور جو ان مسائل کو اُنکے اصلی مصادر و موارد اور متداول کتب قوم میں دیکھہ چکے ہیں ' اور مشکلات کار کے اندازہ شناس ہیں - و قلیل ما ہم -

معہذا اختصار مانع تشریح و تفصیل رہا ' اور اکثر مقامات میں اسطرح اشارات کرنے پڑے ' گویا مخاطبین کی نظر و معلومات بطور مقدمہ کے فرض کرلی ہے - بدقسمتی سے یہ مقدمہ محل نظر ہے ' مگر بغیر اسکے چارہ بھی نہ تھا - افسوس کہ ان مباحث کی نسبت خود مدعیان علم پر بھی عام طور پر واعظانہ و خطیبانہ رنگ غالب ہے - نظر و تحقیق سے ذوق رکھنے والے ناپید ہیں - اور ہمارے حصہ میں ایک ایسا عہد آیا ہے کہ اگر اس سے بھی زیادہ خیرہ مذاقی و کم نظری کا ماتم پیش آ جاے تو گلہ مند نہ ہونا چاہیے :

کم اردنا داک الزمان بمدح
فشغلنا بذم ہذا الزمان !

البتہ اس رسالہ کے طبع اول کی اشاعت سے مسئلہ کے تسلیم و اعتراف کا جو اقبال عام طور پر ظہور میں آیا - علی الخصوص طبقۂ علماء کرام

میں - اس کے لیے توفیق الہی کا شکرگذار ہوں - کے شمار اصحاب کے جن میں ایک بڑی تعداد علماء کی ہے ' مولف کو مطلع کیا ہے کہ مسئلۂ خلافت کے بارے میں طرح طرح کے شکوک و شبہات عارض تھے' مگر اس رسالہ کے مطالعہ کے بعد وہ پوری طرح مطمئن ہوگئے - واللہ یہدی من یشاء الی سواء السبیل -

یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ مولف نے گذشتہ فروری کے اجلاس خلافت کانفرنس بنگال میں جب اس رسالہ کے مطالب پر تقریر کی' تو بیان کیا تھا کہ اگر موجودہ حالات میں تبدیلی نہ ہوئی تو مسلمانوں کیلیے ضروری ہوجائیگا کہ اُس حکم شرعی پر عمل پیرا ہو جائیں جسکو مولف " ترک موالات " کے نام سے موسوم کرتا ہے - پھر اُس کی تشریح بھی کردی تھی ' اور بتلایا تھا کہ اور روے نص قرآنی مسلمانوں کا اولین عمل فریق محارب کے مقابلے میں یہی ہونا چاہیے -

اگرچہ اُس وقت بجز مہاتما گاندھی جی کے تمام ارباب کار نے اس مسئلہ سے سرد مہری برتی اور طرح طرح کے عذرات پیش ہوتے رہے ' تاہم حکم قرآنی کی الہامی و ربانی صداقت بالاخر فتح یاب ہوئی ' اور رفتہ رفتہ تمام اصحاب کار کو طوعاً و کرہاً اس پر متفق ہو جانا پڑا :

اندک اندک عشق در کار آورد بیگانہ را

اب ملک کی سیاسی جماعتیں بھی اس اعتراف میں ہمارے ساتھ شریک ہیں ' اور یقین کرتی ہیں کہ ملک کی نجات کیلیے اسکے سوا کوئی راہ نہیں - یہ یقیناً کار فرماے غیب ہی کی کارسازی ہے کہ اُسنے ملک کی ایک راست باز غیر مسلم ہستی یعنی مہاتما گاندھی جی کے صداقت اندیش دل کو بھی خود بخود اس حقیقت کے علم و فہم کیلیے کھول دیا ' اور انہوں نے بھی چارۂ کار دیکھا تو وہی تھا جو تیرہ سو برس پہلے مسلمانوں کو بتلادیا گیا ہے -

۲۰ - جنوری سنہ ۲۰ - کو جب دہلی میں خلافت ڈیلیگیشن کی ایک صحبت مشورۃ منعقد ہوئی اور سب سے پہلی مرتبہ " نان کو اپریشن " کی تجویز بحث میں آئی ' تو اُسوقت صرف مسٹر گاندھی اور مولف رسالہ ہے کے دل و زبان پر تھی - باقی یا متردد تھے یا مخالف - لیکن

الحمد للہ کہ آج ملک کے تمام مسلم و غیر مسلم ارباب عمل و صفا کا متفقہ اعلان یہی ہے !

یہاں یہ ظاہر کردینا بھی ضروری ہے کہ اس رسالہ میں مسلمانان ہند کے فرائض و اعمال کی نسبت جو کچھہ بصیغۂ استقبال لکھا گیا تھا ' وہ اشاعت کے بعد حال کے حکم میں آگیا ہے - موجودہ صورت حال یہ نہیں ہے کہ مسلمانوں پر کیا کیا فرائض عائد ہوجائینگے ؟ بلکہ یہ ہے کہ جو کچھہ عائد ہونا تھا ہوچکا - اب سوال جستجوے احکام کا نہیں ہے - اداء فرض کا درپیش ہے - رسالہ کے آخری اوراق میں مختصراً اس طرف اشارات کیے گیے ہیں - تفصیل دوسرے حصہ میں ملیگی جو " ترک موالات " کے نام سے (مع مفصل طریق عمل و ترتیب کار) خلافت کمیٹی کی جانب سے شائع ہونے والا ہے اور جسکو آجکل قلمبند کررہا ہوں - فان اعش ' فسأ بینها لکم ' و ان امت ' فما انا بصعبتکم بحریص - والحمد للہ اولاً و آخرا -

۹ - محرم سنہ ۱۳۳۹ — احمد

(پنجاب میل - اسٹیشن کانپور) — کان اللہ لہ

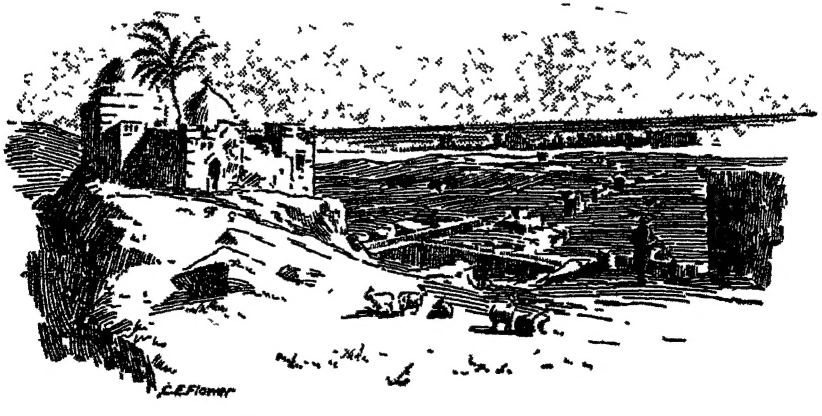

مقدمہ

(طبع اول)

مسئلۂ خلافت و بلاد مقدسہ کی نسبت مسلمانوں کے مطالبات کی تمام تر بنیاد احکام شرعیہ پر ہے - اسلیے سب سے مقدم کام یہ تھا کہ ایک مبسوط تحریر اس موضوع پر شائع کی جاتی' جسمیں تمام احکام شرعیہ کی پوری طرح شرح و تحقیق ہوتی ' اور جسقدر شبہات اس بارے میں پیدا ہو سکتے ہیں ' اُن سب کا کماحقہ ازالہ کردیا جاتا-

یہ رسالہ اسی غرض سے شائع کیا جاتا ہے -

۲۸ - ۲۹ - فروری سنہ ۲۰ کو بنگال خلافت کانفرنس کا اجلاس کلکتہ میں منعقد ہوا - اس اجلاس کیلیے مولانا ابوالکلام نے یہ رسالہ بطور خطبۂ صدارت کے صفحۂ ۹۱ - تک لکھا تھا - بعد کو نفیہ مباحث بھی انہوں نے بڑھا دیے تا کہ اس موضوع پر ایک مکمل تحریر مرتب ہوجاے - جلسہ میں مولانا نے اپنی عادت کے مطابق محض زبانی تقریر کی تھی ' اور اسی کے ضمن میں احکام و دلائل کا خلاصہ بھی آگیا تھا - چنانچہ تمہید اور خاتمہ کا حصہ وہی ہے جو اس زبانی تقریر سے قلمبند کیا گیا تھا - البتہ تحریر سے بعض ایسے حصے نکالدیے گئے ' جو مسئلہ کے سیاسی و ملکی پہلو سے تعلق رکھتے تھے - مثلاً ہندو مسلمانوں کا اتحاد ' اور دنیا کا مستقبل عالمگیر امن - تا کہ یہ رسالہ صرف احکام شرعیہ کی بحث و تحقیق کیلیے خاص ہوجاے' اور اُن مباحث کو علحدہ رسالوں کی شکل میں شائع کیا جاے -

اس رسالہ کی اشاعت سے تبلیغ و اشاعت کا پہلا کام انجام پا گیا - یعنے مسئلہ پرشرح و بسط کے ساتھہ ایک مکمل بحث ہوگئی جسکا خطاب زیادہ تر حضرات علماء سے ہے -

نیز ایک ایسا جامع رسالہ طیار ہوگیا ' جسمیں مسئلہ کا تمام ضروری مواد موجود ہے - اب جو ارباب قلم اور کارکنان مجالس خلافت تبلیغ و اشاعت کیلیے مضامین شائع کرنا چاہیں ' وہ اس مواد کو پیش نظر رکھکر مختلف پیرایوں اور شکلوں میں متعدد رسالے مرتب کرلے سکتے ہیں -

کلکتہ — محمد اکرم خان

مئی سنہ ۱۹۲۰ع — آنریری سکریٹری خلافت کمیٹی بنگال -

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نومن بہ و نتوکل علیہ - و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا - من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ' و من یضللہ فلا ھادی لہ - و نشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ - و نشھد ان سیدنا محمد عبدہ و رسولہ - صلی اللہ علیہ و علی الہ و اصحابہ وسلم -

برادران و بزرگان ملک و ملت !

آپکے صوبے کی یہ پہلی خلافت کانفرنس ہے جسکی صدارت کی عزت مجھے دی گئی ہے - آپکی کمیٹی کے معزز ارکان میں سے ہر رکن یقینا اس بات سے واقف ہوگا کہ اس قسم کی رئیسانہ اور رسمی حیثیت کا اختیار کرنا میری زندگی میں سب سے پہلا واقعہ ہے ' اور اُس طریق عمل سے مجھے روگردان و منحرف ثابت کرتا ہے جس پر نہایت اصرار کے ساتھ قائم رہنے کی ہمیشہ کوشش کرتا رہا ہوں - سنہ ۱۹۱۱ع میں جبکہ میری موجودہ پبلک زندگی کا بالکل ابتدائی عہد تھا ' مجھے موقعہ ملا کہ اپنی آئندہ زندگی کیلیے ایک " مذہب عمل " قرار دے لوں - خدمت ملک و ملت کے دشت ناپیدا کنار کی طرف قدم اُٹھاتے ہوے اصول عمل کی مختلف راہیں میرے سامنے تھیں ' اور میں چاہتا تھا کہ میرا سفر اُس دانشمند مسافر کی طرح ہو جس نے سفر سے پہلے راہ و منزل کے سارے مرحلوں پر غور کرلیا ہے - اُس طوفانی کشتی کی طرح نہو جس نے ہوا کے جھونکوں اور سمندر کی موجوں پر اپنے سفر کا رخ اور کنارے کی جستجو چھوڑ دی ہے - اُسوقت اپنے مذہب عمل کی نسبت جن اصولی مسائل کا میں نے قطعی فیصلہ کرلیا تھا ' اُن میں ایک خاص مسئلہ یہ بھی تھا کہ اپنی زندگی کے ہر حصہ میں ہمیشہ مجلسوں کی صدارت ' انجمنوں کے عہدوں ' اور اسی طرح کے تمام رئیسانہ اور رسمی منصبوں سے یکقلم کنارہ کش رہونگا -

یہ فیصلہ دراصل میرے ایک بنیادی اور دینی اعتقاد کا قدرتی نتیجہ تھا - میں نے اپنے لیے جو راہ عمل منتخب کی تھی ' وہ دعوۃ و تبلیغ کی

راہ تھی - موجودہ زمانے کی مصلحت پذیر ذہنیت کی راہ نہ تھی - میرے سامنے
اتباع و اقتدا کیلیے نوع انسانی کے اُن مخصوص افراد کا نمونہ تھا جو دنیا
میں خدا کے رسولوں اور پیغمبروں کے نام سے ذکر کیے گئے ہیں، اور جنکے طریق
عمل کو اسلام کی اصطلاح میں "حکمت" اور "سنۃ" کے لفظ سے تعبیر
کیا گیا ہے - میں اپنی راہ طلبی کا نمونہ ابراہیم و محمد (علیہما الصلوۃ
والسلام) کے رہنما ہاتھوں میں دیدینے کیلیے مضطر تھا - گرینالڈی،
میزینی، یا گلیڈ اسٹن اور پارنل بننے کا عشق میرے اندر نہ تھا - پس یہ تو
ضروری تھا کہ میرا وجود کسی گوشۂ فقر و نامرادی میں خدمت و محنت کا
ایک غیر دلچسپ منظر ہوتا، یا انسانوں کے کسی ہجوم میں ایک پکارنے
والے کی بے نوا پکار - لیکن یہ بالکل ناممکن تھا کہ بیسویں صدی کے فراموش
کردہ عہد ندوۃ و مذاہب کا ایک دلدادہ، انجمنوں کا عہدہ دار اور مجلسوں
کا باقاعدہ پریسیڈنٹ ہو - خدا کے رسولوں کا طریق خدمت و دعوۃ، اور
بیسویں صدی کے لیڈروں کا طریق ریاست و حکومت، ایک زندگی میں
جمع نہیں ہوسکتے !

حضرات ! مذہب عمل کے اس بنیادی اعتقاد نے میرے لیے قدم
قدم پر مشکلات پیدا کردیں - باوجود کارکن رفیقوں کی موجودگی کے مجھے
ہمیشہ اپنی راہ میں صحرا کے درخت کی طرح بے مونس و رفیق اور
صرف اپنے سایہ ہی پر قانع رہنا پڑا - یہ مدنیۂ زار عالم جو اپنے ہر گوشہ
میں معینوں اور رفاقتوں کے راحت افزا جلوؤں سے معمور ہے، میرے لیے
ہمیشہ سمندر رہی یا ایک صحرائے ریگ زار، لیکن کبھی ایک آبادی اور
بستی کا اُس نے کام نہیں دیا، اور نہ کبھی میں اپنے تئیں اس قابل بنا
سکا کہ اُسکی رفاقتوں کا ساتھ دے سکوں - تاہم آپ حضرات کیلیے یہ عرض
کرنا ضروری نہیں ہے کہ جہاں تک ایک ناچیز انسانی ہستی ارادہ کے ساتھ
عمل کو جمع کرسکتی ہے، میں اپنے اصولوں پر قائم رہنے کیلیے ہمیشہ
سخت رہا ہوں، اور موجودہ زمانے کی لذتِ شب کی دلفریب سے دلفریب
نمائشیں اور ابناء عصر کی رفاقت و معیت کی صبر آزما دلچسپیاں بھی
کبھی اس بارے میں میرے لیے موثر نہیں ہوئی ہیں -

اسی بنا پر جب آپکے لائق اور سرگرم سکریٹری کا تار مجھے بنارس میں
ملا اور انہوں نے لکھا کہ کانفرنس کی صدارت تم کو منظور کرلینی چاہیے
تو میں نے اداء تشکر و امتنان کے بعد اپنے آپکو اس سے معذور ظاہر کیا تھا،

لیکن جب میں کلکتہ پہنچا اور اس بارے میں زبانی گفتگو ہوئی تو کچھہ عرصہ کی رد و کد کے بعد میں نے منظور کرلیا - میں اعتراف کرتا ہوں کہ یہ یقیناً اپنے دستور العمل سے ایک کھلا انحراف ہے ' لیکن آپ یقین کیجیے کہ اس انحراف کیلیے جس چیز نے مجھے مجبور کیا ' اُسکی حفاظت بھی میرے لیے تمام اصولوں اور قاعدوں سے زیادہ ضروری تھی - اصول مقاصد کیلیے ہیں - مقاصد اصول کیلیے نہیں ہیں - پس دنیا کے اس سچے اور ودرنی قانون کی بنا پر کہ ہر تری چیز کیلیے چھوٹی چیز کو اور ہمیشہ مقاصد کیلیے وسائل کو قربان کردینا چاہیے ' میں طیار ہوگیا کہ مقصد کی راہ میں مقصد کے ایک وسیلے یعنی اپنے طریق عمل کو خیر باد کہدوں ' اور اس مجلس کی صدارت منظور کرنے سے انکار نہ کروں -

حضرات ! میں چاہتا ہوں کہ نہایت صفائی کے ساتھہ بے پردہ یہ اصلی سبب بھی عرض کردوں جس نے مجھے یکایک اپنے طریق عمل کے برخلاف اس بات کیلیے آمادہ کردیا - آپ کو معلوم ہے کہ مجھے نظر بندی کے گوشۂ قید و عزلت سے نکلے ہوے بمشکل ابھی پورے دو مہینے ہوے ہونگے - لیکن اس تھوڑے عرصے کے اندر ہی میں نے پوری طرح اندازہ کرلیا ہے کہ موجودہ اسلامی و ملکی مسائل کی نسبت کام کرنے والوں کے طریق عمل کا کیا حال ہے ؟ مجھے صاف صاف عرض کردینا پڑتا ہے کہ ملک کے کار فرما طبقہ کی نسبت اب سے سات سال پہلے جو رائیں میں نے قائم کی تھیں ' اور جنکی وجہ سے بسا اوقات نہایت قیمتی اور محبوب رفاقتوں سے بھی دست بردار ہو جانا پڑتا تھا ' بدقسمتی سے ابتک اُن میں تبدیلی کا وقت نہیں آیا ہے -

متضاد مناظر کا کچھہ عجیب عالم ہے جسکو اپنے چاروں طرف پاتا ہوں - ایک طرف ملک کی عام پبلک ہے ' اور سورج کی روشنی کی طرح بالکل یقینی صورت میں دیکھہ رہا ہوں کہ زیادہ سے زیادہ اور بہتر سے بہتر حالت میں وہ کسی صحیح راہ عمل پر چل کھڑے ہونے کیلیے منتظر و مستعد ہے - دوسری طرف کام کرنے والوں کی جماعت ہے ' اور جس جس پہلو سے دیکھتا ہوں ' اسپر ابتک وہی تذبذب و اضطراب اور تزلزل و انتشار کا عالم طاری نظر آتا ہے جو تمام پچھلے دوروں میں طاری رہ چکا ہے - ابتک مقاصد سے اعراض ہے اور وسائل میں انہماک - ابتک حقیقی مصلحت

بینی ' اور حیلہ جوئی و بہانہ ساری میں امتیاز کی راہ مسدود ہے ' اور عزم و یقین کی جگہ ظن و شک اور خوف و هراس کی حکومت قائم ہے - زبانوں کی لکنت گو دور هوچکی ' اور شاید چہروں کا هراس بھی جاتا رہا لیکن دلوں کی دهشت بدستور باقی ہے ' اور ایمان کی کمزوری نے ابتک روحوں کا ساتھہ نہیں چھوڑا ہے - زبانیں جسقدر تیز هیں ' قدم میں اُتنی تیزی نہیں ہے - اور اعلان جسقدر بلند آهنگی اور رعد آسائی رکھتا ہے ' عمل میں اُسقدر بلند پیمائی نظر نہیں آتی - بندگو ترقی چکی ' اور شاید خفتگان بستر غفلت کروٹیں بھی بدل چکے ' لیکن آنکھوں میں خمار بدستور باقی ہے ' اور دھواں بڑھتا جاتا ہے لیکن شعلوں کی چمک کہیں نظر نہیں آتی - اگرچہ خدا کے مقدس نام کی تقدیس سے اب کوئی زبان نا آشنا نہیں رهی ' لیکن دلوں میں خدا کے ساتھہ انسانوں کا ڈر اور ایمان کے ساتھہ نفس کا عشق بھی باقی ہے : ویریدون ان یتخذوا بین ذالک سبیلا (۴ : ۱۴۹) اور چاهتے هیں کہ ان دونوں راهوں کے بین بین کوئی تیسری راہ اختیار کریں - حالانکہ تیسری راہ اس آسمان کے نیچے کوئی نہیں - راهیں صرف دو هی هیں - فمن شاء فلیؤمن ' و من شاء فلیکفر - حضرت مسیح نے کہا ہے : " ایک نوکر دو آقاؤں کو خوش نہیں کرسکتا " قرآن کا بھی فیصلہ یہی ہے : ما جعل اللہ لرجل من قلبین فی جوفہ (۳۳ : ۴) یعنی :

سینے میں کسی شخص کے دو دل نہیں هوتے !

حضرات ! مجھے ملامت کرنے میں جلدی نہ کیجیے اگر میں حقیقت کو اس سے بھی زیادہ بے نقاب دیکھنا چاهوں - افسوس کہ وقت کی جلدی اور قانون قدرت کی بے صبری نے هماری غفلتوں کا ساتھہ نہیں دیا - وہ اپنی ازلی بے پروائی کے ساتھہ نتائج و عواقب کی آخری منزل تک بڑھتا چلا آیا ہے - اب موت و حیات ' بقاؤ فنا ' ایمان و کفر ' اور خدا اور ماسوی اللہ کی منزل همارے سامنے ہے ' اور اسلیے میں قابل ملامت نہیں هوں اگر حسن بیان اور بلاغت اظہار کے پرپیچ آداب و قواعد کو موت و حیات کی کشمکش میں سنبھال نہیں سکتا - یہ حالت دیکھکر میں نے ارادہ کرلیا کہ اگر مجھکو ایک مجلس کے صدر کی حیثیت سے اظہار مطالب کا موقعہ ملتا ہے تو میں اس سے انکار نہ کروں ' اور اگر صداقت کے حقوق و اختیارات [illegible]

کروں - شاید اس طرح اس صحیح راہ عمل کی طرف کوئی قدم اُٹھہ سکے جسکو بارہ سال سے اپنے سامنے رکھتا ہوں لیکن رفیقان طریق نے ہمیشہ اس سے اعراض کیا ہے ' اور آج بھی جبکہ اُس اعراض کے نتائج سامنے ہیں ' تذبذب و اضطراب عمل ' عزم و ایمان کے استحکام پر غالب نظر آ رہا ہے -

حضرات ! صرف یہی ایک خیال تھا جس نے مجھے اس بات پر آمادہ کردیا کہ آپنے اپنی محبت اور مہربانی سے جو عزت مجھے دینی چاہی ہے اُس سے گریز نہ کروں - میں آپکا شکرگزار ہوں ' اور آپکی دلی رفاقت و اعانت کا طلبگار - ہم سب کو اللہ کے فضل و توفیق پر اعتماد ہے جسکے بغیر کائنات ہستی کا کوئی ارادہ اور کوئی عمل کامیابی اور فلاح نہیں پاسکتا -

امیر جمع ہیں احباب درد دل کہلے
پھر التفات دل دوستاں رہے نہ رہے !

وما توفیقی الا باللہ - علیہ توکلت و الیہ انیب

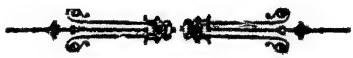

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ و کفی - و سلام علی عبادہ الذین اصطفی

باب

— : * : —

فصل

(خلافۃ)

" خلافۃ " عربی کی ایک مصدر ہے - اُسکا مادہ ہے " خلف " - اور اسی سے ہے " خلیفہ " - خلیفہ کے لغوی معنی نیابت اور قائم مقامی کے ہیں " من قولک خلف فلان فلانا فی ھذا الامر اذا قام مقامہ فیہ بعدہ " [ابن فارس] یعنی اگر ایک شخص کسی دوسرے شخص کے بعد اُسکا نائب و قائم مقام ہوا تو یہ خلافت ہوئی ' اور لغۃ میں اسکو خلیفہ یعنے بعد کو آنے والا اور قائم مقام کہینگے - خواہ یہ نیابت سابق کی موت و عزل کی وجہ سے ہوئی ہو ' یا غیبت کی وجہ سے ' یا اپنا اختیار اور منصب سپرد کر دینے کی وجہ سے - مفردات امام راغب میں ہے " الخلافۃ ' النیابۃ عن الغیر ' إما بالغیبۃ المنوب عنہ ' و إما لموتہ ' و إما لعجزہ ' و إما لتشریف المستخلف " (صفحہ ۱۵۵)

یہ لفظ بھی قرآن حکیم کے اختیارات لغویہ میں سے ہے - یعنی عربی زبان کے اُن لفظوں میں سے ہے جنکو لغۃ میں عام معانی کیلیے استعمال کیا جاتا تھا مگر قرآن حکیم نے اپنے خاص مصطلحۂ شرع معنی کیلیے اختیار کرلیا - جیسے ایمان ' غیب ' تقدیر ' بعث ' صلوٰۃ وغیرہ ذٰلک - ایمان کے لغوی معنی یقین و طمانیۃ اور زوال خوف و شک کے تھے ' لیکن قرآن حکیم نے اسکو ایک خاص طرح کے یقین و اقرار اور عمل کیلیے استعمال کیا ' اور اب [illegible] معنی کے [illegible] ایک خاص اصطلاح

پاگئی ہے - قرآن کی زبان میں خلافۃ اور " استخلاف فی الارض" اور " وراثت و تمکن فی الارض " سے مقصود زمین کی قومی عظمت و ریاست اور قوموں اور ملکوں کی حکومت و سلطنت ہے - قرآن حکیم اسکو سب سے بڑی نعمت قرار دیتا ہے جو اچھے تمدن اور اچھے کاموں کے بدلے اقوام عالم کو دنیا میں ملسکتی ہے - قرآن کے نزدیک اس خلافت ارضی کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ دنیا میں نوع انسانی کی ہدایت و سعادت کیلئے ایک خاص ذمہ دار قوم و حکومت قائم ہو - وہ اللہ کی عدالت کو دنیا میں نافذ کرے ' ظلم و جور اور ضلالت و طغیان سے اُس کی زمین پاک ہو جائے ' ایک عام امن و سکون اور راحت و طمانیت دنیا میں پھیل جائے' اور اللہ کا وہ ہمہ گیر قانون عدل جو تمام کائنات ہستی میں سورج سے لیکر زمین کے ذرات تک نافذ و قائم ہے ' اور جسکو قرآن اپنی زبان میں صراط مستقیم کے لفظ سے تعبیر کرتا ہے ' زمین کے گوشے گوشے اور چپے چپے میں جاری و ساری ہو کر کرۂ ارضی کو سعادت و امنیت کی ایک بہشت زار بنادے !

لغۃ کے اعتبار سے یہ اطلاق اسلیے ہوا کہ سب سے پہلے جو قوم اور قوم کا جو فرد خلیفہ ہوا ' وہ زمین پر اللہ کی عدالت قائم رکھنے میں ' اللہ کی نیابت اور قائم مقامی رکھتا تھا ' اور اسکے بعد والی قوم اپنے سابق کی نائب تھی' اور ہر خلیفہ ' سابق کا قائم مقام - ظہور اسلام کے بعد جب ارضی خلافۃ کے وارث مسلمان ہوے' تو اس سلسلہ کا پہلا خلیفۃ اللہ صاحب و شارع اسلام تھا - یعنی محمد الرسول اللہ صلعم - اور پھر انکے بعد جن لوگوں کے ہاتھہ اسلام کی مرکزی حکومت آئی ' وہ اس خلیفہ اللہ کے نائب اور قائم مقام ہوے اسلیے اُن پر خلیفہ کا اطلاق ہوا اور ابتک ہو رہا ہے -

یہ زمین کی وراثت و خلافت یکے بعد دیگرے مختلف قوموں کے سپرد ہوتی رہی اور وہ دنیا میں اللہ کی طرف سے دین حق کے خدمت گزار رہے - آیات ذیل میں اسی خلافت کا ذکر ہے :

وھو الذی جعلکم خلائف الارض (۶ : ۱۶۵)	وہی پروردگار عالم ہے جس نے تم کو زمین میں خلافت دی -
ویستخلف ربی قوما غیرکم - (۱۱ : ۵۷)	اگر تم نے اپنا فرض ادا نہ کیا تو میرا پروردگار تمہاری جگہ کسی دوسری قوم کو دیدیگا -

ثم جعلنـــاکم خلائف	پھر ان قوموں کے بعد ہم نے تم کو اسی
فی الارض من بعدھم لننظر	جگہ دی تاکہ دیکھیں تمہارے کام کیسے
کیف تعملون ؟ (۱۰ : ۱۴)	ہوتے ہیں ؟
و اذکروا اذ جعلکم خلفاء من	اور یاد کرو جب ہم نے قوم نوح کے بعد آپکا
بعد قوم نوح - (۷ : ۶۸)	جانشیں بنایا -
یا داؤد انا جعلنـــاک	اے داؤد ہم نے زمین میں تم کو
خلیفة فی الارض (۳۸ : ۲۶)	خلیفہ بنایا -

اسی چیز کو زمین کی وراثت سے بھی تعبیر کیا گیا :

ولقد کتبنا فی الزبور	اور زبور میں بھی ہمارا اعلان یہی تھا کہ
من بعد الذکر ان الارض یرثھا	یقیناً زمین کی حکومت ہمارے صالح بندوں
عبادی الصالحون (۲۱ : ۱۰۵)	ہی کی وراثت میں آئیگی -

یہی چیز زمین کی " تمکین " یعنی طاقت و عظمت کا جماؤ اور قیام تھی جو سر زمین فراعنہ میں کنعان کے ایک اسرائیلی نوجوان نے حاصل کی تھی، جبکہ وہ غلامی کی حالت میں وہاں فروخت کیا گیا ' اور پھر اپنے عمل حق و صالح کی قوت سے ایک دن مصر کے تاج و تخت کا مالک ہوگیا :

کذالـــک مکنا لیـــوسف -	اس طرح ہم نے یوسف کی عظمت مصر
(۱۲ : ۵۶)	میں قائم کردی -

اور اسی کا مسلمانوں سے وعدہ کیا گیا تھا :

الذین ان مکنا ھم فی الارض	وہ لوگ کہ اگر ہم انکی طاقت زمین
اقاموا الصلـوة و آتوا الزکوة	میں جمادیں تو انکا کام یہ ہوگا کہ نماز کو
و امروا بالمعـروف و نھـوا	قائم کرینگے ' زکوٰۃ ادا کرینگے ' نیکی کا
عن المنکر ' و للـہ عاقبـة	حکم دینگے ' اور برائی سے دنیا کو روکینگے
الامور - (۲۲ . ۴۳)	

اس آیہ کریمہ سے صاف طور پر یہ حقیقت بھی واضح ہوگئی کہ تمکین فی الارض یعنی حکومت کا مقصد اصلی قرآن حکیم کے نزدیک کیا ہے ؟ معلوم ہوگیا کہ صرف یہ ہے کہ اللہ کی عبادت دنیا میں قائم کی جائے ' نیکی اور راستی کا اعلان و ظہور ہو ' برائی سے نوع انسانی کے دلوں اور ہاتھوں کو روک دیا جائے !

دوسری آیۃ میں اسکو خلافت کے لفظ سے تعبیر کیا

وعد اللہ الذین آمنوا منکم و عملوا الصالحات لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضی لھم ' و لیبدلنھم من بعد خوفھم أمنا - یعبدوننی لا یشرکون بی شیئا ومن کفر بعد ذلک فاولائک ھم الفاسقون (۲۴ : ۵۵)

جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل انجام دیے ' اللہ کا ایسے وعدہ ہے کہ اُنہیں زمین کی خلافت دیگا - ٹھیک اُسی طرح جس طرح پچھلی قوموں کو دی جا چکی ہے - اور ایسا کریگا کہ انکے لیے اُن کا دین حق قائم ہو جائیگا اور خوف کی گھڑیاں امن کی خوشحالی و کامرانی سے بدل دی جائینگی -

یہ آیت اُسوقت نازل ہوئی جب ہجرۃ کے بعد مدینہ میں مسلمانوں کی زندگی دشمنوں سے گھری ہوئی تھی اور قلت تعداد و بے سروسامانی حال کے ساتھ دشمنوں کے بے درے حملوں کا یہ حال تھا کہ کسی وقت بھی ہتیار اپنے جسم سے دور نہیں کرسکتے تھے - اُسوقت بعض مسلمانوں کی زبان سے بے اختیار یہ جملہ نکل گیا " ما یأتی علینا یوم نأمن فیہ و نضع عنا السلاح " ایک دن بھی ہم پر ایسا نہیں آیا کہ امن و بے خوفی کے ساتھ صبح و شام بسر کرتے اور ہتیار اپنے جسم سے الگ کرسکتے - ابو العالیہ راوی ہیں کہ اسپر مندرجۂ صدر آیت نازل ہوئی اور اللہ نے مسلمانوں کو بشارت دی کہ مضطرب نہوں' ایمان و عمل صالح کا پھل عنقریب ملنے والا ہے جبکہ خوف کی جگہ امن ہوگا ' مظلومی و بیچارگی کی جگہ فرمانروائی و کامرانی ہوگی ' اور سب سے بڑھکر یہ کہ زمین کی خلافت اُنہی کے قبضۂ اقتدار میں آجائیگی - (تفسیر طبری جلد ۱۸ صفحہ ۶۲۲)

اس آیت سے ضمناً یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ قرآن حکیم کے نزدیک جو چیز " خلافت " ہے' وہ خلافت فی الارض ہے - یعنی زمین کی حکومت و تسلط - پس اسلام کا خلیفہ ہو نہیں سکتا جب تک بموجب اس آیت کے زمین پر کامل حکومت و اختیار اُسے حاصل نہو - وہ مسیحیت کے پوپ کی طرح محض ایک آسمانی و دینی اقتدار نہیں ہے جسکے لیے دلوں کا اعتقاد اور پیشانیوں کا سجدہ کافی ہو - وہ کامل معنوں میں سلطنت و فرمانروائی ہے - اسلام کے قانون میں دینی و روحانی اقتدار خداؤ رسول کے سوا کوئی انسانی وجود نہیں رکھتا - ایسے اقتدار کو قرآن نے شرک قرار دیا

ہے' اور اسکا مقابلہ اُس کے ظہور کا پہلا کام تھا : اتخذوا احبارهم و رهبانهم اربابا من دون الله (۹ ۳۲) اور ما کان لبشر ان یؤتیه الله الکتاب و الحکم و النبوة ' ثم یقول للناس کونوا عبادا لی من دون الله ' و لکن کونوا ربانیین بما کنتم تعلمون الکتاب و بما کنتم تدرسون - (۲ : ۷۹)

الله کے تمام وعدوں کی طرح یہ وعدہ بھی پورا ہوا - آٹھ نو سال بعد جب داعی اسلام دنیا سے تشریف لیگئے تو تمام جزیرۂ عرب مسلمانوں کے قبضہ اقتدار میں آچکا تھا اور رومیوں کے مقابلہ کیلیے اسلامی فوجیں مدینہ سے نکل رہی تھیں - اس سلسلۂ خلافت اسلامیہ کا پہلا خلیفہ الله خود حضرۃ داعی اسلام (صلی الله علیه و سلم) کا وجود مقدس تھا' اور آپنے اپنے بعد کے جانشینوں کو خود لفظ خلفاء سے تعبیر فرماکر واضح کردیا تھا کہ وہ آپکے نائب اور قائم مقام ہونگے - " علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین " (ابن ماجه عن العرباض بن ساریه) و امثالها - آپکے بعد حضرت ابوبکر رضي الله عنه جب جانشین ہوے تو وہ خلیفۂ رسول الله تھے -

فصل

(خلافت خاصہ و خلافت ملوکی)

آنحضرۃ کے بعد خلافت اپنے خصائص و نتائج کے اعتبار سے دو بڑے سلسلوں میں منقسم ہوگئی - خود آنحضرت نے نہ صرف ان کی پیشتر سے خبر ہي دیدي تھي' بلکہ تمام علائم و خصائص صاف صاف بیان کردیے تھے - اس بارے میں جو احادیث موجود ہیں' وہ کثرت طرق' شہرت متن' قبول طبقات' کي بنا پر حد تواتر تک پہنچ چکي ہیں - پہلا سلسلۂ خلافت خلفاء راشدین مہدیئین کا تھا جنکي خلافت منہاج نبوۃ پر تھي - یعنی وہ صحیح و کامل معنوں میں منصب نبوت کے جانشین اور جامعیۃ شخص رسالۃ کے قائم مقام تھے - انکا طریق کار ٹھیک ٹھیک طریق نبوت کے مطابق تھا' اور اسلیے گویا عہد نبوت کا ایک آخري جزء تھا - اور جس طرح وجود نبوۃ میں مختلف حیثیتوں کا اجتماع تھا' اسي طرح انکي شخصیت بھي جامع و حاوي تھي - دیني دعوۃ اور شرعي اجتہاد و امر' حکومت و فرمانروائي اور قوام و نظام شرع' نظام شریعت اور نظام

سیاست کے تمام قوانین کی ذات واحد میں جمع ہیں - انکی حکومت سچے اور حقیقی اسلامی نظام پر تھی - یعنی حکومت شوریٰ ' جسکو آجکل کی زبان میں ایک ناقص تشبیہ کے ساتھہ ری پبلک کہہ سکتے ہیں - یہ سلسلہ حضرۃ علی علیہ السلام پر ختم ہوگیا -

دوسرا سلسلۂ خلافت منہاج نبوت سے الگ مجرد حکومت و پادشاہت کا تھا ' جاکہ عجمی بدعتیں خالص اسلامی و عربی تمدن سے ملکر ایک نیا دور شروع کر رہی تھیں - یہ سلسلۂ خلافت اگرچہ بعد کی خلافتوں کے مقابلے میں بڑے سلسلے سے اقرب تھا ' لیکن خلافت راشدہ کے حقیقی خصائص ناپید ہوگئے تھے - خلفاء بنو اُمیہ سے لیکر آجتک جو سلسلۂ خلافت اسلامیہ جاری ہے ' وہ اسی دوسری قسم میں داخل ہے - احادیث میں پہلے سلسلہ کو بوجہ غلبۂ طریق ہدایت و نبوۃ خلافت کے لفظ سے اور دوسرے کو بوجہ غلبۂ سیاست و شخصیت پادشاہت کے لفظ سے بھی تعبیر کیا گیا ہے " الخلافۃ بعدی ثلاثون عاما ثم ملک بعد ذلک " [اخرجہ اصحاب السنن] اور حدیث ابو ہریرہ " الخلافۃ بالمدینۃ و الملک بالشام " ایک دوسری حدیث میں بالترتیب تین دور بتلائے گئے ہیں " نبوۃ و رحمۃ ' ثم خلافۃ و رحمۃ " وہی لفظ " خلافۃ علی منہاج النبوۃ ثم یکون ملک عضوض (رواہ البزار و قال السیوطی حسن) امیر معاویہ نے اسیکی نسبت کہا تھا - ہم نے عہد ملوکی پر قناعت کرلی -

آخری حدیث کے مطابق تین دور ہوئے - عہد نبوت و رحمت ' خلافت و رحمت ' پادشاہی و فرمانروائی - پہلا دور آنحضرۃ صلعم کی وفات پر ختم ہوگیا - دوسرا دور فی الحقیقت عہد نبوت کا ایک تتمہ اور لازمی جزء تھا (جیسا کہ سلسلۂ دعوۃ اور تکمیل کار و بار شرائع میں ہمیشہ سنۃ اللہ رہی ہے) جو حضرۃ امیر علیہ السلام پر ختم ہوگیا - اسکے بعد سے مجرد عہد پادشاہی و استبدادی شروع ہوا جو آجتک جاری ہے - اس دور کی بھی بہت سی مختلف شاخیں علحدہ علحدہ احادیث میں بتلائی گئی تھیں ' اور وہ سب ٹھیک ٹھیک ظہور میں آئیں - نبوت و رحمت کی برکات کی محرومی و فقدان کا ایک تدریجی تنزل تھا ' اور بدعات و فتن کے ظہور و احاطہ کی ایک تدریجی ترقی تھی ' کالحصیر عوداً عوداً ' جو حضرت عثمان کی شہادت سے شروع ہوئی ' اور جسقدر عہد نبوت سے دوری بڑھتی گئی ' اُتنی ہی عہد نبوت اور خلافت

رحمت کی سعادتوں سے امت محروم ہوتی گئی - یہ محرومی صرف امامت و خلافت کبریٰ کے معاملہ ہی میں نہیں ہوئی ' بلکہ قوام و نظام امت کے مبادیات و اساسات سے لیکر جزئیات شخصی و انفرادی کی اعتقادی و عملی جزئیات تک ' ساری باتوں کا یہی حال ہوا - بدعۃ و فساد کے اس سیلاب کو صرف ایک دیوار روکے ہوئے تھی جو بقول حضرۃ حذیفہ (اعلم الصحابۃ بالفتن) حضرۃ عمر (رض) کا وجود تھا - جونہی یہ بنیان مرصوص ہٹی ' وہ سیلاب عظیم اُمڈا ' اور پھر کوئی سد و بند اُسکی راہ نہ روک سکا - اسی سیلاب کو حضرۃ حذیفہ کی روایت میں " التی تموج کموج البحر " (رواہ البخاری) سے تعبیر کیا گیا تھا - یعنی سمندر کی موجوں کی طرح اسکی موجیں اُٹھیں گی - سو واقعی اُٹھیں ' اور دور خلافت و رحمت اور " خلافۃ علی منہاج النبوۃ " کی عظیم الشان عمارت اسکے تلاطم و طغیان میں آناً فاناً بہہ گئی -

احادیث میں نہایت کثرت کے ساتھ اسلام کے ایک آخری دور کی بھی خبر دی گئی ہے جو اپنے برکات کے اعتبار سے دور اول کے خصائص تازہ کردیگا ' اور جسکا حال یہ ہوگا کہ " لا یدری اولہا خیر ام آخرہا " نہیں کہا جاسکتا کہ اُمت کی ابتدا زیادہ کامیاب تھی یا اُسکا اختتام ؟ یہی وہ آخری زمانہ ہوگا جب اللہ کا اعلان اپنے کامل معنوں میں پورا ہوکر رہیگا کہ :

لیظہرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون - (۹ : ۶۱)	دین اسلام اور اُسکا رسول اسلیے آیا تاکہ تمام دینوں اور قوموں پر بالآخر غالب ہوکر رہے (کیونکہ آخری غلبہ و بقاء صرف اصلح کیلیے ہے اور تمام دینوں میں اصلح صرف اسلام ہی ہے)

یہی وجہ ہے کہ مایوسیوں اور نامرادیوں کی اس عالمگیر تاریکی میں بھی جو آج چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے ' ایک مومن قلب کیلیے فتح و اقبال کی روشنیاں برابر چمک رہی ہیں - بلکہ جسقدر تاریکی بڑھتی جاتی ہے ' اُتنا ہی زیادہ طلوع صبح کا وقت قریب آتا جاتا ہے : ان موعدھم الصبح ' الیس الصبح بقریب !

تفاوت ست میان شنیدن من و تو
تو بستن در و من فتح باب می شنوم !

فصل

(عہد اجتماع و ائتلاف ' و دور اشتات و انتشار)

آپ آزردہ خاطر نہوں اگر موضوع کی وسعت چند لمحوں کیلیے مجھے اپنے اطراف و جوانب کی طرف لے احتدار مائل کرلے - اس مقام کی مزید وضاحت کیلیے بہتر ہوگا کہ دو خاص اصطلاحی لفظوں کے معانی پر آپ پہلے غور کرلیں - ایک " اجتماع " اور " ائتلاف " ہے - دوسرا " اشتات " اور " انتشار " - نہ صرف امۃ اسلامیہ بلکہ تمام اقوام عالم کی موت و حیات ' ترقی و تنزل ' اور سعادت و شقاوت کے جو اصولی اسباب و مراتب قرآن حکیم نے بیان کیے ہیں ' اُنکی سب سے زیادہ اہم حقیقت انہی الفاظ کے اندر پوشیدہ ہے - " اجتماع " کے معنی ہیں " ضم الشیٔ بتقریب بعضہ من بعض " (مفردات امام راغب ' ۹۵) یعنی مختلف چیزوں کا باہم اکٹھا ہو جانا - اور ائتلاف " الف " سے ہے - اسکے معنی ہیں " ما جمع من اجزاء مختلفۃ ' و رتب ترتیباً ' قدم فیہ ما حقہ أن یقدم ' و اخر فیہ ما حقہ أن یؤخر " (مفردات : ۱۹) یعنی مختلف چیزوں کا اس تناسب اور ترتیب کے ساتھہ اکٹھا ہوجانا کہ جس چیز کو جس جگہ ہونا چاہیے وہی جگہ اُسے ملے جو پہلے ہوے کی حقدار ہے وہ پہلے رہے - جسکو آخری جگہ ملنی چاہیے ' وہ آخری جگہ پاے - "عہد اجتماع و ائتلاف" سے مقصود وہ حالت ہے جب مختلف کارکن قوتیں کسی ایک مقام ' ایک مرکز ' ایک سلسلے ' ایک وجود ' ایک طاقت ' اور ایک فرد واحد میں اپنی قدرتی اور مناسب ترکیب و ترتیب کے ساتھہ اکٹھی ہو جاتی ہیں ' اور تمام مواد ' قوی ' اعمال ' اور افراد پر ایک اجتماعی و انضمامی دور طاری ہو جاتا ہے - بحدیکہ ہر قوت اکٹھی ' ہر عمل باہمدگر جڑا اور ملا ہوا ' ہر چیز بندھی اور سمٹی ہوئی ' ہر فرد زنجیر کی کڑیوں کی طرح ایک دوسرے سے متحد و متصل ہو جاتا ہے - کسی چیز ' کسی گوشے ' کسی عمل میں علحدگی نظر نہیں آتی - جدائی ' انتشار ' اور الگ الگ ' جزء جزء ' فرد فرد ' ہوکر رہنے والی حالت نہیں ہوتی - ماحول میں جب یہ اجتماع و انضمام پیدا ہو جاتا ہے ' تو اسی سے تخلیق و تکوین اور وجود و ہستی کے تمام مراتب ظہور میں آتے ہیں - اسی کو قرآن حکیم نے اپنی اصطلاح میں مرتبۂ " تخلیق " و " تسویہ " سے بھی تعبیر کیا

ہے ۔ [illegible] پس زندگی اور [illegible] ہے مگر
اجتماع و ائتلاف اور موت و فنا نہیں ہے مگر سکی ضد - یہی حالت جب افعال
و اعمال پر طاری ہوتی ہے تو اخلاق کی زبان میں اسکو "خیر" اور شریعت
کی زبان میں "عمل صالح" اور "حسنات" کہتے ہیں - جب جسم انسانی
پر طاری ہوتی ہے تو طب کی اصطلاح میں "تندرستی" سے تعبیر کی جاتی ہے
اور حکیم کہتا ہے کہ یہ "زندگی" ہے - اور پھر یہی حالت ہے کہ جب قومی
و جماعتی زندگی کی قوتوں اور عملوں پر طاری ہوتی ہے تو اُس کا نام
"حیات قومی و اجتماعی" ہوتا ہے ' اور اُسکا ظہور قومی اقبال و ترقی اور
نفوذ و تسلط کی شکل میں دنیا دیکھتی ہے - الفاظ بہت سے ہیں -
معنی ایک ہے - مظاہر گو مختلف ہیں مگر اُس حکیم یگانۂ و واحد کی
ذات کی طرح ' اُسکا قانون حیات و وجود بھی اس کائنات ہستی میں
ایک ہی ہے - و لنعم ما قیل :

عیار انا شتی و حسنک واحد
و کل الی ذاک الجمال یشیر ا

اس حالت کی ضد "اشتات و انتشار" ہے - اشتات " "شتت " سے
ہے جسکے معنی لغت میں "تفریق" اور الگ الگ ہو جانے کے ہیں -
"یقال شت جمعهم شتا و شتاتاً ' و جاؤا اشتاتاً - ای متفرقی النظام"
(مفردات : ۲۵۶) قرآن حکیم میں ہے : یومئذ یصدر الناس اشتاتا (۹۹:۶)
اور من ذلک شتی (۲۰:۵۳) اور و قلوبهم شتی (۵۹:۱۴) ای مختلفة -
انتشار "نشر" سے ہے - اسکے معنی بھی الگ الگ ہو جانے کے ہیں -
یعنی تفرق کے - سورۂ جمعہ میں ہے : فاذا قضیت الصلوة فانتشروا -
یعنی تفرقوا - "اشتات و انتشار" سے مقصود وہ حالت ہے جب اجتماع و
ائتلاف کی جگہ الگ الگ ہو جائے ' متفرق اور پراگندہ ہوئے ' اور باہمدگر
علحدگی و بیگانگی کی حالت طاری ہوجائے - مواد میں ' قوی میں '
اعمال میں ' افراد میں ' ہر بات میں پہلی حالت سے بالکل متضاد
حالت پیدا ہوجائے - یہ حالت جب مادہ پر طاری ہوتی ہے تو "تکوین"
کی جگہ "فساد" اور "وجود" کی جگہ "عدم و فنا" کا اُسپر اطلاق ہوتا ہے
جسم پر طاری ہوتی ہے تو اُسکا نام پہلے "بیماری" اور پھر "موت" ہے -
اعمال پر طاری ہوتی ہے تو اُسی کو قرآن حکیم اپنی اصطلاح میں "عمل
سوء" اور "عصیان" سے تعبیر کرتا ہے - اور پھر یہی چیز ہے کہ جب

قوموں اور امتوں کی اجتماعی زندگی پر طاری ہوجاتی ہے تو دنیا دیکھتی ہے کہ اقبال کی جگہ ادبار، عروج کی جگہ سفل، ترقی کی جگہ تنزل، عظمت کی جگہ ذلت، حکومت کی جگہ محکومی، اور بالآخر زندگی کی جگہ موت اُس پر چھا گئی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے جا بجا "اجتماع وائتلاف" کو قومی زندگی کی سب سے بڑی بنیاد، اور اسلئے انسان کیلیے اللہ کی جانب سے سب سے بڑی رحمت و نعمت قرار دیا ہے، اور اسکو "اعتصام بحبل اللہ" اور اسی طرح کی تعبیرات عظیمہ سے موسوم کیا ہے - مسلمانوں کے اولیں مادۂ تکوین امت یعنی اہل عرب کو مخاطب کرکے اور پھر تمام عرب و عجم سے فرمایا:

واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا واذکروا نعمت اللہ علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا - (۱۰۳:۲)	سب مل جلکر اور پوری طرح اکٹھے ہوکر اللہ کی رسی مضبوط پکڑلو - سب کے ہاتھ اسی ایک حبل اللہ سے وابستہ ہوں - اللہ کا یہ احسان یاد کرو کہ کیسی عظیم الشان نعمت ہے جس سے سرفراز کیے گئے؟ تمہارا حال یہ تھا کہ بالکل بکھرے ہوے اور ایک

دوسرے کے دشمن تھے - اللہ نے تم سب کو باہم ملادیا اور اکٹھا کردیا - سب ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اب بھائی بھائی ہوگئے!

اس کے بعد فرمایا کہ انتشار و انتشار کی زندگی کو بقاؤ قیام نہیں ہوسکتا - وہ ہلاکی کی ایک آگ ہے جسکے دھکتے ہوے شعلوں کے اوپر کبھی قومی زندگی نشوؤ نما نہیں پاسکتی:

وکنتم علی شفا حفرۃ من النار فانقذکم منھا کذلک یبین اللہ لکم آیاتہ لعلکم تھتدون - (۱۰۳:۶)	اور تمہارا حال یہ تھا کہ آگ کے دھکتے ہوے گڑھے کے کنارے کھڑے تھے، پر اللہ نے تمہیں بچالیا - اللہ اپنے فضل و رحمت کی نشانیاں اسی طرح کھولتا ہے تاکہ کامیابی کی راہ پالو!

یہ بھی جابجا بتلادیا کہ قوموں اور ملکوں میں اس اجتماع وائتلاف کی صالح و حقیقی زندگی پیدا کردینا محض انسانی تدبیر سے ممکن نہیں دنیا میں کوئی انسانی تدبیر امت نہیں پیدا کرسکتی - یہ کام صرف اللہ ہی کی توفیق و رحمت اور اُسکی وحی و تنزیل کا ہے کہ بکھرے ہوے ٹکڑوں کو جوڑ کر ایک بنادے

ولو انفقت ما فی الارض	گر تم زمین کا سارا خزانہ بھی خرچ کرڈالتے
جمیعا ما الفت بین	جب بھی ان بکھرے ہوئے دلوں کو محبت
قلوبهم - ولکن الله الف	و اتحاد کے ساتھ جوڑ نہیں سکتے تھے -
بینهم - انه عزیز حکیم	یہ اللہ ہی کا فضل ہے جس نے متفرق دلوں کو
(۸ : ۶۹)	اکٹھا کردیا -

اور اسلئے قرآن حکیم ظہور شریعت و نزول وحی کا پہلا نتیجہ یہ قرار دیتا ہے کہ اجتماع و ائتلاف پیدا ہو ' اور بار بار کہتا ہے کہ تفرقہ و انتشار شریعت و وحی کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتے - اور اسلئے یہ نتیجہ شریعت سے بھی وعدوان اور اسکو بالکل ترک کردینے کا ہے : وما اختلفوا حتی جاء هم العلم (۱۳ : ۹۳)

و آتینا هم بینات من الامر وما اختلفوا الا من بعد ماجاء هم العلم بغیا بینهم (۴۵ : ۱۶) و لا تکونوا کالذین تفرقوا من بعد ما جاء هم البینات (۲ : ۱۰۴)

اور اسی بنا پر شارع نے اسلام اور اسلامی زندگی کا دوسرا نام "جماعت" رکھا ہے ' اور جماعت سے علیحدگی کو " جاهلیة " اور " حیاة جاهلی " سے تعبیر کیا ہے ' جیساکہ آگے بالتفصیل آئیگا : " من فارق الجماعة ' مات ' میتة جاهلیة " وغیر ذلک ' اور اسی بنا پر بکثرت وہ احادیث و آثار موجود ہیں جن میں نہایت شدت کے ساتھ ہر مسلمان کو ہر حال میں التزام جماعت اور اطاعت امیر کا حکم دیا گیا ' اگرچہ امیر غیر مستحق ہو ' یا اہل ہو ' فاسق ہو ' ظالم ہو ' کوئی ہو ' بشرطیکہ مسلمان ہو اور نماز قائم رکھے (ما اقاموا الصلوة) اور ساتھ ہی بتلادیا گیا کہ جس شخص نے جماعت سے علیحدگی کی راہ اختیار کی تو اُس نے اپنے تئیں شیطان کے حوالے کردیا - یعنی گمراہی اور ٹھوکر اسکے لئے ضروری ہے - زنجیر کا توڑنا مشکل ہوتا ہے ' لیکن کوئی کڑی زنجیر سے الگ ہوگئی ہو تو ایک جھوٹے سے حلقہ کا حکم رکھتی ہے جسکو انگوٹھے سے مسل دیا جاسکتا ہے - حضرۃ عمر اپنے خطبوں میں بار بار آنحضرۃ صلعم سے روایت کرتے " علیکم بالجماعة فان الشیطان مع الفذ و هو من الاثنین ابعد " دوسری روایت میں ہے " فان الشیطان مع الواحد " یعنی جماعت سے الگ نہو - ہمیشہ جماعت بنکر رہو - کیونکہ جب کوئی تنہا اور الگ ہوا تو شیطان اسکا ساتھی ہوگیا - دو انسان بھی ملکر رہیں تو شیطان اُنسے دور ہے - یعنی اتحادی و جماعتی قوت اُن میں پیدا ہوگئی - اب وہ راہ حق سے نہیں بھٹک سکتے - یہ الفاظ مشہور

خطبۂ حاجیہ کے ہیں جو عبد اللہ بن دینار، عامر بن سعد، سلیمان بن یسار، وغیرہم سے مروی ہے، اور بیہقی نے امام شافعی کے طریق سے نقل کیا کہ انہوں نے اجماع کے اثبات میں اسی روایت سے استدلال کیا۔ اسی طرح حدیث معاویہ رضی اللہ عنہ "علیکم بالسواد الاعظم" اور "من شذ شذ فی النار" اور "ید اللہ علی الجماعۃ" اور "لا یجمع اللہ امتی علی الضلالۃ" اور کما مال۔ اور خطبۂ حضرۃ امیرکہ "وایاکم والفرقۃ، فان الشاذ من الناس للشیطان، کما ان الشاذ من الغنم للذئب۔ الا، من دعا الی ھذا الشعار فاقتلوہ ولو کان تحت عمامتی ھذا" وغیر ذلک اس بارے میں معلوم و مشہور ہیں۔ آخری قول دیگر روایات میں بطریق مرفوع بھی منقول ہے۔ خلاصہ ان سب کا یہ ہے کہ ہمیشہ جماعت کے ساتھ ہوکر رہو۔ جو جماعت سے الگ ہوا اسکا ٹھکانا دوزخ ہے۔ افراد شاذ ہوسکتے ہیں مگر ایک صالح جماعت کبھی شاذ نہیں ہوسکتی۔ اسمیں اللہ کا ہاتھ ہے۔ اللہ کبھی ایسا ہونے نہ دیگا کہ پوری امت گمراہی پر جمع ہوجائے۔

اسی طرح نماز کی جماعت کی نسبت ہر حال میں التزام پر زور دیتا، اور اگرچہ امام نا اہل ہو لیکن سعی تمام اہل کے ساتھ التزام جماعت کو بھی جاری رکھنا، حتی کہ "صلوا خلف کل بر و فاجر" تو اسمیں بھی یہی حقیقت مضمر ہے کہ زندگی جماعتی زندگی ہے۔ انفراد و فرقۂ ہر حال میں بربادی و ہلاکت ہے۔ پس جماعت سے کسی حال میں باہر نہ ہونا چاہیے۔

اور یہی سبب ہے کہ سورۂ فاتحہ میں جو قومی دعا مسلمانوں کو سکھلائی گئی، اسمیں متکلم واحد نہیں ہے بلکہ جمع، حالانکہ وہ دعا فرداً فرداً ہر مومن کی زبان سے نکلنے والی تھی "اھدنا الصراط المستقیم" فرمایا۔ "اھدنی" نہیں کہا گیا۔ یہ اسلئے ہے کہ قرآن کے نزدیک فرد اور فرد کی ہستی کوئی شے نہیں ہے۔ ہستی صرف اجتماع اور جماعت کی ہے، اور فرد کا وجود اور اعمال بھی صرف اسی لیے ہیں تاکہ انکے اجتماع و تالیف سے ہیئۃ اجتماعیہ پیدا ہو۔ اسی لیے اس دعا میں کہ حاصل ایمان، و خلاصۂ قرآن، و عصارۂ اسلام ہے، متکلم جمع کا صیغہ آیا نہ کہ واحد کا۔ اور اسی لیے مسلمانوں کی باہمی ملاقات کے وقت جو امتیازی دعا سکھلائی گئی، وہ بھی صیغۂ جمع آئی اگرچہ مخاطب واحد ہو۔ یعنی

" السلام علیکم " - " السلام علیک " نہیں قرار دیا گیا - اسی طرح نماز سے باہر آنے کیلئے بھی " السلام علیکم " بصیغۂ جمع رکھا گیا - واحد کا صیغہ استعمال نہیں کیا گیا - علت اسکی یہی ہے - یہ وہ جو لوگوں نے سمجھی -

اور اسی بنا پر احکام و اعمال شریعت کے ہر گوشے اور ہر شاخ میں یہی اجتماعی و اتحادی حیثیت بطور اصل و اساس کے نظر آتی ہے - نماز کی جماعت خمسہ اور جمعۂ و عیدین کا حال ظاہر ہے - حج بجز اجتماع کے اور کچھ نہیں - زکوٰۃ کی بنا بھی اجتماعی زندگی کا قیام اور ہر فرد کے مال و اندوختہ میں جماعت کا ایک حصہ قرار دیدینا ہے - علاوہ بریں اسکی ادائیگی کا نظام بھی انفرادی حیثیت سے نہیں رکھا گیا بلکہ جماعتی حیثیت سے - یعنے ہر فرد کو اپنی زکوٰۃ خود خرچ کرڈالنے کا اختیار نہیں دیا گیا جیسا کہ بد قسمتی سے آج مسلمان کررہے ہیں اور جو صریح غیر شرعی طریقہ ہے ' بلکہ مصارف زکوٰۃ متعین کرکے حکم دیا گیا کہ ہر شخص اپنی زکوٰۃ کی رقم امام و خلیفۂ وقت کے سپرد کردے - بس اسکے خرچ کی بھی اصلی صورت جماعتی ہے نہ کہ انفرادی - یہ امام کا کام ہے کہ اسکا مصرف تجویز کرے اور مصارف منصوصہ میں سے جو مصرف زیادہ ضروری ہو ' اسی کو ترجیح دے - ہندوستان میں اگر امام کا وجود نہ تھا ' تو جس طرح جمعہ و عیدین وغیرہ کا انتظام عذر کی بنا پر کیا گیا ' زکوٰۃ کا بھی کرنا تھا -

اور پھر یہ حقیقت کسقدر واضح ہوجاتی ہے جب اُن تمام مشہور احادیث پر غور کیا جائے جن میں مسلمانوں کی متحدہ قومیت کی تصویر کھینچی گئی ہے " مثل المومنین فی توادھم و تعاطفھم کمثل الجسد الواحد - اذا اشتکی منہ عضوٌ تداعی لہ سائر الجسد بالسھر والحمی " (صحیحین) اور " المسلم للمسلم کالبنیان - یشد بعضہ بعضا " (بخاری) یعنی مسلمانوں کی قومیت ایسی ہے جیسے ایک جسم اور اسکے مختلف اعضا - ایک عضو میں درد ہو تو سارا جسم محسوس کرتا ہے ' اور اسکی بے چینی اور تکلیف میں اسی طرح حصہ لیتا ہے جیسے خود اسکے اندر درد اُٹھ رہا ہو - اور انکی مثال دیوار کی سی ہے - ہر اینٹ دوسری اینٹ سے سہارا پاتی اور سہارا دیتی ہے - پھر تشبیک اصابع کرکے اسکی تصویر بتلادی - یعنی ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں رکھکر دکھلادیا کہ اس طرح ایک دوسرے سے جڑا ہوا اور متصل ہے - سو ان تمام تصریحات میں بھی اسی حقیقت کو واضح کیا ہے کہ اسلام کی قومیت مافوق

اینٹوں کا نام نہیں ہے - دیوار کا نام ہے - الگ الگ اینٹ کا کوئی مستقل وجود نہیں - ہے تو اجتماعی وجود ہے - یعنی دیوار کا ایک جزء ہے ' اور انہی اجزاء کے ملنے سے دیوار متشکل ہوتی ہے -

اور یاد رہے کہ نہ جو نماز میں تسویۂ صفوف پر سخت زور دیا گیا - یعنی صف بندی پر ' اور سب کے سروں ' سینوں ' پاؤں کے ایک سیدھ میں ہونے پر - " لتسون صفوفکم أو لیخالفن اللہ بین وجوھکم " (بخاری) اور روایت اس کہ " سووا صفوفکم فان تسویۃ الصفوف من اقامۃ الصلوۃ " (بخاری) و نی لفظ " من تمام الصلوۃ " تو اسمیں بھی نہی بھید ہے اور تشریع کا یہ موقعہ نہیں - قرآن و سنت کی تصریحات و حکمتیں اس بارے میں اسقدر کثرت سے اور محتاج تفسیر و کشف ہیں کہ ایک مستقل مجلد مطلوب - تفسیر البیان میں مفصل لکھہ چکا ہوں

فصل

(جمع و تفرقۂ قومی و مناصب)

اس قانون الہی کے مطابق مسلمانوں کی قومی زندگی و عروج کا اصلی دور وہی تھا ' جب اُنکی قومی و انفرادی ' مادی و معنوی ' اعتقادی و عملی زندگی پر اجتماع و ائتلاف کی رحمت طاری تھی ' اور اُنکے تنزل و ادبار کی اصلی بنیاد اُسی دن پڑی ' جب اجتماع و ائتلاف کی جگہ اشتات و انتشار کی نحوست چھانی شروع ہوگئی - ابتدا میں ہر مادہ مجتمع تھا ' ہر طاقت سمٹی ہوئی تھی ' ہر جنز بندھی ہوئی تھی ' لیکن یہ تدریج تفرقۂ و انتشار کی ایسی ہوا چلی کہ ہر بندھن کھلا ' ہر جماؤ پھیلا ' ہر ملی جلی اور اکٹھی طاقت الگ الگ ہوکر منتشر اور تتر بتر ہوگئی - قرآن حکیم کے بتلائے ہوئے قانون تنزل اقوام کے مطابق یہ حالت ہر چہار اور ہر گوشۂ وجود و عمل پر طاری ہوئی ' اور ایک ہزار برس بر نہین صدیاں گزرچکی ہیں کہ برابر طاری ہو رہی اور بڑھتی جاتی ہے - لوگ اسباب تنزل امت پر بحث کرتے اور پھر طرح طرح کی علتیں ٹھہراتے اور طرح طرح کے ناموں سے موسوم کرتے ہیں ' حالانکہ قرآن و سنۃ اور عقلیات صادقہ کے نزدیک تنزل کے تمام فسادات و نتائج صرف اِسی ایک چیز کا نتیجہ ہیں - اس ایک حقیقت کو کتنے ہی مختلف ناموں سے پکار لو ' مگر اصلی علت اسکے سوا کوئی نہیں

قوموں کے انتشار کا دور ساری خیریت پر ختم ہو ' لیکن یہاں صرف ایک ہی پہلو واضح کرنا مقصود ہے - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود اسلامی طاقت کی اصلی شخصیت تھی - آپ جب دنیا سے تشریف لیگئے تو صرف ایک داعی شریعت نہ حامل وحی ہی کی جگہ خالی نہیں ہوئی ' بلکہ اُن ساری قوتوں ' سارے منصبوں ' ساری حیثیتوں ' اور ہر طرح کے نظری و عملی اختیارات و قوی کی ' جو آپکی شخصیت مقدسہ میں اکٹھی تھیں ' اور جنکا آپکے بعد وجود مقدس میں جمع ہونا اسلام کی شرعی و دینی خصوصیات میں سے تھا - اسلام کا داعی مسیحیت کے مقدس پہاڑی واعظ کی طرح صرف ایک اخلاقی معلم ہی نہ تھا ' اور نہ دنیا کے فاتح حکمرانوں کی طرح محض ایک جہانگیر اور عالم سیاں شہنشاہ - اسلام نے دین کو دنیا سے اور شریعت کو حکومت و جہانبانی سے الگ نہیں رکھا - وہ تو یہ سکھلانے آیا تھا کہ دین و دنیا دو نہیں ایک ہی چیز ہیں ' اور شریعت سے حکومت و سلطنت الگ نہیں ہے ' بلکہ سچی حکومت اور خدا کی مرضی کے مطابق سلطنت وہی ہے جسکو شریعت نے خود پیدا کیا ہو ' پس اسلام کے داعی کا وجود ایک ہی وقت میں اُن تمام حیثیتوں اور منصبوں کا جامع تھا ' جو ہمیشہ دنیا کی صدہا مختلف شخصیتوں کے اندر منقسم رہی ہیں - وہ اللہ کا پیغمبر تھا ' شریعت کا مفسر تھا ' اُمت کا بانی تھا ' ملکوں کا حاکم اور سلطنت کا مالک تھا - وہ اگر پتوں اور چھال سے پٹی ہوئی مسجد کے ممبر پر وحی الہی کا ترجمان اور انسانی سعادت و ہدایت کا واعظ تھا ' تو اُسی کے صحن میں یمن کا خراج تقسیم کرنے والا اور فوجونکو میدان جنگ میں بھیجنے کیلئے سپہ سالار لشکر بھی تھا - وہ ایک ہی وقت اور ایک ہی زندگی میں گھرونکا نظام معاشرت درست کرتا اور نکاح و طلاق کے قوانین نافذ کرتا اور ساتھ ہی بدر کے کنارے دشمنوں کا حملہ بھی روکتا ' اور مکہ کی گھاٹیوں میں سے ایک فاتح حکمران کی طرح نمایاں بھی ہوتا تھا - غرضکہ اُسکی ایک شخصیت کے اندر مختلف حیثیتیں اور منصب جمع تھے ' اور اسلام کا نظام دینی بھی تھا کہ یہ ساری قوتیں ایک ہی فرد میں جمع رہیں -

جب آپ دنیا سے تشریف لیگئے تو خلفاء راشدین کی خلافت خاصہ اسی اجتماع قوی و مناصب پر قائم ہوئی ' اور اسی لیے اُسکو " منہاج نبوۃ " سے تعبیر کیا گیا - یعنی یہ نیابت ٹھیک ٹھیک ہر لحاظ اور ہر پہلو سے شخص جامع نبوۃ کی سچی قائمقامی اپنے اندر رکھتی تھی -

منصب نبوۃ مختلف اجزاء نظر و عمل سے مرکب ہے - ازان جملہ ایک جزء وحی و تنزیل کا مورد ہونا اور شریعت میں تشریع و تاسیس قوانین کا اختیار رکھنا ہے - یعنے قانون وضع کرنا اور اسکے وضع و قیام کی معصومانہ و غیر مسئولانہ قوت - اس جزء کے اعتبار سے نبوت آپکے وجود پر ختم ہو چکی تھی اور قیامت تک کیلئے شریعت و قانون کے وضع و قیام کا معاملہ کامل ہو چکا تھا - جب نعمت کامل ہوگئی تو پھر کامل چیز ہی کو ہمیشہ باقی رہنا چاہیے - اسکی جگہ کسی دوسری چیز کا آنا نقص کا ظہور ہوگا نہ کہ تکمیل کا الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا (۵ ۴)

لیکن منصب نبوت اس اصلی جزء کے ساتھہ بہت سے تبعی اجزاء پر بھی مشتمل تھا ' اور ضرور تھا کہ انکا دروازہ ہمیشہ کھلا رہے - اس چیز کو مختلف احادیث میں مختلف تعبیرات سے موسوم کیا ہے - حضرۃ عمر کیلیے " محدث " (بالفتح) کا مقام بتلایا گیا - علماء کو انبیاء کا وارث کہا گیا - مبشرات صادقہ کو نبوت کا چالیسواں جزء قرار دیا - " لم یبق الا المبشرات " حدیث تجدید بھی اسی سلسلہ میں داخل ہے - پس خلفاء راشدین کو جو نیابت پہنچی ' اسمیں وحی و تشریع کی قائم مقامی تو نہیں ہوسکتی تھی ' لیکن اور تمام اجزاء و خصائص نبوت کی نیابت داخل تھی - داعی اسلام کا وجود نبوت کے ساتھہ خلافت ارضی ' حکومت و سلطنت ' نظام و قوام سیاست ' قیادۃ فوج و حرب ' فتح و عمران ممالک ' ریاست مجالس شوریٰ ' وغیرہ ' جہان بانی و حکمرانی کے تمام منصب تنہا اپنی شخصیت کے اندر رکھتا تھا ' اسلیے ٹھیک ٹھیک اسی طرح خلافت خاصہ میں بھی خلفاء راشدین کا تنہا وجود ان ساری نظری و عملی فنون اور تمام منصبوں کا جامع ہوا - وہ ایک ہی وجود کے اندر صاحب امامت و خلافت بھی تھے ' صاحب اجتہاد و قضاء بھی تھے ' اور صاحب سیاست و نظم احکام و تلاد بھی - اصلاً " امامت کبریٰ " کا مقام اجتہاد دینی اور سیاست ملکی ' دونوں سے مرکب ہے - اسلیے انکی امامت میں یہ دونوں قسمیں اپنی تمام شاخوں کے ساتھہ اکٹھی تھیں - حضرۃ عمر مسجد کے دار الشوریٰ میں مسائل شرعیہ کا بہ حیثیت ایک مجتہد کے فیصلہ کرتے تھے ' عدالت میں مقدمات سنتے تھے ' اور دیوان فوجی میں فوجوں کو تنخواہ بھی بانٹتے تھے - اگر وہ نماز جماعت کی معین تکبیرات پر صحابہ کا اجماع کراتے

تھے ' تو راتوں کو شہر میں گشت لگاکر احتساب کا فرض بھی ادا کرتے تھے میدان جنگ میں احکام بھی دیتے بھیجتے' اور روم کے سفیر کو نہ حیثیت شہنشاہ اسلام اپنے سامنے بھی دیتے !

اسی طرح نبوت کا مقام ' تعلیم و تربیت امت کی مختلف قوتوں سے مرکب تھا - قرآن حکیم نے انکو تین اصولی قسموں میں بانٹ دیا ہے :

یتلو علیہم آیاتہ ' و یزکیہم ' و یعلمہم الکتاب و الحکمۃ (۳ ۶۲) تلاوت آیات - تزکیۂ نفوس - تعلیم کتاب و حکمت - خلفاء راشدین ان تینوں منصبوں میں وجود نبوت کے نائب تھے - وہ منصب اجتہاد و قضاء شرع کے ساتھ قوت ارشاد و تزکیۂ و تربیت بھی رکھتے تھے - وہ ایک صاحب وحی کی طرح خدا کے کلام کی منادی کرے' ایک نبی کی طرح دلوں اور روحوں کو پاکی بخشتے ' اور ایک رسول کی طرح تعلیم کتاب اور حکمت سنۃ سے امت کی تربیت و پرورش کرنے والے تھے - وہ ایک ہی وجود میں ابوحنیفۂ و شافعی بھی تھے (رح) اور جنید و شبلی بھی (رح) - نخعی و حماد بھی تھے ' اور ابن معین و ابن راہویہ بھی (رح) جسموں کا نظام بھی انہی کے ہاتھوں میں تھا - دلوں کی حکمرانی بھی انہی کے قبضہ میں تھی - یہی حقیقی اور کامل معنی منصب نبوت کی نیابت کے ہیں ' اور اسی لیے انکا وجود اور انکے اعمال بھی اعمال نبوت کا ایک آخری جزء تھے کہ " علیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین " اور اسی لیے " و عضوا علیہا بالنواجذ " کے حکم میں نہ صرف سنۃ عہد نبوت ' بلکہ خلافت راشدۂ و خاصہ کی سنۃ بھی داخل ہوئی ' اور شرح اس سر الہی کی بہت طولانی ہے - یہاں محض اشارات مطلوب -

لیکن جیسا کہ پہلے سے خبر دیدی گئی تھی ' اجتماع و ائتلاف کی یہ حالت حضرۃ علی علیہ السلام پر ختم ہوگئی- اسکے بعد سے اشتات و انتشار کا دور شروع ہوا - ازانجملہ مرکزی قوتوں اور منصبوں کا انتشار و اشتات تھا' جس نے فی الحقیقت امت کا تمام نظام شرعی و اصلی درہم و برہم کردیا - خلافت خاصہ کے بعد یہ ساری یکجا قوتیں الگ الگ ہوگئیں - ایک وجود کی جگہ مختلف وجودوں میں انکا ظہور اور نشو و نما ہوا - حکومت و فرماں روائی کا تکرہ الگ ہوکر مجرد پادشاہی کی شکل میں آگیا - اسی کی طرف اشارہ تھا " الخلافۃ بعدی ثلاثون سنۃ ثم ملک " سو واقعی اسکے

بعد صرف بادشاهی هی رهگئی - اجتهاد اور قضاء شرعی کا جزء خلافت سے الگ هوا تو مجتهدین و فقهاء کی ایک الگ جماعت پیدا هوگئی - انهوں نے یه کام سنبهالا - اسی طرح تعلیم و تربیت روحانی کے کار و بار سے نظام حکومت بالکل الگ هوگیا - پہلے خلافه کی ایک هی بیعت تمام مقاصد کی کفیل تهی - اب خلیفه کا وجود محض پادشاهی کیلیے اور فقهاء کا مجرد استنباط احکام و مسائل کیلیے رهگیا ' تو تزکیهٔ نفوس اور ارشاد قلوب کیلیے الگ دوسری بیعت مستقلاً قائم هوئی ' جو بیعت تربیهٔ و ارشاد هوئی ' اور اسطرح اصحاب طریقت و تصوف کی بنیاد پڑی - پہلے صرف ایک وجود تها - وہ پادشاه ' مجتهد ' مرشد ' قاضی القضاه ' سپه سالار جنگ ' میر عدل و احتساب ' سب کچهه تهـــا - اب یه ساری قوتیں الگ الگ هوگئیں - حـــکومت و فرمانروائی الگ الگ وجود میں آئی - اجتهاد و تفقه کیلیے دوسرا وجود مرکز بنا - قضاء کیلیے تیسرا - ارشاد و تزکیهٔ قلوب کیلیے جوتها - و هلم جرا - عرصه عهد اجتمـــاع قوی و مناصب کے بعد دور انتشار قوی و مناصب شروع هوکر روز بروز کمال ظهور و تنوع تک پهنچ گیا - حتی که یه تمام قوتیں اسطرح ایک دوسرے سے بیگانهٔ و مخالف هوگئیں که یا تو ایک هی وجود میں جمع تهیں ' یا اب مختلف وجودوں میں بٹ کر بهی متفق نه رهسکیں - صرف اختلاف تعدد و تنوع هی نهیں رها ' بلکه اختلاف تضاد کی شکل پیدا هوگئی - یهی سب سے بڑی مصیبت و هلاکت تهی جو امت پر طاری هوئی - مسلمانوں کے تنزل و ادبار کی اصلی علت یه هے - وہ افسانے نهیں هیں جنمیں تم سرمست هو - افسوس که سطحی و جزئی حالات کے استغراق نے اصلی اسباب و علل پر غور کرنے کی تمهیں کبهی مهلت نه دی ' اور نه بحث و نظر میں یورپ کی تقلید سے آزاد هوسکے که خالص اسلامی فکر و نظر اسباب ترقی و تنزل پر تدبر کرتے !

عرصه خلافت راشده کے بعد جو سلسلهٔ خلافت قائم هوا ' وہ خواہ قرشی رها هو یا غیر قرشی ' مجرد ملوکی و پادشاهی کا سلسله تها ' اور بجز چند مستثنی اوقات کے (جیساکه عهد حضرة عمر بن عبد العزیز) یه نیابت نبوت کے اور تمام اجزاء سے یکقلم خالی رها - منصب بٹ چکے تهے - قوتیں منتشر هو چکی تهیں - البته جو انقلاب سلطان عبد الحمید خان کے زمانے میں هوا اور جسکا نتیجه یه نکلا که سلاطین عثمانیه کی خلافت طریق استبدادی و شخصی سے طریق شوری میں تبدیل هوگئی ' سو بلا شبه

خلافت راشدہ کی طرف عود و رجعت کا یہ ایک مبارک قدم تھا ' جسکے لئے شوریٰ اور پارلیمنٹ کا ہونا سب سے پہلی شرط ہے - لیکن ان جزئی مستثنیات کے علاوہ عام حالات و خصائص ہو دور اور ہر سلسلے کے وہی رہے جو ایک جامع لفظ " ملک عضوض " میں بتلائے گئے تھے ' اور اس میں کبھی کوئی تبدیلی اور پائدار تبدیلی نہ ہوئی -

فصل

(اطاعت خلیفہ و التزام جماعۃ)

اس اجمالی تمہید کے بعد سب سے زیادہ اہم مسئلہ سامنے آتا ہے - یعنے اسلام کا وہ نظام شرعی جو ہر مسلمان کو خلیفۂ وقت کی معروف اور اطاعت پر اسی طرح مجبور کرتا ہے ' جس طرح اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت پر - جب تک وہ اللہ اور اسکے رسول کے خلاف کوئی حکم نہ دے - اسلام کا قانون اس بارے میں اپنی تمام شاخوں اور تعلیموں کی طرح فی الحقیقت کائنات ہستی کے قدرتی نظام کا ایک جزء اور قوام ہستی کی تعبیر فطرۃ کی ایک قدرتی کڑی ہے - کائنات کے ہر حصہ اور ہر گوشہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ کی قدرت رسمہ ایک خاص نظام پر کار فرما ہے جسکو " قانون مرکز " یا " قانون دائر " سے تعبیر کیا جاسکتا ہے - یعنی قدرت نے خلقت و نظام خلقت کے بقا و قیام کیلیے ہر جگہ اور ہر شاخ وجود میں یہ صورت اختیار کر رکھی ہے کہ کوئی ایک وجود تو بمنزلۂ مرکز کے ہوتا ہے ' اور بقیہ اجسام ایک دائرہ کی شکل میں اسکے چاروں طرف وجود پاتے ہیں ' اور پورے دائرہ کی زندگی اور بقاء صرف اس مرکزی وجود کی زندگی اور بقا پر موقوف ہوتی ہے - اگر ایک چشم زدن کیلیے بھی دائرہ کے اجسام اپنے مرکز سے الگ ہوجائیں ' یا مرکز کی اطاعت و انقیاد سے باہر ہو جائیں ' تو معاً نظام ہستی درہم برہم ہوجاے اور دائرہ کی اکیلی ہستیاں مرکز سے الگ رہکر کبھی قائم و باقی نہ رہسکیں - یہی وہ حقیقت ہے جسکو بعض اصحاب اشارات نے یوں تعبیر کیا کہ " الحقیقۃ کالکرۃ " اور صاحب فتوحات نے کہا کہ " دائرۂ قاب قوسین " ہے

یہ قانون مرکزیۃ و دائر نظام ہستی کے ہر جزء اور ہر حصہ میں صاف صاف دیکھا جاسکتا ہے - یہ نظام شمسی جو ہمارے اوپر ہے ' ستاروں کی یہ گنجان آبادی ' کروں کا یہ صحرائے بے کنار ' زندگی اور حرکت کا یہ محیر العقول طلسم ' کیا ہے ؟ کس نظام پر یہ پورا کارخانہ چل رہا ہے ؟ اسی قانون مرکزیہ پر - متحرک سیاروں کے حلقے اور دائرے ہیں ' ہر دائرہ کا نقطۂ حیات و بقا سورج کا مرکزی نقطہ ہے - تمام سیارے اپنے اپنے کعبۂ مرکز کا طواف کر رہے ہیں اور ہر دائرہ کی ساری زندگی اور بقا صرف مرکز شمسی کی اطاعت و انقیاد پر موقوف ہے : ذلک تقدیر العزیز العلیم - خود ہماری زمین بھی ایک ایسے ہی دائرہ کی ایک کڑی ہے اور شب و روز اپنے مرکز کے طواف و انقیاد میں مشغول ہے - ہر سیارے کے طواف و دوران کیلئے حکمت الٰہی نے ایک خاص راہ اور ایک خاص زمانہ قرار دیدیا ہے - وہ اُس سے باہر نہیں جاسکتا - سب بحکم و لہ اسلم من فی السماوات و الارض (۲ : ۸۳) اور ان اللہ یسجد لہ من فی السماوات و من فی الارض و الشمس و القمر و النجوم (۲۲ : ۱۹) خدا کے بنائے ہوئے قانون کے مطابق اپنی اپنی جگہوں میں کام کر رہے ہیں : لا الشمس ینبغی لہا ان تدرک القمر ' و لا الیل سابق النہار ' و کل فی فلک یسبحون (۳۶ : ۴۱)

قانون مرکزیۃ کا یہ پہلا اور بلند ترین نظارہ تھا - اب اسکے بعد جسقدر نیچے اُترتے آئینگے ' اور حرکت و حیات کی بلندیوں سے لیکر زندگی کے چھوٹے سے چھوٹے گوشوں تک نظر ڈالینگے ' ہر جگہ زندگی اور بقا اسی قانون سے وابستہ نظر آئیگی - عالم نباتات میں درخت کو دیکھو - اسکی ایک مجتمعہ وحدۃ کتنی وسیع کثرت سے مرکب ہے ؟ ڈالیاں ہیں ' شاخیں ہیں ' پتے ہیں ' پھول ہیں - لیکن سب کی زندگی ایک ہی مرکز یعنی جڑ سے وابستہ ہے - جڑ سے جہاں کوئی شاخ الگ ہوئی ' موت و فنا اُسپر طاری ہوگئی - آفاق کو چھوڑ کر عالم انفس کی طرف آؤ ' اور خود اپنے وجود کو دیکھو جسکے دیکھنے کیلیے نظر اُٹھانے کی بھی ضرورت نہیں - تمہارا وجود کتنے مختلف ظاہری و باطنی اعضاء سے مرکب ہے ؟ جسموں اور وجودوں کی ایک پوری بستی ہے

جو تم میں آباد ہے - ہر جسم کا فعل ہے اور ایک خاصہ - لیکن دیکھو یہ ساری آبادی کس طرح ایک ہی مرکز کے آگے سر بسجود ہے ؟ سب کی حیات کا مرکز صرف قلب ہے - اس سے الگ رہکر ایک عضو بھی زندہ نہیں رہسکتا " اذا اصلحت ' صلحت کلها ' و اذا فسدت ' فسدت کلها "

اسلام فی الحقیقت سنۃ اللہ اور فطرت اللہ ہی کا دوسرا نام ہے - اگر نوع انسانی کی سعادت و ارتقاء کیلئے قانون اسلام اُسی فاطر السماوات و الارض کا بنایا ہوا ہے جسنے تمام کائنات کیلئے قانون حیات بنایا ' تو ضرور ہے کہ دونوں میں اختلاف نہو' بلکہ پہلا قانون پچھلے قانون عام کا ایک ایسا قدرتی جزء نظر آئے ' جیسے زنجیر کی ایک کڑی - پس اسلام کا نظام شرعی بھی ٹھیک ٹھیک اسی قانون مرکزیہ پر قائم ہوا - قرآن نے یہ حقیقت جا بجا واضح کی ہے کہ جس طرح اجسام و اشیاء کی زندگی اپنے اپنے مرکزوں سے وابستہ ہے ' اسی طرح نوع انسانی اور اسکی جماعت و افراد کا جسمانی و معنوی بقاء بھی قانون مرکزیہ پر موقوف ہے - جس طرح ستاروں کی زندگی اور حرکت کا مرکز و محور سورج کا وجود ہے - اسی طرح نوع انسانی کا بھی مرکز سعادت انبیاء کرام کا وجود ہے - پس انکی اطاعت و انقیاد بقاء و حیات کیلئے ناگزیر ٹھہری : و ما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ (۴ : ۶۸) دنیا میں کوئی نبی نہیں آیا مگر اسلئے کہ اسکی اطاعت کی جائے ' اور اسی لئے فرمایا " فلا و ربک لا یومنون حتی یحکموک فیما شجر بینهم ' ثم لا یجدوا فی انفسهم حرجاً مما قضیت و یسلموا تسلیما (۴ : ۶۹) اور لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ - پھر قوم و ملت کے بقاء کیلئے ہر طرح کے دائرے اور ہر طرح کے مرکز قرار دیے - اعتقاد میں اصلی مرکز عقیدۂ توحید کو ٹھہرایا جسکے گرد تمام عقائد کا دائرہ قائم ہے : ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ و یغفر ما دون ذلک لمن یشاء (۴ : ۵۲) عبادات میں نماز کو مرکز عمل ٹھہرایا جسکے ترک کردینے کے بعد تمام دائرۂ اعمال منہدم ہوجاتا ہے - " فمن اقامها اقام الدین ' و من ترکها فقد هدم الدین " اور اسی لیے یہ بات ہوئی کہ " کان اصحاب رسول اللہ صلعم لایرون شئیا من الاعمال ترکه کفر غیر الصلوۃ " (ترمذی) یعنی صحابۂ کرام کسی عمل کے ترک کردینے کو کفر نہیں سمجھتے تھے مگر نماز کے ترک کو - اسی طرح تمام قوموں اور ملکوں کا ارضی مرکز سعادت وادی حجاز کا کعبۃ اللہ قرار پایا : جعل اللہ الکعبۃ البیت

الحرام قياماً للناس - " قياماً للناس " پر غور کرو - اور چونکہ یہ مرکز ٹھہرا ' اس لیے تمام دائرہ کا رخ بھی اسی طرف ہوا - خواہ دنیا کی کسی جہت میں مسلمان ہوں ' لیکن اُنکا منہہ اسی طرف ہونا چاہیے : و حیث ما کنتم فولوا وجوھکم شطرہ (۲ : ۱۴۵)

پھر جس طرح شخصی اور اعتقادی و عملی زندگی کیلیے مراکز قرار پائے ' ضرور تھا کہ جماعتی اور ملی زندگی کیلیے بھی ایک مرکزی وجود قرار پاتا - لہذا وہ مرکز بھی قرار دیدیا گیا - تمام امت کو اس مرکز کے گرد بطور دائرہ کے ٹھہرایا - اُسکی معیت ' اُسکی رفاقت ' اُسکی اطاعت ' اُسکی حرکت پر حرکت ' اُسکے سکون پر سکون ' اسکی طلب پر لبیک ' اُسکی دعوہ پر انفاق جان و مال ' ہر مسلمان کیلیے فرض کردیا گیا - ایسا فرض جسکے بغیر وہ جاہلیۃ کی ظلمت سے نکلکر اسلامی زندگی کی روشنی میں نہیں آسکتا - اسلام کی اصطلاح میں اسی قومی مرکز کا نام " خلیفہ " اور امام ہے ' اور جب تک یہ مرکز اپنی جگہ سے نہیں ہٹتا ہے - یعنی کتاب و سنۃ کے مطابق اُسکا حکم ہے ' ہر مسلمان پر اسکی اطاعت و اعانت اُسی طرح فرض ہے جس طرح خود اللہ اور اُسکے رسول کی :

یا ایھا الذین آمنو اطیعوا اللہ	مسلمانو ! اطاعت کرو اللہ کی ' اُسکے
و اطیعوا الرسول و اولی الامر	رسول کی ' اور تم میں جو اولو الامر ہو '
منکم - فان تنازعتم فی شی	اُسکی - پھر اگر کسی معاملہ میں تم
فردوہ الی اللہ و الرسول '	مختلف ہوجاؤ تو چاہیے کہ اللہ اور اسکے
ان کنتم تومنون باللہ و الیوم	رسول کی طرف لوٹو اور اسکے فیصلہ پر
الاخر - ذلک خیر و احسن	متفق ہوجاؤ -
تاویلا - (۴ : ۶۳)	

اس آیت میں بالترتیب تین اطاعتوں کا حکم دیا گیا ہے - اللہ کی ' رسول کی ' مسلمانوں میں جو اولو الامر ہو ' اسکی - اللہ کی اطاعت کتاب اللہ کی اطاعت ہے - رسول کی اطاعت سے مقصود سنت قولی و فعلی ہے - باقی رہی اطاعت اولو الامر ' تو نہایت قوی و روشن وجوہ موجود ہیں کہ " اولو الامر " سے مقصود مسلمانوں کا خلیفۂ و امام ہے جو کتاب و سنت کے احکام نافذ کرنے والا ' نظام امت قائم رکھنے والا ' اور تمام اجتہادی امور میں صاحب حکم و سلطان ہے :

اولاً ' تحکم " القرآن یفسر بعضه بعضا " اولو الامر کی تفسیر خود قرآن ہی کے اندر تلاش کرنی چاہیے - اسی سورت میں آگے چلکر یہ لفظ دوبارہ آیا ہے :

و اذا جاءهم امر من الامن او الخوف اذاعوا به ' ولو ردوه الی الرسول و الی اولی الامر منهم ' لعلمه الذین یستنبطونه منهم - (۴ . ۸۶)	اور جب کوئی امن یا خوف کی خبر اُن تک پہونچتی ہے ' تو بلا سوچے سمجھے لوگوں میں پھیلا دیتے ہیں - حالانکہ اگر وہ اللہ کے رسول کی طرف اور اُن لوگوں کی طرف رجوع کرتے جو اُن میں " اولو الامر "

ہیں ' تو فوراً اصلیت کھل جاتی اور وہ اُس خبر کے سچے جھوٹے ہونے کا پتہ لگالیتے -

اس آیت میں ایسے وقتوں کا ذکر کیا گیا ہے جب امن و خوف یعنی صلح و جنگ اور فتح و شکست کی افواہیں ملک میں پھیلتی ہیں اور بے اصل خبروں کی اشاعت سے لوگوں میں اضطراب و غلط فہمی پیدا ہوجاتی ہے - ایسی صورتیں منافقین اور بعض ضعیف القلب مسلمانوں کی وجہ سے عہد نبوی میں بھی پیش آجاتی تھیں - پس فرمایا کہ جب کوئی افواہ سنو تو پہلے اللہ کے رسول اور اپنے " اولو الامر " تک پہنچاؤ - تاکہ وہ اس کی صحت و عدم صحت کی تحقیق کرلیں اور خبر کی نوعیت اور راویوں کی حالت پر غور کرکے صحیح نتائج کا استنباط کریں - ایسا نہ کرو کہ جہاں کوئی افواہ سنی ' فوراً اسپر یقین کرلینا اور لوگوں میں پھیلانا شروع کردینا -

اب غور کرنا چاہیے کہ اس آیت میں " اولو الامر " سے مقصود کون لوگ ہوسکتے ہیں ؟ یہ ظاہر ہے کہ ذکر امن و خوف کے حالات کا ہے - یعنی صلح و جنگ اور فتح و شکست کا - ان حالات کا تعلق صرف حکام و امراء ملک ہی سے ہوسکتا ہے - علما اور فقہاء سے نہیں ہوسکتا - معاملہ نظم ملک و قیام امن کا ہے - استنباط مسائل اور حلال و حرام کا نہیں ہے - پس لامحالہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ اولو الامر سے مقصود وہی لوگ ہیں جنکے سپرد ملک کا انتظام اور جنگ و امن کا نظم و نسق ہوتا ہے ' اور جو اُن خبروں کی تحقیق کرسکتے ہیں جنکا اثر ملک کے امن و خوف پر پڑسکتا ہے - یعنی ارباب حکومت و امارت -

ثانیاً ' کتاب و سنۃ اور صدر اول کے آثار عربیۃ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ لفظ " امر " جب ایسی ترکیب کے ساتھ بولا جائے جیسی کہ یہاں ہے '

تو اُسکا اطلاق عموماً حکومت و سلطنت ہی کے معنوں پر ہوتا ہے - احادیث میں یہ استعمال اس کثرت سے موجود ہے کہ ایک صاحب نظر کیلیے کسی مزید دلیل کی ضرورت نہیں - بنزلعہ کی بنا پر بھی ظاہر ہے کہ " امر " کے معنی حکم کے ہیں' اور " اولی الامر" کے معنی امام بخاری نے " ذی الامر " کے کیے ہیں - یعنے " حکم والا " اور معلوم ہے کہ صاحب حکم وہی ہوسکتا ہے جو صاحب حکومت ہو -

ثالثاً ' احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ خود یہ آیت جس واقعہ کی نسبت اُتری ' وہ امیر جماعت کی اطاعت ہی کا معاملہ تھا - بخاری و مسلم میں ہے " عن ابن عباس نزلت فی عبد اللہ بن حذافہ بن قیس ابن عدی اذ بعثہ النبی صلعم فی سریۃ " اور امام طبری نے تفسیر میں ایک روایت درج کی ہے کہ عمار بن یاسر اور خالد بن ولید کی داخلی نزاع کے بارے میں اُتری - خالد امیر تھے اور عمار نے بلا اُنکے حکم کے ایک شخص کو مزدوری پر رکھہ لیا تھا " فراٰی فی قصۃ جرت لعمار مع خالد رکن خالد امراً فاجار عمار رجلا بغیر امرہ فتخاصما " دونوں روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ معاملہ امیر کی اطاعت و عدم اطاعت کا تھا ' نہ کہ احکام و مسائل کے حکم و افتاء کا -

رابعاً ' اکثر اقوال مرویۂ صحابۂ و تابعین سے بھی یہی تفسیر ثابت ہوتی ہے - بلکہ صدر اول میں صرف یہی تفسیر مشہور و معلوم تھی - بہت سی تراشگانیاں جو پیدا کی گئی ہیں' سب بعد کے مفسرین کی طبع زاد ہیں - حافظ ابن حجر نے ابن عیینہ کا قول نقل کیا ہے " سألت زید بن اسلم عنہا و لم یکن بالمدینۃ احد یفسر القران بعد محمد بن کعب مثلہ - فقال اقرأ ما قبلہا تعرف - فقرأت : ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانات الی اھلہا و اذا حکمتم بین الناس أن تحکموا بالعدل - فقال ھذہ فی الولاۃ " (فتح ۱۳: ۹۹)

یعنی مدینہ میں محمد بن کعب کے بعد زید بن اسلم سے بڑھکر قران کا کوئی مفسر نہ تھا - میں نے انسے اس بارے میں پوچھا تو اُنھوں نے کہا - اس آیت سے ما قبل آیت پڑھو - میں نے پڑھا " ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانات الی اھلہا و اذا حکمتم بین الناس أن تحکموا بالعدل " پس کہا کہ مقصود اس سے حکام ہیں - یعنی چونکہ پہلے سے ذکر حکومت و قضا کا ہو رہا ہے ' پس اولو الامر سے مقصود بھی ارباب اقتدار ہیں جو حکومت رکھتے ہوں - طبری نے بسند صحیح حضرۃ ابو ہریرہ اور میمون بن مہران وغیرہ سے

نقل کیا ہے " ہم الامراء " اور علامۂ ابن حزم نے اُن تمام صحابۂ و تابعین کو شمار کیا جن سے یہ تفسیر منقول ہے تو ۱۳ - سے زیادہ ثابت ہوئے - باقی رہا بعض صحابۂ و تابعین کا یہ کہنا کہ مقصود اہل علم و نظر ہیں - مثلاً جابر بن عبد اللہ کا قول کہ " ہم اہل العلم و الخیر " اور مجاہد و عطاء و ابو العالیہ کا قول کہ " ہم العلماء " تو ان اقوال میں اور صحابہ کی مشہور تفسیر میں کوئی اختلاف نہیں ہے - دراصل اسلام کا نظام حکومت و جماعت تو یہی تھا کہ حکومت و ولایت کا منصب تمام شرعی و علمی قوتوں سے مرکب ہو ' اور اُسوقت تک قوتوں کے انتشار اور مناصب کے تفرقہ کی بنیادیں نہیں پڑی نہیں - پس جو شخص والی ملک اور حاکم مسلمین ہوتا تھا ' وہ بدرجۂ اولی عالم و فقیہ بھی ہوتا تھا - پس جن صحابۂ و تابعین نے " اولو الامر " کی تفسیر میں علم و خیر کا ذکر کیا ' انھوں نے واقعی بہت صحیح تفسیر کی - گویا ظاہر کردیا کہ مسلمانوں کا اولو الامر ایسے ہی افراد کو ہونا چاہیے جو اہل علم و خیر ہوں - مگر اس سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ اولو الامر سے مقصود علماء و فقہا کا وہ مخصوص و متعارف گروہ ہے جو اسلام کے نظام جماعت کے انقراض کے بعد پیدا ہوا ' اور جسکا صدر اول کے مفسرین کو وہم و گمان بھی نہ ہوا ہوگا ؟

امام ابن جریر نے عکرمہ کا ایک قول نقل کیا ہے " ابو بکر و عمر " اس سے بھی اُنکا مقصود یہی ہے کہ اولو الامر مسلمانوں کا خلیفۂ و امام ہے - جیسے ابوبکر و عمر - رضی اللہ عنہما -

اصل یہ ہے کہ ظہور اسلام سے پہلے حجاز میں ایک طرح کی با قاعدہ طوائف الملوکی قائم تھی ' اور مکہ میں قریش کا قبیلہ بالکل خود مختار اور غیر مسئول تھا - اسلام کا جب ظہور ہوا تو اُس نے " جماعت " اور " امارت " کے نظام پر زور دیا ' اور بڑے بڑے گردن کشوں کو بھی مجبور کردیا کہ اطاعت امیر و التزام جماعت سے باہر نہوں - قریش کی نسلی فطرۃ اس اطاعت کیشی کے خلاف تھی ' اسلیے خصوصیت کے ساتھ اُنکو اس بات کا خوگر بنانا تھا - حافظ عسقلانی نے امام شافعی کا قول نقل کیا ہے " و رجح الشافعی الاول و احتج بأن قریشا کانوا لا یعرفون الامارۃ و لا ینقادون الی امیر ' فامروا بالطاعۃ لمن ولی الامر ' و لذلک قال صلعم ' من اطاع امیری فقد اطاعنی ' " (فتح ۸ : ۱۹۱)

خامساً ' تاریخ اسلام کے سب سے بڑے فقیہ یعنی امام بخاری کا بھی مذہب یہی ہے - کتاب الاحکام میں باب باندھا ہے " اطیعو اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم " اور اس میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت درج کی ہے " من اطاع امیری فقد اطاعنی " الخ جس نے میرے امیر کی اطاعت کی اسنے خود میری اطاعت کی - جس نے اُس سے انکار کیا اُس نے خود مجھسے انکار کیا - اس سے معلوم ہوا کہ اُن کے نزدیک اولی الامر کی اطاعت سے مقصود امیر و امام ہی کی اطاعت ہے - حافظ عسقلانی لکھتے ہیں " فی ھذا اشارۃ من المصنف الی ترجیح القول الصائر الی أن الایۃ نزلت فی طاعۃ الامراء ' خلافاً لمن قال نزلت فی العلماء " (فتح ۱۳ : ۹۹)

سادساً ' سب سے زیادہ قدیم اور مکمل تفسیر جو اسوقت ہمارے پاس موجود ہے ' وہ امام ابن جریر طبری کی تفسیر ہے ' اور صحابۂ و تابعین کی تفاسیر پر اُنکا احاطۂ و نظر معلوم ' انہوں نے بھی تمام اقوال نقل کرکے ترجیح اسی تفسیر کو دی ہے -

سابعاً ' اس نکتہ پر نظر رہنی چاہیے کہ تفسیر قرآن کے معاملہ میں جسقدر اختلافات کی کثرت اور مذاہب و طرق کا تعدد و تنوع نظر آتا ہے ' وہ تمام تر متاخرین کی فلسفیانہ کاوش دسیدی کا نتیجہ ہے جبکہ معقولات کے شیوع اور ' و تابعین کے عائد و احاطہ سے علوم دینیہ میں اُس " تعمق " کی بنیادیں پوری طرح پڑ چکی تھیں جسکی نسبت کہا گیا تھا کہ " ھلک المتعمقون " - فکر و نظر میں عجمیت کے ظہور ' عربیۂ خالصۂ و صالحہ کے بعد ' اور علوم سنہ کے ترک و ہجر نے اس معاملہ کو اور زیادہ گہرا اور وسیع کردیا - لیکن اوائل و سلف میں یہ تمام اختلافات نکقلم نابید تھے - ہر آیت اور ہر لفظ کے ایک ہی صاف اور سادہ معنی تھے جو عربی لغۃ و محاورہ میں ہوسکتے ہیں اور لوگ اُس پر قانع تھے - ابداع معانی کثیرہ اور تفحص اشارات و مفہومات بعیدہ کی کاوش ہی نہیں کی جاتی تھی - نہ فرضی و تخمینی شکوک و ایرادات گڑھکر نئے نئے معانی فرض کیے جاتے تھے - " اولو الامر " کا لفظ جب کبھی ایک ایسے عرب کے سامنے کہا جائیگا جسکی عربیۂ خالص و صحیح ہو ' تو صرف ایک ہی معنی اُس کے ذہن میں آئینگے - یعنی صاحب حکومت - کسی دوسرے مفہوم کا اسے وہم بھی نہیں گزرے گا - صحابۂ و تابعین اسپر قانع تھے - لیکن امام رازی کی دقیقہ سنجی اس سہل پسندی اور لغوی سادگی پر قانع نہیں ہوسکتی - اس لیے وہ امکانی مطالب کا وسیع

سے وسیع میدان ڈھونڈھتے ہیں اور ہر ممکن مفہوم کو بحث و نظر کی ورزش کیلیے اختیار کرلینا چاہتے ہیں - بس متاخرین کے اختلافات سے متاثر نہیں ہونا چاہیے - صرف اُسی تفسیر کو اختیار کرنا چاہیے جو حدیث و آثار سے ماخوذ ہو ' اور لغۃ و عربیۃ اسکی تصدیق کرے - متاخرین کی کاوشیں دراصل ایک طرح کا منطقی تفنن ہے جس سے دماغ کو ورزش ملتی اور ذہن میں حدت پیدا ہوتی ہے - لیکن تفسیر قرآن نہیں ہے - قرآن کی تفسیر صرف وہی ہوسکتی ہے جو خود حامل قرآن کے علوم سے ماخوذ ہو ' اور اُن لوگوں نے بتلائی ہو جنکے علم و عمل پر خود اللہ نے اپنی رضاء و پسندیدگی کی شہادت دی ہے . رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ ! اگر سلف سے اعراض و انکار اس بنا پر ہے کہ اصول فقہ و علم کلام کی یونانی دقیقہ سنجیوں سے نا آشنا تھے ' تو کم از کم قرآن کا علم تو اُنکے لیے چھوڑ دینا چاہیے - یہ کیا مصیبت ہے کہ قرآن نازل تو ہوا ہو محمد عربی (صلی اللہ علیہ و سلم) پر ' لیکن اُسکے معانی و مطالب اُس وقت تک مسلمانوں کو معلوم نہیں جب تک ارسطوے یونانی اُنکی رہنمائی نہ کرے ؟

امام رازی (رح) وغیرہ کو زیادہ حیرانی اس بنا پر ہوئی ہے کہ اولو الامر کی اطاعت کا ذکر بھی اللہ اور رسول کی اطاعت کے ساتھ کیا گیا ہے ' اور عطف تسویہ پیدا کر رہا ہے ' بس اولو الامر ایسا ہونا چاہیے جسکی اطاعت عین خدا کی اطاعت ہو ' سلاطین و امراء کو یہ منصب کیونکر حاصل ہوسکتا ہے ؟ حالانکہ بات بالکل صاف تھی - حیرانی کی کوئی وجہ نہیں - قرآن و سنت قانون ہے ' لیکن قانون بالکل بیکار ہے اگر کوئی قوت نافذہ نہو - یعنی اس قانون پر عمل کرانے والی قوت ' اور ظاہر ہے کہ جو قوت نافذہ ہوگی ' اسکی اطاعت عین قوت مقننہ کی اطاعت ہوگی - ایک دہقانی تک جانتا ہے کہ گورنر اور نائب السلطنت کی اطاعت عین پادشاہ کی اطاعت ہے - بلکہ ایک سپاہی کی اطاعت بھی عین قانون اور پادشاہ کی اطاعت ہوتی ہے - اور اس سے مقابلہ کرنا عین قانون اور پادشاہ سے بغاوت کرنا - یہ ساری بحثیں اسلیے پیدا ہوگئیں کہ اسلام کے جماعتی نظام کی اہمیت پر نظر نہ ڈالی گئی - اگر یہ حقیقت پیش نظر ہوتی کہ شریعت کے نفاذ اور امت کے قوام و نظام کیلیے ایک مرکزی اقتدار ناگزیر ہے اور وہی امام اور اُسکے نائب امراء ہیں ' تو اولی الامر کا مطلب بالکل صاف تھا - کسی کاوش و بحث کی ضرورت ہی نہ تھی

" فان تنازعتم " الخ سے یہ حقیقت بھی واضح ہوگئی کہ اسلامی خلیفہ کا وجود مسیحیت کے پوپ سے کس درجہ مختلف ہے جو اسلام کے نزدیک اربابا من دون اللہ میں داخل ہے - مسیحیت کا خلیفہ ' ارضی خلیفہ نہیں ہے - آسمانی و دینی فرمانروا ہے جو مذہب کی آخری طاقت اپنے قبضہ میں رکھتا ہے - لیکن اسلامی خلافت کی اصلی بنا خلافت ارضی یعنی حکومت و سلطنت ہے - وہ صرف شریعت اور اُمت کی حفاظت کرنے والا اور احکام شریعت نافذ کرنے والا ہے - یعنی محض ایک قوت نافذہ ہے - نہ کہ مقننہ - اسکی ذات کو اصل شریعت اور اسکے احکام میں کوئی دخل نہیں - اگر ایسا نہ ہوتا تو فردوہ الی اللہ و الرسول نہ فرمایا جاتا - یعنی اگر کوئی ایسی صورت پیش آجائے جسمیں نزاع و اختلاف پیدا ہو ' تو پھر اسکے آخری فیصلہ کی قوت خلیفہ کا حکم نہیں ہے بلکہ مرکز اولی و حقیقی کا - یعنی قرآن و سنت کا - اور خود خلیفہ بھی اسکی اطاعت پر اسی طرح مجبور ہے جس طرح جماعت اُمت کا ہر عام فرد -

یہی وجہ ہے کہ " اطیعوا اللہ " کے بعد پھر اطیعوا الرسول " میں فعل کا اعادہ کیا گیا مگر " اولی الامر " میں نہیں کیا گیا - تاکہ واضح ہوجائے کہ اصل اطاعت جو مطلوب ہے وہ اللہ کی ہے اور رسول کی ہے - یعنی کتاب و سنت کی ' اور اولو الامر کی اطاعت صرف اسیلئے ہے تاکہ کتاب و سنت کی اطاعت کی جائے - بالاستقلال نہیں ہے - پھر " فان تنا زعتم " کہکر اور زیادہ واضح کردیا کہ اگر اولو الامر کتاب وسنت کے خلاف حکم دے تو پھر اُس حکم میں انکی اطاعت نہیں ہے - اللہ اور اسکے رسول ہی کے حکم کی طرف لوٹنا چاہیے - قالہ الطیبی فی الشرح -

بعض امراء بنو امیہ نے اپنے مظالم و بدعات کی اطاعت کرانے کیلئے جب اس آیت سے استدلال کیا اور کہا " الیس اللہ امرکم ان تطیعونا فی قولہ و اولی الامر منکم " ؟ کیا خدا نے تم لوگوں کو ہماری اطاعت کا حکم نہیں دیا ہے کہ و اولی الامر منکم ؟ تو بعض آئمۂ تابعین نے کیا خوب جواب دیا " الیس قد نزعت عنکم بقولہ فان تنا زعتم " ؟ ہاں ' مگر پھر اس منصب سے تم محروم بھی تو کردیے گئے جب فرمایا کہ فان تنا زعتم فی شی فردوہ الی اللہ والرسول -

غرضکہ اس آیۂ کریمہ میں قرآن نے اس قانون شریعت کا اعلان کیا ہے کہ خلیفۂ و امام کی اطاعت مسلمانوں پر فرض ہے ' اور اسی کا وجود نظام جماعت کا مرکزی اقتدار ہے -

فصل

(شرح حدیث حارث اشعری)

احادیث صحیحہ سے اسکی مزید توضیح ہوتی ہے - اس بارہ میں اس کثرت کے ساتھ حدیثیں موجود ہیں ' اور عہد صحابہ سے لیکر عہد تدوین کتب تک مختلف طبقات رواۃ و حفاظ میں اسقدر اُنکی شہرت رہچکی ہے کہ اسلام کے عقیدۂ توحید و رسالت کے بعد شاید ہی کوئی اور چیز اس درجہ تواتر و یقین تک پہنچی ہوگی -

سب سے پہلے میں مسند امام احمد وغیرہ کی ایک روایت نقل کرونگا جسمیں بالترتیب اسلام کا نظام عمل بیان کیا گیا ہے -

قال صلی اللہ علیہ وسلم " انا امرکم بخمس ' اللہ امرنی بہن ' الجماعۃ ' و السمع ' والطاعۃ ' والھجرۃ ' والجہاد فی سبیل اللہ - فانہ من خرج من الجماعۃ قید شبر ' فقد خلع ربقۃ الاسلام من عنقہ الا ان یراجع ' و من دعا بدعوی جاھلیۃ فھو من حثی جہنم - قالوا یا رسول اللہ و ان صام وصلی ؟ قال و ان صلی وصام و زعم انہ مسلم " اخرجہ احمد و الحاکم من حدیث " الحارث الاشعری علی شرط الصحیحین - قال ابن کثیر ھذا حدیث حسن ولہ الشواھد -

نبی فرمایا - میں تم کو پانچ باتوں کیلیے حکم دیتا ہوں جنکا حکم اللہ نے دیا ہے - جماعت ' سمع ' طاعۃ ' ھجرۃ ' اور اللہ کی راہ میں جہاد - یقین کرو کہ جو مسلمان جماعت سے ایک بالشت بھر بھی باہر ہوا تو اس نے اسلام کا حلقہ اپنی گردن سے نکال دیا ' اور جس نے اسلام کی جماعتی زندگی کی جگہ جاھلیۃ کی بے قیدی کی طرف بلایا تو اُسکا ٹھکانا جہنم ہے - لوگوں نے عرض کیا - کیا ایسا شخص جہنمی ہوگا اگرچہ روزہ رکھتا ہو اور نماز پڑھتا ہو ؟ فرمایا ہاں - اگرچہ روزہ رکھتا ہو ' نماز پڑھتا ہو ' اور اپنے زعم میں اپنے تئیں مسلمان سمجھتا ہو -

اس حدیث میں پانچ باتیں بتلائی ہیں

(۱) پہلی چیز "جماعت" ہے - یعنی تمام اُمت کو ایک خلیفہ و امام پر جمع ہوکر اور اسے مرکز قومی سے جڑ کے رہنا چاہیے- الگ الگ نہیں رہنا چاہیے - آگے چلکر کثرت کے ساتھہ وہ حدیثیں ملیںگی جن سے معلوم ہوگا کہ جماعت سے الگ ہوکر رہنے کو یا ایسی منتشر زندگی کو جو ایک بندھی اور سمٹی ہوئی جماعت کی شکل نہ رکھتی ہو اور کسی امیر کے تابع نہو اسلام نے غیر اسلامی اور ابلیسی راہ قرار دیا ہے - انفرادی زندگی کو وہ زندگی ہی نہیں مانتا - اسلامی زندگی "جماعت" ہے -

" جماعت " سے مقصود افراد کا ایک ایسا مجموعہ ہے جس میں اتحاد ' ائتلاف ' امتزاج ' اور نظم ہو -

" اتحاد" سے مقصود یہ ہے کہ اپنے اعمال حیات میں منتشر نہوں - ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہوں اور انکے تمام اعمال مل جلکر انجام پائیں - کسی گوشۂ عمل میں بھی بھوت اور بیگانگی نہو -

" ائتلاف " کا مرتبہ " اتحاد " سے بلند تر ہے - " اتحاد " صرف باہم مل جانا ہے - ضرور نہیں کہ کسی تناسب کے ساتھہ ترکیب ہوئی ہو - لیکن " ائتلاف " سے مقصود ایسا اتحاد ہے جو محض اتحاد ہی نہ ہو بلکہ ایک صحیح و مناسب ترکیب کے ساتھہ اتحاد ہو - یعنے منتشر افراد اسطرح باہم ملے ہوں کہ جس فرد کو اسکی صلاحیت و قوت کے مطابق جو جگہ ملنی چاہیے ' وہی جگہ اُسے ملی ہو - اور ہر فرد کی انفرادی قوت کو جماعتی ترکیب میں اُتنا ہی دخل دیا جائے ' جتنی مقدار میں دخل پانے کی اسمیں استعداد ہو - ایسا نہو کہ زید کو سردار ہونا چاہیے اور اس سے چاکری کا کام لیا جائے ' اور عمرو کی قابلیت کا عنصر صرف جہتاک بھر جزو جماعت ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے - اسکو سبز بھر قرار دیدیا جائے -

" امتزاج " ترکیب کا تیسرا مرتبہ ہے - اسمیں کمیت سے زیادہ کیفیت کا اتحاد ہونا چاہیے - یعنی مختلف افراد کو باہم اسطرح ملایا جائے کہ جس فرد کا اجتماعی مزاج جس قسم کے مزاج کے ساتھہ ملکر ایک متحدہ کیفیت حاصل کرسکتا ہے ' ویسا ہی مزاج اسکے ساتھہ ملایا جائے - یہ نہو کہ دو ایسے آدمیوں کو ملا دیا گیا جنکی طبیعت و خصلت اور استعداد و صلاحیت باہمدگر میل نہیں کھا سکتی اور اسلیے خواہ کتنا ہی دونوں کو

ملاؤ ' لیکن بدل زر ناسی کی طرح ہمیشہ الگ الگ ہی نظر آئیں ' باہم ملکر ایک جان نہ ہو جائیں - اللہ تعالی نے جس طرح عناصر کو اسلئے پیدا کیا ہے کہ باہمدگر ملکر ایک نئے مرکب وجود میں متشکل ہوں ' اسی طرح افراد انسانی کو بھی اسلئے پیدا کیا تاکہ آپکے باہم ملنے سے جماعت پیدا ہو - " جماعت " ایک مرکب وجود ہے - افراد اسکے عناصر ہیں - فرد بجائے خود کوئی کامل وجود نہیں رکھتا - محض ایک مبتدی ہے ' اور جب تک اپنے بقیہ ٹکڑوں سے مل نہ جائے کامل وجود نہیں پاسکتا - لیکن یہ باہم ملنا " امتزاج " کے ساتھ ہونا چاہیے - تاکہ ہر ٹکڑہ اپنے صحیح و مناسب ٹکڑہ کے ساتھ ملکر اسطرح جڑ جائے کہ معلوم ہو ' یہ نگینہ اسی انگشتری کے لیے تھا !

" نظم " سے مقصود جماعت کی وہ ترتیبی و تقویمی حالت ہے جب اسکے تمام افراد اپنی اپنی جگہوں میں قائم ' اپنے اپنے دائرہ میں محدود ' اور اپنے اپنے فرائض و اعمال کے انجام دینے میں سرگرم ہوں -

اجتماع کے یہ خواص و اوصاف نہ تو حاصل ہوسکتے ہیں ' نہ قائم رہ سکتے ہیں ' جب تک کوئی بالا تر فعال و مدبر طاقت وجود میں نہ آئے ' اور وہ منتشر افراد کو ایک متحد ' مؤتلف ' ممزوج ' اور منظم جماعت کی شکل میں قائم نہ رکھے - پس ایک " امام " کا وجود ناگزیر ہوا ' اور اسی لیے ضروری ہوا کہ سب سے پہلے تمام افراد ایک ایسے وجود کو اپنا امام و مطاع تسلیم کرلیں جو بکھرے ہوئے اجزاء کو اتحاد و ائتلاف اور امتزاج و نظم کے ساتھ جوڑ دیتے اور اُڑے ہوئے ذروں سے ایک حی و قائم جماعتی وجود پیدا کردینے کی قابلیت رکھتا ہو - اصل مرکز اس طاقت کا امام اعظم یعنی خلیفہ ہے - اور پھر ہر ملک ' ہر آبادی ' ہر گروہ میں اسکے ماتحت امام جماعت ہونے چاہئیں - مسلمانوں کے کسی چھوٹے سے چھوٹے گروہ کیلیے بھی شرعاً جائز نہیں کہ بلا قیام امام کے زندگی بسر کریں - حتی کہ اگر صرف تین مسلمان بھی ہوں ' تو چاہیے کہ ایک ان میں سے امام تسلیم کرلیا جائے - " اذا کان ثلاثة في سفر ' فلیؤ مروا احدهم "

پانچ وقت کی جماعت نماز میں جماعتی نظام کا پورا پورا نمونہ مسلمانوں کو دکھلا دیا گیا - کیونکہ نماز ہی وہ عمل عظیم ہے جو اسلام کے تمام عقائد و اعمال کا جامع ترین نمونہ ہے - کس طرح سیکڑوں ہزاروں منتشر افراد مختلف مقاموں ' مختلف جہتوں ' مختلف شکلوں ' اور مختلف

اندسرں مں آتے ھیں ' لیکن یکایک صداے تکبیر سب کے انتشار کو ایک کامل اتحادی جسم میں تبدیل کردیتی ھے - یہانتک کہ ھزاروں اجزاء کا یہ منتشر مواد بالکل ایک جسم واحد کی صورت اختیار کرلیتا ھے - سب کے وجود ایک ھی صف میں جڑے ھوے ' سب کے کاندھے ایک دوسرے سے ملے ھوے ' سب کے قدم ایک ھی سیدھ میں ' سب کے چہرے ایک ھی کی جانب - قیام کی حالت ھے تو سب ایک جسم واحد کی طرح کھڑے ھیں ' جھکاؤ ھے تو تمام صفیں یک وقت جھکی ھوئی ھیں - ظاھر کے ساتھ باطن بھی یکسر متحد و ممزوج - سب کے دل ایک ھی کی یاد میں محو ' سب کی زبانیں ایک ھی کے ذکر میں مترنم - پھر دیکھو ' سب کے آگے صرف ایک ھی وجود امام کا نظر آتا ھے جسکے اختیار میں جماعت کے تمام اعمال و افعال کی باگ ھوتی ھے - جب چاھے سب کو جھکا دے - جب چاھے سب کو اُٹھا دے -

اسلام کی زبان میں " جماعت " سے مقصود ایسا اجتماع ھے - اندوہ اور بہتر کا نام جماعت نہیں ھے -

جماعت کے جن اوصاف و خواص کا اوپر ذکر کیا گیا ' وہ تمام تر قرآن و سنت سے ماخوذ ھیں - لیکن شواھد کی تفصیل کا یہ موقعہ نہیں -

(۲) دوسری چیز " السمع " ھے - یعنی امام جو احکام دے ' اُسکو سنیں ' اور اس سے تعلیم و ارشاد حاصل کرنا - " سمع " کے لفظ میں قبولیت احکام و طلب تعلیم ' دونوں کی طرف توجہ دلائی ھے اور امام کی معلمانہ حیثیت کو نمایاں کیا ھے -

(۳) تیسری چیز " طاعت " ھے - یعنی امام کی کامل درجہ اطاعت و فرماں برداری ' اور اپنی تمام عملی قوتوں کو اُس کے سپرد کردینا ' اور اس کے ھر حکم کی بلا چون و چرا تعمیل کرنا - البتہ اطاعت معروف میں ھے - نہ کہ معصیت میں کہ " انما الطاعة فی المعروف "

(۴) چوتھی بات " ھجرۃ " ھے - ھجرۃ ھجر سے ھے جسکے معنی ترک کردینے اور چھوڑ دینے کے ھیں " الھجر والھجران مفارقة الانسان غیرہ ' اما بالبدن او باللسان او بالقلب - و المھاجرۃ ' مصارمة الغیر و متارکة " (۵۵۸) اسلام کی اصطلاح میں جب کبھی کوئی فرد یا جماعت سعادت و صداقت کے کسی مقصد اعلیٰ کیلیے اپنی دنیوی محبوبات و مالوفات ترک کردے - مثلاً دولت کو ' آرام و راحت کو ' عزیز و اقرباء کے قرب کو ' وطن و مکان کو ' تو اسکا نام

ھجرۃ الی اللہ اور ذھاب الی اللہ ھے - خدا کے ھو رسول اور انکے سروں کو
قیام حق کی راہ میں نہ معدل طی کرنی پڑی انی مہاجر الی ربی - اور
انی ذاھب الی ربی - جونکہ وطن و مکان کا علاقہ ایک ایسا علاقہ ھے جسکے
ترک کرنے میں اھل و عیال ' مال و متاع ' دوست و احباب ' ھر طرح کے
علاقوں کو ترک کردینا پڑتا ھے ' اور اسکی صحبت و الفت کی زنجیر اور
ساری زنجیروں سے بھاری ھے ' اسلیے ترک وطن کی ھجرۃ اعلی اور جامع
قسم کی ھجرۃ ھوئی ' اور زیادہ تر مہاجرۃ کا اطلاق ترک وطن ھی پر کیا گیا -
" وانما لامرئ ما نوی - فمن کانت ھجرتہ الی اللہ ورسولہ ' فھجرتہ الی اللہ
ورسولہ ' ومن کانت ھجرتہ لدنیا یصیبھا ' اوامرأۃ یتزوجھا ' فھجرتہ الی
ما ھاجر الیہ" (بخاری عن عمر رض) یعنی ھر شخص کیلیے وہ ھے جسکی
اُس نے نیت کی - پس جس نے اللہ اور اسکے رسول کیلیے ھجرۃ کی تو
اسکی ھجرۃ اللہ اور اسکے رسول کیلیے ھوئی ' اور جس نے اسلیے گھر
چھوڑا کہ دنیا کمائے یا نکاح کرے ' تو اسکی ھجرۃ اسی کام کیلیے ھوئی
جسکے لیے اس نے گھر چھوڑا - پھر ھجرۃ کے بھی اقسام ھیں اور مراتب -
بعضھا فوق بعض - کتاب و سنت اسکی تفصیل سے لبریز ھیں - یہ موقعہ تفصیل
کا نہیں -

پانچویں چیز "جہاد فی سبیل اللہ " ھے - "جہاد" جہد سے ھے جسکے معنی
" استفراغ الوسع فی مدافعۃ العدو ظاھراً و باطناً " ھیں (مفردات راغب)
یعنی دشمن اور دشمن کی تمام قوتوں کے دور کرنے اور اسے کو قائم وباقی
رکھنے کیلیے انتہا درجہ کی کوشش کرنا - یہ کوشش زبان سے بھی ھوتی ھے -
مال سے بھی ھوتی ھے - جان سے بھی ھوتی ھے - جس قسم کی کوشش کی
ضرورت ھو - ھر قسم جہاد فی سبیل اللہ میں داخل ھے - " وجاھدوا
المشرکین باموالکم وانفسکم والسنتکم " (رواہ ابوداؤد ' واحمد ' ونسائی '
وابن حبان ' عن انس)

یہ کہنا ضروری نہیں کہ یہی پانچ چیزیں دنیا میں قوموں اور ملکوں
کے بقاؤ قیام کی اصلی بنیاد ھیں - دنیا میں کوئی قوم زندہ نہیں رھسکتی
جسکی قومی ھستی ان پانچ عناصر سے مرکب نہو - سعی و عمل کا کوئی
گوشہ ھو ' کامیابی بغیر ان اصول خمسہ کے نہیں مل سکتی - تم منتھی بھر
گیھوں کے طالب ھو یا قطب شمالی کی تحقیق کے ' مگر کوئی چیز بھی بغیر

جماعت، اطاعت، هجرة، اور جهاد کے حاصل نه هو سکیگی - دنیا نے آجتک جو کچهه پایا هے، غور کروگے تو وہ سب انهی پانچ سچائیوں کے ثمرات و نتائج هیں -

دنیا کے تمام نزاعات و اختلافات کی ایک سب سے بڑی علت خفیف سی وحدت اور اسماء و مصطلحات کی کثرت هے - طلب صداقت کے اکثر جهگڑے حکایت شهد و عسل سے زیادہ نہیں - یعنی سچائی هر جگه اور هر گوشۂ عمل میں حقیقت و مسمی کے اعتبار سے ایک هی هے، لیکن لفظیں مختلف هوگئے هیں اور نام متعدد - مصیبت یہ هے کہ دنیا معانی کی جگه لفظوں کی پرستش کرتی هے، اور گو سب طلبگار و پرستار ایک هی حقیقت کے هیں، لیکن محض ناموں کے اختلاف کی وجه سے باهمدگر لڑ رهے هیں - ایک کہتا هے شهد - دوسرا کہتا هے عسل - مگر کوئی نہیں جو دونوں کو سمجها دے کہ مقصود دونوں کا ایک هی هے - اختلاف مسمی میں نہیں هے - صرف اسم میں هے - ایک شخص شب و روز ایک حقیقت کو مانتا اور جانتا هے، لیکن اپنی اصطلاح و رسم میں کسی خاص لفظ سے پکارتا هے - وهی حقیقت جب ایک دوسرے نام سے اسکے سامنے پیش کی جاتی هے تو فوراً انکار کردیتا هے اور اپنا فرض سمجهتا هے کہ اس سے هر طرح نفرت کرے - مذاهب کے اختلافات سے لیکر معاشرت و رسوم کے چهوٹے چهوٹے اختلافات تک، هر جگه یہی علت کام کر رهی هے - اگر کبهی ایسا هوسکے کہ ظواهر و اسماء کے تمام پردے اٹهادیے جائیں اور حقیقت بے نقاب هوکر سب کے سامنے آ جائے، تو بکایک دنیا کے تمام نزاعات ختم هو جائیں، اور تمام لڑنے والے دیکهه لیں کہ سب کا مطلوب ایک هی هے اگرچه لفظیں مختلف هیں، اور سب کا مقصود ایک هی هے اگرچه نام بہت سے هیں :

عباراتنا شتی و حسنک واحد
وکل الی ذاک الجمال یشیر !

علوم و حقائق کے مشاهد و مناظر میں یہ مشهد سب سے اعلی و ارفع مقام رکهتا هے - اسی کو شاه ولی الله رحمة الله علیه " علم الجمع بین المختلفات " سے تعبیر کرتے هیں (۱) اور عامۂ اصحاب اشارات

---

(۱) تفهیمات میں لکهتے هیں " لما تمت بی دورة الحکمة، البسنی الله خلعت المجددیة، فعلمت علم الجمع بین المختلفات "

و سلوک نے " مشہد وحدہ " کی اصطلاح اختیار کی ہے جو سنگ طریق کیلیے کشف حجب اور سیر حقائق کا سب سے بلند تر مقام ہے - مقصود اس سے وہ قوت نظر و فکر ہے جو ظواہر سے گزر کر حقیقت تک پہنچ جائے ' اور اسماء و تعبیرات کے اختلافات دور کرکے مقاصد و معانی کا اتحاد معلوم کرلے - بعدہٗ سارے تراعات و اختلافات دور ہو جائیں ' اور سب سے سخت متازع و متضاد راہوں پر چلنے والے بھی دیکھ لیں کہ اصل مطلوب دونوں کا ایک ہی ہے -

اس اصل کو پیش نظر رکھکر اگر غور کروگے تو واضح ہو جائیگا کہ جماعت' تعلیم ' اطاعت ' ہجرت ' اور جہاد ' دنیا کی وہ عالمگیر صداقتیں ہیں ' جنکی حقیقت سے کسی فرد بشر کو انکار نہیں ہوسکتا - دنیا کی کوئی صالح جماعت ایسی نہیں ہے جس نے انسے الگ رہکر کامیابی حاصل کی ہو - ہر عقل نے انکا اقرار کیا ہے ' ہر دل میں انکا اعتقاد موجود ہے ' اور ہر عامل جماعت شب و روز انپر عمل کر رہی ہے - البتہ ناموں کے اختلاف نے ساری الجھن ڈال دی ہے - اسلام نے جن ناموں سے انکو تعبیر کیا ہے ' انسے دنیا کو اختلاف ہے ' لیکن اسلام جن حقیقتوں کو پیش کرتا ہے ' انسے دنیا اختلاف نہیں کرسکتی - اگر کرے تو زندگی اور مراد سے محروم ہو جائے -

اس نظام میں پہلی چیز " جماعت " ہے جسکی مختصر تشریح اوپر گزر چکی - غور کرو ' دنیا کا کونسا کام ایسا ہے جسکو بلا اجتماع و جماعت کے انجام دیا جاسکتا ہے ؟ جماعت کی زیادہ دقیق اور فلسفیانہ تعریف چھوڑ دو - صاف اور سیدھے سادے معنی جو ہوسکتے ہیں' صرف انہیں پر غور کرلو - سوسائٹی ' پارٹی ' کمیٹی ' کلب ' انجمن ' کانفرنس ' پارلیمنٹ ' بلکہ قوم ' ملک ' فوج ' ان سب سے مقصود کیا ہے ؟ یہی کہ " جماعت " اور " التزام جماعت " - وحشی قوموں تک کو دیکھتے ہو کہ جنگل کے درختوں کے نیچے اکٹھے ہوجاتے ہیں' اور مل جلکر اپنے معاملات کا فیصلہ کرتے ہیں - پھر جماعت کے سوا ہے اگر اسکا نظام نہو اور کوئی سردار و رہنما نہو - تم پانچ آدمیوں کی بھی کوئی مجلس منعقد کرتے ہو' تو سب سے پہلے ایک پریسیڈنٹ کا انتخاب کرتے ہو اور کہتے ہو کہ جب تک کسی کو صدر مجلس نہ مان لینگے ' یہ پانچ آدمیوں کی مجلس بھی باقاعدہ کام نہ کرسکیگی - فوج ترتیب دیتے ہو تو دس آدمیوں کو بھی بغیر ایک افسر کے نہیں چھوڑتے -

اسکی اطاعت متعدد کتابیں فرض سمجھتے ہو اور تقدس کرتے ہو کہ بغیر اسکے فوج کا نظام قائم نہیں رہسکتا - پانچ دس آدمی بھی اگر بغیر امیر کے کام نہیں کرسکتے تو قومیں کیونکر اپنے فرائض بلا امیر کے انجام دے سکتی ہیں ؟ اس سے بھی سادہ تر مثال یہ ہے کہ اپنے اپنے گھروں اور خاندانوں کو دیکھو ! خود تمہارا گھر بھی تو ایک چھوٹی سی آبادی ہے ؟ اگر بیوی تمہارا حکم نہ مانے تو تم کیوں لڑتے ہو ؟ اگر گھر کے لوگ تمہارے کہنے پر نہ چلیں، تو تم کیوں لڑتے ہو ؟ تم کہتے ہو کہ فلاں گھر میں امن و انتظام نہیں - روزخانہ جنگی ہوتی ہے - یہ سب کیوں ہے ؟ صرف اسلیے کہ " الجماعــــۃ ، و السمــــع ، و الطاعــــۃ " کوئی جماعت امن و نظم نہیں پاسکتی جب تک اسکا کوئی امیر نہو ، اور جب تک امیر کی اطاعت نہ کی جائے - گھر اور خاندان بھی ایک چھوٹی سی جماعت ہے - تم گھر کے بڑے ہو - یعنی امیر ہو - پس گھر کی عافیت و کامیابی اسپر موقوف ہے کہ سب تمہاری سنیں اور تمہارے کہے پر چلیں -

" ہجرت " کا لفظ کسقدر تمہارے لیے نا آشنا اور نا مانوس ہے ؟ تم سمجھتے کہ یہ دنیا کے اُس عہد جہل و وحشت کی یادگار ہے جب مذہبی جذبات کی بر انگیختگی نے تمــــدنی احساسات کو مغلوب کردیا تھا ، اور انسان دین پرستی کے جنون میں اپنی عقلی و تمدنی زندگی تک کو قربان کردیتا تھا - لیکن بتلاؤ ، اب دنیا کی اعلیٰ سے اعلیٰ علمی و تمدنی ترقیاں بھی تم کو جس راہ کی طرف بلا رہی ہیں ، وہ " ہجرت " کی حقیقت سے کب خالی ہیں ؟ اور خود علم و تمدن کا تمام ذخیرۂ عروج بھی کس عملی حقیقت کا نتیجہ ہے ؟ " ہجرت " سے مقصود یہ ہے کہ اعلیٰ مقاصد کی راہ میں کمتر فوائد کو قربان کردینا ، اور حصول مقاصد کی راہ میں جو چیزیں حائل ہوں ، اُن سب کو ترک کردینا - خواہ آرام و راحت ہو ، مال و دولت ہو ، نفسانی خواہشیں ہوں ، حتیٰ کہ قوم ہو ، ملک ہو ، وطن ہو ، اہل و عیال ہوں ، سب کو چھوڑ دینا - پھر بتلاؤ ، علم و عمل کا کون گوشہ ہے جس میں کامیابی بغیر اس جذبہ کے ملسکتی ہے ؟ انسان کی مطلوبات میں سے کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی ایسی بتلاسکتے ہو جو بلا ہجرت کے مقام سے گذرے اُسنے پالی ہو ؟ یہ دنیا کی علمی و تمدنی ترقیاں ، حیرت انگیز اکتشافات ، انقلاب انگیز ایجادات ، دولت کی فراوانی ، تجارت کی عالمگیری ، نئی نئی آبادیوں کا قیام ، طرح طرح کے وسائل معیشت و فلاح کا ظہور ، پھر

ملکوں کا عروج ' قوموں کی دلا دستی ' تمدن کی وسعت ' فی الحقیقت انسان کے کس عمل حق کے نتائج و ثمرات ہیں ؟ اگر کج نظری چھوڑ دو تو معلوم کرلوگے کہ صرف عمل ہجرت کے - اگر انسان اور انسانونکی جماعتوں نے طلب مقاصد و عزائم میں ہزاروں قربانیاں نہ کی ہوتیں ' ہر طرح کے آرام و راحت سے مفارقت نہ کرجاتے ' اپنی ساری خواہشوں اور ولولوں کو ترک نہ کردیتے ' گھر کے عیش ' اہل و عیال کی محبت ' خویش و یگانہ کی الفت ' اور ملک و وطن کی دامنگیروں سے بالکل آزاد ہوکر راہ ہجرت میں قدم نہ اٹھاتے ' تو آج دنیا میں علم کی جگہ جہل ہوتا ' تمدن کی جگہ وحشت ہوتی ' آبادیوں کی جگہ جنگل ہوتے ' اور ان تمام ترقیوں میں سے ایک ترقی بھی کرۂ ارضی کی پیٹھہ پر نظر نہ آتی - دنیا میں جس قدر علوم وفنون موجود ہیں ' اُن سب کی تکمیل کیونکر ہوتی اگر ولولۂ ہجرت سے انسان کا قلب خالی ہوتا ؟ کتنے ہی انسانوں نے اپنے گھروں اور وطنوں سے ہجرتیں کی ہیں ' دنیا کے ایک ایک گوشہ ایک ایک چپہ کو جہاں مارا ہے ' جب کہیں جاکر فن طب کی تکمیل ہوئی ہے اور ادویۂ و اشیاء کے خواص کا علم مکمل ہوا ہے - اگر مہاجرین علم کے قافلے اپنے اپنے گوشوں سے نہ نکلتے ' اور گھر کے آرام و راحت کی جگہ سفر و غربت کی صعوبتیں گوارا نہ کرلیتے ' تو اشیاء کی تحقیق کیونکر ہوتی ؟ پیدا وار کی معلومات کیونکر تکمیل پاتی ؟ جغرافیہ کیونکر وجود میں آتا ؟ علم الحیات کے تعارف کی جزئیات کیونکر جمع ہوسکتیں ؟ نئی نئی ایجادات اور اکتشافات کی کس طرح راہ کھلتی ؟ کولمبس اگر ہجرت نہ کرتا ' تو آج دنیا کا نصف تمدن ناپید تھا - یورپ اگر ہجرت نہ کرتا تو آج نیویارک اور واشنگٹن کی سر بفلک عمارتوں کا وجود نہ ہوتا - اگر یورپ کی قومیں اپنے ملکوں سے مہاجرت نہ کریں ' تو آج تمام دنیا کی دولت اُن کے گھروں میں کھنچکر نہ جاتی - یہ کیسی عجیب بات ہے کہ اگر صرف قطب شمالی کی تحقیق کے لیے مہاجرین کشف کے ڈیڑھ سو قافلے یکے بعد دیگرے نکلیں ' اور تکسر قربان و ہلاک ہو جائیں ' تو تم کہو کہ یہ تحقیق علم کا کمال اور جذبۂ نوع پرستی کی انتہا ہے ' لیکن اگر اُسی چیز کو اللہ کی شریعت ایک جامع تر لفظ " ہجرت " سے تعبیر کرے ' تو تم اسکا انکار کردو ؟ تمہارے نزدیک یہ تو تمدن ہے کہ دریائے نیل کا مخرج دریافت کرنے کیلیے سیکڑوں انسان اپنا گھر بار چھوڑ دیں اور ہلاک ہو جائیں ' لیکن یہ وحشت ہے کہ قیام حق اور اشاعت

صداقت کي راہ میں اللہ کے بندے ترک وطن کریں ؟ اگر ہوتن اپنی رانوں کی نیند اور بستر کی راحت چھوڑ دے تاکہ " کشش ثقل " کا قانون دریافت کرلے ' تو تم اسکی پرستش کرو اور کہو کہ یہ علم پرستي ہے - لیکن اگر تم عزم و طلب کے ایسے ہی پرستار ہو تو اُس عازم صادق کیلیے کیا کہتے ہو جو قانون کشش ثقل کیلیے نہیں بلکہ قانون نجات عالم کیلیے اپنا گھر بار چھوڑ دیتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ حق پرستی ہے ؟

آج تمام یورپ قومی ترقی اور ملکی استحکام کی سب سے بڑي بنیاد " کالونیل سسٹم " کو تقدس کرتا ہے - یعنی نو آبادیوں کے اصول کو ' اور اسکا اس درجہ پرستار ہے کہ صرف اسی کی خاطر پانچ سال تک دنیا کو عالمگیر جنگ و قتال میں مبتلا رکھتا ہے - لیکن نو آبادیوں کے اُصول کے کیا معني ہیں ؟ یہی کہ ترک وطن کرکے اپنی نئی نئی آبادیاں قائم کرنا ' اور قومی دولت و طاقت کو بڑھانے کیلیے دنیا میں دور دور تک پھیل جانا - اب غور کرو کہ یہ وہی "ہجرت" اور ترک وطن کی بات ہوئي یا نہیں ؟ اور " الجماعۃ ' و السمع ' و الطاعۃ ' و الھجرۃ " پر دنیا عمل کررہي ہے یا نہیں ؟ نام مختلف ہیں مگر حقیقت ایک ہي ہے -

"جہاد" کے معني یہ ہیں کہ دفع اعداء میں اپني جان و مال سے کمال درجہ سعي و محنت کرنا - کیا دنیا میں کوئي قوم ' کوئی ملک ' کوئي جماعت ' کوئي قبیلہ ' کوئی خاندان ' کوئي گھر ' کوئی انسان ' بلکہ کوئی وجود اور زندگی بغیر جہاد کے زندہ و قائم رہسکتی ہے ؟ کون ہے جو زندہ رہنا چاہتا ہے اور جہاد نہیں کرتا ؟ جس چیز کو تم ہزاروں ناموں اور لفظوں میں بولتے ہو اور کارزار ہستي میں تنازع قیام کي اصلي بنیاد سمجھتے ہو ' اُسي کو اسلام نے ایک جامع لفظ " جہاد " سے تعبیر کیا ہے - اگر تم سے ڈارون اور رسل ویلیس تنازع البقاء (Struggle for existence) اور انتخاب طبیعي (Natural Selection) اور بقاء اصلح (Survival of the fittest) کا ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کارزار حیات میں بقا صرف اصلح و امثل کیلیے ہے ' تو تم پوري طرح کان دھرتے ہو ' اور فطرۃ کے قتل و غارت کا افسانۂ خونین تم کو پریشان خاطر نہیں کرتا - لیکن اُسي حقیقت کو قرآن و اسلام زیادہ مکمل شکل میں بیان کرتا ہے - وہ کہتا ہے کہ جو قانون الٰہي زمین کے کیڑوں مکوڑوں تک پر نافذ ہے ' اُس سے جمعیت بشري کیونکر بري ہوسکتی ہے ؟ پس دنیا میں

اُسی قوم کو باقی رہنا چاہیے جو حق و ہدایت کے اعتبار سے اصلح ہو۔ عمر اصلح عقائد و اعمال کو مٹ جانا چاہیے اور قانون الٰہی کا ہاتھ دیکر مٹا دینا چاہیے - ہدایت یافتہ اقوام کا یہ حق ہے کہ غیر ہدایت یافتہ قوموں پر غالب آئیں ' لیظہرہ علی الدین کلہ - پھر اس بات پر ہم کیوں مضطرب ہوئے ہو؟ کیوں اس قدرتی قانون ہستی کے ذکر میں ہم کو قتل و غارتگری کی دہشت ناکی یاد آتی ہے؟ یورپ کی قومیں تمام دنیا کو اپنی نو آبادیوں سے بھر دیں ' اور کہیں کہ امریکہ کے وحشیوں کی جگہ ہم متمدن اقوام زیادہ خدا کی زمین کی حقدار ہیں - اسکو تو تم گوارا کرلو' لیکن اگر اسلام کہے کہ " ان الارض للہ و لرسولہ " خدا کی زمین حق پرستوں کیلئے ہے - کفر و ضلالت کے پرستاروں کیلئے نہیں ہے ' تو تم اسکو وحشت اور خونریزی کہو؟

فصل

(جماعت و التزام جماعت)

یہاں ایک اور اہم اور قابل غور امر یہ بھی ہے کہ اس حدیث اور نیز دیگر احادیث میں ہمیشہ جماعت اور اطاعت خلیفہ کی زندگی کو اسلامی زندگی قرار دیا ہے اور اسکے عکس کو جاہلیۃ - جاہلیۃ کی زندگی میں ہلاکت کا اصلی تخم کیا تھا؟ قرآن نے واضح کیا ہے کہ تفرقہ اور باہم دگر علیحدگی' اور کسی ایک مرکزی قوت کے ماتحت نہونا - اسلام نے ظاہر ہوکر زندگی کی جو تخم ریزی کی ' وہ کیا تھی؟ باہمی اتحاد و ائتلاف - تمام منتشر افراد کو ایک متحدہ جماعت بنا کر نفس واحدہ کردیا اور سب کے سر ایک ہی چوکھٹ پر جھکادیے . واذکروا نعمت اللہ علیکم اذ کنتم اعداءً فالف بین قلوبکم ' فاصبحتم بنعمتہ اخوانا - وکنتم علی شفا حفرۃ من النار فانقذکم منہا " الخ -

پس جاہلیۃ کا دوسرا نام تفرقۃ ہوا ' اور اسلام کا دوسرا نام جماعت اور التزام جماعت - یہی وجہ ہے کہ تمام احادیث میں یہ حقیقت واضح کی گئی' اور اعلان کیا گیا کہ جو شخص جماعت اور اطاعت امام سے الگ ہوگیا '

گویا وہ اسلام سے خارج ہوگیا - اسکی موت اسلام پر نہیں بلکہ جاہلیہ پر ہوگی - اگرچہ نماز پڑھتا ہو، روزہ رکھتا ہو، اور اپنے تئیں مسلمان سمجھتا ہو - مزید احادیث میں سے بعض روایات صحاح یہ ہیں :-

" من اطاعنی فقد اطاع اللہ ، و من اطاع امیری فقد اطاعنی ، و من عصی امیری فقد عصانی " (صحیحین عن ابی ہریرہ) جس نے میری اطاعت کی ، اُس نے اللہ کی اطاعت کی ، اور جس نے میرے امیر کی (یعنے میرے نائب کی) اطاعت کی ، اسنے خود میری اطاعت کی ، اور جس نے امیر سے روگردانی کی، اس نے میری اطاعت سے انکار کیا - یعنی امیر المؤمنین کی اطاعت عین رسول کی اطاعت ہے - مسلم کی ایک روایت میں " امیری " کی جگہ صرف " الامیر " ہے - یعنی جو شخص مسلمانوں کا امام ہو، اُسکی اطاعت -

" إسمعوا و اطیعوا و ان استعمل علیکم عبد حبشی کان راسہ زبیبۃ " (صحیحین عن انس) اگر ایک حقیر صورت حبشی غلام بھی تمہارا امیر بنا دیا جائے ، تو چاہیے کہ اسکی سنو اور اطاعت کرو -

معلوم ہوتا ہے کہ یہ جملہ بار بار اور کثرت سے حدیثوں میں آپ فرماتے تھے - اسی لیے مختلف لفظوں میں اور مختلف مواقع کی نسبت مروی ہے - حجۃ الوداع کے عظیم الشان اور یادگار عالم موقعہ پر (جبکہ دو تین ماہ کے بعد آپ دنیا سے تشریف لیجانے والے تھے اور اک آخری اور وداعی پیام دنیا کو سنا رہے تھے) فرمایا " و لو استعمل علیکم عبد یقودکم بکتاب اللہ ، اسمعوا و اطیعوا " (مسلم) اگر اک حبشی غلام بھی تم پر امیر بنا دیا جائے اور وہ کتاب اللہ کے ساتھ تم پر حکومت کرے ، تو اُسکی سنو اور اطاعت کرو !

" من خرج من الطاعۃ و فارق الجماعۃ ، فمات ، مات میتۃ جاھلیۃ " و عن ابن عباس " من رای من امیرہ شیئا یکرھہ ، فلیصبر ، فانہ من فارق الجماعۃ شبرا ، فمات ، فمیتۃ میتۃ جاھلیۃ " و فی لفظ " فانہ لیس احد من الناس خرج من السلطان شبرا فمات علیہ ، الا مات میتۃ جاھلیۃ " (متفق علیہ) یعنی جس نے جماعت کا ساتھ چھوڑ دیا ، خلیفہ کی اطاعت سے باہر ہوگیا ، اور اسی حالت میں بغیر توبہ کے مرگیا ، تو اُسکی موت جاھلیۃ کی موت ہوئی (اسلام سے پہلے اہل عرب پر جو زمانہ

گزرا ہے ' اسکو عہد جاہلیۃ کہتے تھے - اس مصاب نہ ہوا کہ عرب جاہلیۃ کی طرح گمراہی پر موت ہوئی) دوسری روایت میں ہے - اگر کوئی شخص اپنے امیر کو ایسی بات کرتے دیکھے جو اُسے پسند نہ آئے تو چاہیے کہ صبر کرے - اسکی اطاعت سے باہر نہو - کیونکہ جو کوئی سلطان اسلام کی اطاعت سے بالشت بھر بھی باہر ہوا اور اسی حالت میں مرگیا ' تو اسکی موت جاہلیہ کی حالت پر ہوئی - حضرۃ ابن عمر کی روایت میں ہے :
" من خلع یدا من طاعۃ ' لقی اللہ یوم القیامۃ و لا حجۃ لہ ' و من مات و لیس فی عنقہ بیعۃ ' مات میتۃ جاہلیۃ " جس نے خلیفہ کی اطاعت سے ہاتھ کھینچا ' یعنی اطاعت نہ کی ' تو قیامت کے دن وہ اللہ کے سامنے حاضر ہوگا اور اسکے لیے کوئی بہانہ نہوگا - اور جو مسلمان دنیا سے اس حال میں گیا کہ خلیفہ کی بیعت و اطاعت کے حلقہ سے اُسکی گردن خالی ہوئی ' تو یقین کرو کہ اسکی موت جاہلیۃ کی موت ہوئی -
" من فارق الجماعۃ شبرا فکانما خلع ربقۃ الاسلام من عنقہ " (ترمذی) جو جماعت سے بالشت بھر بھی باہر ہوا ' اس کا حکم یہ ہے کہ گویا اس نے اسلام کی اطاعت کا حلقہ اپنی گردن سے نکال دیا - ایک روایت میں ہے " دخل النار " (اخرجہ الحاکم علی شرط الصحیحین) یعنے جو خلیفہ کی اطاعت سے باہر ہوا ' اُسکا ٹھکانا دوزخ ہے -

" کانت بنو اسرائیل تسوسھم الانبیاء - کلما ھلک نبی ' خلفہ نبی - و انہ لا نبی بعدی - و سیکون خلفاء فیکثرون - قالوا - فما تامرنا ؟ قال - فوا بیعۃ الاول فالاول ' ثم اعطوھم حقھم ' فان اللہ یسائلھم عما استرعاھم " (متفق علیہ) بنی اسرائیل کی رہنمائی و ریاست انبیاء کرتے تھے - ایک نبی گیا تو دوسرا اُسکی جگہ مامور ہوا - لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے - البتہ خلفاء ہونگے - لوگوں نے عرض کیا - ہم کو اُنکی نسبت کیا حکم ہوتا ہے ؟ فرمایا - جس سے پہلے بیعت کی یعنی جس کی حکومت پہلے مان لی گئی ' اُسکی اطاعت مقدم ہے - پھر کسی دوسرے کو خلیفہ نہ مانو - اور فرمایا - اُنکا تم پر جو کچھہ حق ہے ' وہ اُنکے حوالے کرو - یعنی اُنکی اطاعت کرو - زکوٰۃ و خراج وغیرہ اُنہی کو دو -

انکے علاوہ بے شمار احادیث ہیں - اجماع کے شواہد اور کتب عقائد و فقہ کے اقوال نقل نہیں کیے گئے کہ مشہور و معروف ہیں ' اور احادیث کے بعد اُنکی ضرورت بھی نہیں -

فصل

(شرائط امامت و خلافہ)

تمام نصوص و دلائل کتاب و سنۃ اور اجماع امۃ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت نے شرائط امامت و خلافہ کے بارے میں دو صورتیں اختیار کی ہیں - اور وہ بھی طور پر تیسری دو صورتیں اس مسئلہ کی ہوسکتی نہیں -

اسلام نے اس بارے میں نظام عمل یہ مقرر کیا تھا کہ امام کے انتخاب کا حق امت کو ہے - اور طریق انتخاب جمہوری تھا نہ کہ شخصی و نسلی - یعنے قوم اور قوم کی اصحاب الرائے جماعت (اہل حل و عقد) کو شرائط و مقاصد خلافت کے مطابق اپنا خلیفہ منتخب کرنا چاہیے - بحکم و امرھم شوریٰ بینھم - بنیاد تمام امور کی شرعاً شوریٰ یعنی باہمی مشورہ ہے - نہ کہ نسل و خاندان - خلافت راشدہ کا عمل اسی نظام پر تھا - خلیفۂ اول کا انتخاب عام جماعت میں ہوا - خلیفۂ دوم کو خلیفۂ اول نے نامزد کیا اور اہل حل و عقد نے منظور کرلیا - خلیفۂ سوم کا انتخاب جماعت شوریٰ نے کیا - خلیفۂ چہارم کے ہاتھ پر خود تمام جماعت نے بیعت کی - نسل ' خاندان ' ولی عہدی ' کو اسمیں کوئی دخل نہ تھا - اگر دخل ہوتا تو ظاہر ہے کہ خلافت خلیفۂ اول کے خاندان میں آجاتی ' یا دوم و سوم کے خاندان میں ' مگر ایسا نہیں ہوا - خلیفۂ دوم نے تو قوم کو بھی اسکا موقعہ نہ دیا کہ اُنکے لڑکے کو خلیفہ منتخب کرے - وصیت کردی کہ وہ کسی طرح منتخب نہیں ہوسکتا -

پس پہلی صورت یہ ہے کہ اگر صحیح نظام شرعی قائم ہو جو خالص جمہوری ہے ' اور قوم کو اپنا خلیفہ منتخب کرنے کا موقع ملے ' تو کیسا شخص منتخب کرنا چاہیے ؟ اور اُسمیں کیا کیا اوصاف ہونا چاہیئیں ؟

دوسری صورت یہ ہے کہ اگر یہ نظام باقی نہ رہا ہو - قوم کی رائے اور انتخاب کو اُسمیں دخل نہو - محض طاقت اور تسلط کی بنا پر کوئی خاندان یا کوئی طاقتور فرقہ تخت خلافت پر قابض ہوجائے ' تو اُس صورت میں اور رو شرع مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیے ؟ اگر وہ اہل نہیں

ہے، عالم ہے، حاضر ہے، شرائط خلافت اُسمیں نہیں پائے جاتے ؟ تو اُسکی اطاعت کرنی چاہیے، اُس پر خروج کرنا چاہیے ؟ وہ سرتاً خلیفۃ المسلمین ہوسکتا ہے یا نہیں ؟ اُسکے واجب وہ تمام کام انجام پاسکتے ہیں یا نہیں جو اوروں شرع خلیفۂ اسلام کی موجودگی پر موقوف ہیں ؟ اُسکو زکوٰۃ دینی چاہیے ؟ اسکے پیچھے جمعہ پڑھنا چاہیے ؟ اسکے تمام احکام کی اطاعت کرنی چاہیے ؟

یہ مسئلہ امت کی اجتماعی زندگی کا بنیادی مسئلہ تھا، اور ممکن نہ تھا کہ شریعت اسکی پوری پوری تشریح و توضیح نہ کردیتی - اس بارے میں نصوص سنہ کے شمار اور بالکل واضح ہیں - اسی لیے جب خلافۂ راشدہ کے بعد بنو امیہ کی حکومت جبر و استبداد کے ساتھ قائم ہوئی، تو صحابۂ کرام کو اپنے طرز عمل کے فیصلے میں ذرا بھی تامل و تذبذب نہوا - بالکل اُس شخص کی طرح جو پہلے سے ایک خاص وقت کا سمجھا بوجھا منتظر ہو، فوراً یکسوئی کے ساتھ فیصلہ کرلیا - جو کچھ اُنھوں نے بتلایا اور کیا، اُسی پر اجماع امت کی مہر لگ گئی، اور تیرہ سو برس سے جمہور اہل اسلام کا وہی متفقہ اعتقاد و عمل قرار پاگیا - بلا شبہ پہلی صورت میں بعض اسلامی فرقوں کو اختلاف ہوا، مگر دوسری صورت میں قولاً و فعلاً سب متفق ہوگئے -

پہلی صورت میں شریعت نے اہلیت و صلاحیت کی وہ تمام شرائط اپنے انتہائی اور کامل مرتبہ میں قرار دی ہیں جو ایک ایسے مرکزی اور اہم ترین منصب کیلیے قدرتی طور پر ہونا چاہیئیں - کیا باعتبار قوت علمی کے - کیا بہ لحاظ قوت عملی کے - اور چونکہ یہ منصب متعدد حیثیتوں سے مرکب ہے، اسلیے ہر حیثیت کے لحاظ سے ضروری اوصاف بتلائے گئے - مثلاً اسلام، علم و بصر، عمل و تقوی، شجاعت و صولۃ، عدالۃ و ایثار، قدرت و نفوذ، طاقت و شوکت - چنانچہ تمام کتب عقائد میں صدیوں سے مسلمان پڑھتے پڑھاتے آے ہیں - " و یشترط ان یکون من اهل الولایۃ المطلقۃ الکاملۃ بان یکون مسلماً، حراً، ذکراً، عاقلاً، بالغاً، سائساً بقوۃ رائہ و رویتہ، و معونۃ باسہ و شوکتہ، قادراً بعلمہ و عدالتہ و کفایتہ و شجاعتہ علی تنفیذ الاحکام، و حفظ حدود الاسلام، و انصاف المظلوم من الظالم عند حدوث المظالم " الخ - کذا فی شرح المواقف، و النسفی، و التمہید، و شرح فقہ الاکبر للقاری، و شرح المقاصد - و من کتب المحدثین شرح عقیدہ ابن عقیل، و فتح الباری،

و شرح منظومۃ الاداب ' و خلاصہ ابن مفلح ' و نیل الاوطار ' و وبل المرام للشوکانی ' و الاقناع و شرحہ ' وغیرھم - یعنی ایسے شخص کو خلیفہ منتخب کرنا چاہیے جس میں حسب ذیل اوصاف پائے جائیں - مسلمان ہو ' آزاد ہو ' مرد ہو ' عاقل و بالغ ہو ' صاحب رائے و نظر ہو ' تدبر و انتظام کی پوری قوت رکھتا ہو ' احکام شریعت کا محافظ ہو ' انکے جاری و نافذ کرنے اور اسلامی ممالک کی حفاظت اور دشمنوں کی زک نہام کیلئے جسقدر علمی و عملی قوتوں کی ضرورت ہے ' وہ سب اُس میں موجود ہوں - اتباع شریعت ' عدل و انصاف ' شجاعت و ہمت ' شوکت و صولت ' ساری صفتیں ہونی چاہیئیں -

جس وقت تک خاندان عباسیہ کی خلافت باقی رہی ' یعنی خلافت خاندان قریش و عرب میں رہی (سنہ ۶۴۰ ھ مطابق سنہ ۱۲۴۳ ع - تک اور اس کے بعد بھی کچھ عرصہ تک برجہ بقاء خلافت عباسیۂ مصر) علماء اسلام کی ایک بڑی جماعت کا یہ خیال رہا کہ بموجب حدیث "ان ھذا الامر فی قریش" خلیفہ کو قرشی بھی ہونا چاہیے - یعنی اگر مسلمان خلیفہ مقرر کریں ' تو جہاں اور بہت سی باتیں اوسمیں ہونی چاہیئیں ' وہاں یہ بات بھی ہو کہ خاندان قریش میں سے ہو -

اسی طرح جماعت امامیہ اس طرف گئی کہ خلافت آئمۂ اہل بیت نبوۃ کیلئے منصوص ہے - اُنکے اعتقاد میں آنحضرۃ صلعم کے بعد حضرۃ علی علیہ السلام کو خلیفہ ہونا چاہیے تھا - اور اُنکے بعد اُنکی نسل کے آئمۂ عترۃ رضی اللہ عنہم کو -

زیدیہ اسطرف گئے کہ بنی فاطمہ یعنے تمام سادات مستحق خلافت ہیں - آئمۂ عترۃ کی خصوصیت ضروری نہیں - اور شرطوں کے ساتھ صرف اسقدر کافی ہے کہ امام سید یعنی بنی فاطمہ میں سے ہو -

لیکن دوسری صورت میں (یعنی اگر نظام شرعی کی جگہ ملکی قبضۂ وتسلط کی صورت پیدا ہوجائے ' اور جمہور کو انتخاب و نصب کا موقعہ نہ ملے ' تو اُس صورت میں از روے شرع مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیے ؟) سو اسکی نسبت چونکہ خود احادیث صحیحہ اور اجماع صحابۂ و عترۃ بالکل صاف صاف موجود تھا ' اسلیے تمام اُمت بلا اختلاف اس پر متفق ہوگئی کہ جب ایک مسلمان منصب خلافت پر قابض ہو جائے اور اُسکی حکومت جم جائے ' تو

هر مسلمان پر واجب هے کہ اُسی کو خلیفۂ اسلام تسلیم کرے ' اُسی کے سامنے گردن اطاعت جھکاے - بالکل اُسی طرح' جیسے ایک اہل و مستحق خلیفہ کے آگے جھکنا چاہیے - اطاعت و اعانت کی وہ تمام باتیں جو منصب خلافت کے شرعی حقوق میں سے ہیں ' ایسے خلیفہ کو حاصل ہوجاتی ہیں - اُس سے روگردانی کسی مسلمان کیلئے جائز نہیں - اُسکے مقابلے میں خروج اور دعوے کا حق کسی کو نہیں پہنچتا - اگرچہ کیسا ہی افضل اور جامع الشروط کیوں نہ ہو - جو کوئی ایسا کرے ' مسلمانوں پر واجب ہے کہ اُسکے مقابلے اور قتل میں خلیفہ کا ساتھ دیں - وہ شرعاً باغی ہے - اُسکو قتل کردینا چاہیے -

شریعت نے دوسری صورت میں یہ حکم کیوں دیا ؟ اسکی علت و مصلحت اسقدر واضح ہے کہ شرح و تفصیل کی حاجت نہیں - شریعت اور اُمت کا قائم و باقی رہنا حکومت کے وجود و قیام پر موقوف تھا - ساری باتیں شاخ ہیں - جز یہی مقام و منصب ہے - بس اسکے لیے ایک نظام شرعی مقرر کردیا گیا جو بہتر سے بہتر نظام ہوسکتا ہے - یعنی اسلامی حکومت کی بنیاد جمہور اور شوریٰ کے انتخاب پر رکھی - شخص' نسل ' نسلط ' اقتدار ' اور بادشاہی و ملوکی کو اسمیں دخل نہیں - ساتھ ہی اس منصب کی اہلیت کیلئے تمام ضروری شرطیں اور معنیں بھی بتلادیں کہ اپنا خلیفہ بناؤ تو ایسے شخص کو بناؤ - ایسے کو نہ بناؤ جو اُسکی اہلیت نہ رکھتا ہو - پھر پورے زور کے ساتھ اسکا بھی اعلان کردیا کہ لوگوں کو خود خلیفہ بننے اور امارت و سرداری حاصل کرنے کا خواہشمند نہ ہونا چاہیے - نہ دعویدار بنکر دوسروں سے لڑنا چاہیے - آنحضرۃ ہمیشہ اس عہد پر لوگوں سے بیعت لیتے " لا ننازع الا مر اہلہ " سرداری کا جو اہل ہوگا ' اسی پر سرداری چھوڑ دینگے - دیکھا اگر اس جھوٹے سے جملہ پر عمل کرے تو روے زمین کے سارے جھگڑے ختم ہوجائیں - امام بخاری نے کتاب الاحکام میں باب باندھا ہے " ما یکرہ من الحرص علی الامارۃ " (۱) اور

---

(۱) حق یہ ہے کہ بقول علامۂ ابن خلدون صحیح بخاری کی شرح و تفسیر کا قرض ابتک اُمت کے ذمہ باقی ہے - بے شمار شرحوں اور حاشیوں کے بعد بھی یہ قول ویسا ہی صحیح ہے' جیسا ابن خلدون کے عہد میں تھا - اس کتاب کے علوم و دقائق کا کوئی احاطہ نہ کرسکا - ہر کتاب ' ہر باب '

ابو موسیٰ کی روایت لائے ہیں جس میں آپ نے فرمایا : " انا لا نولی ہذا من سألہ ، ولا من حرص علیہ " جو شخص خود اس جنز کا طالب ہو یا اسکی حرص رکھتا ہو ، اسکو میں یہ کام سپرد نہ کرونگا - مقصود اس سے یہ تھا کہ جب لوگ خود طالب و حریص نہ کرینگے تو کشمکش اور معاملہ بھی نہ ہوگا ، اور امت کیلیے نہایت آسان ہوجائیگا کہ اہل و اصلح کو منتخب کرلے -

مسئلۂ خلافت کا اصلی نظام شرعی یہ تھا - اگر یہ قائم ہو تو دنیا امن و سکون کی بہشت بن جاے - لیکن چونکہ معلوم تھا کہ ابھی وہ وقت

[بقیہ دوت صفحہ ۴۵]

ابواب کی ہر ترتیب ، اور ہر ہر عنوان و ترجمہ ، اس ففیہ الارض و اعجونۃ الدھر کی فقاھۃ ربانی کی ایک آیۃ باھرۃ و حجۃ قاھرۃ ہے - اسی مسئلۂ خلافت کو سامنے لاؤ ، اور دیکھو ، کس دقت نظر کے ساتھ محض ترتیب ابواب ہی میں اسلام کا نظام شرعی واضح کردیا ہے اور ساری مشکلات حل کردی ہیں ؟ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اسلام کا نظام مرکزیۃ اس بارے میں کیا ہے ؟ تو پہلا باب " اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم " کا باندھا ، اور " من اطاع امیری فقد اطاعنی " الخ کی روایت درج کرکے بتلادیا کہ مرکز کتاب اللہ ہے ، رسول ہے ، اور پھر خلیفۂ و امام ہے - " اولوالامر " خلیفہ کے سوا کوئی نہیں - اسکی اطاعت (بشرطیکہ کوئی خلاف شرع حکم نہو) مثل خدا و رسول کی اطاعت کے فرض ہے - پھر باب باندھا " الامراء من قریش " اور اسمیں ابن جبیر والی روایت لائے " ما اقاموا الدین " جب تک قریش میں دین قائم رکھنے کی اہلیت رہیگی ، خلافت بھی انہی میں رہیگی - یعنی واضح کردیا کہ ایک خاص مدت تک قرشی خلافت کی پہلے سے خبر دیدی گئی ہے ، مگر خلیفہ کا قرشی ہونا کوئی شرط اصلی و تشریعی نہیں - صرف پیشین گوئی ہے اور " ما اقاموا الدین " کے ساتھ مشروط - اسکے بعد ایک نہایت ہی اہم اور دقیق نکتہ کی طرف متوجہ ہوے اور باب باندھا " اجر من قضی بالحکمۃ " افسوس اس باب کے ربط و ترتیب کی اصلی علت لوگ نہ سمجھے - منصب خلافت کے اثبات کے بعد یہ چیز سامنے آتی تھی کہ اعمال خلافت کی بنیاد کیا ہے ؟ اور اسکا طریق کس منہاج سے ماخوذ ہے ؟ امام صاحب واضح کرنا چاہتے ہیں کہ بنیاد اسکی طریق " حکمت " پر ہے - یعنی انبیاء کرام کے طریق تربیت امم پر جو " سنت " کا اصلی اور وسیع

نہیں آیا - یہ نظام بیس برس سے زیادہ قائم رہنے والا نہیں ' اسلئے شرع و ملت کی حفاظت کیلئے ضروری تھا کہ نظام اصلی پر زور دینے کے

[تسہیل ت صفحہ ۳۵]

مفہوم ہے ' اور جسکو قرآن حکیم اپنی اصطلاح میں " حکمت " سے تعبیر کرتا ہے - ترجمۂ باب میں اسپر قرآن سے دلیل بھی لے " و من لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الفاسقون " حکم و قضا " ما انزل اللہ " کے مطابق ہونا چاہیے - اگر خلاف ہو تو فسق ہے - " ما انزل اللہ " کتاب و سنت ہے : " یعلمھم الکتاب والحکمۃ " پس ثابت ہوا کہ اعمال خلافت کی بنیاد حکمت و منہاج نبوۃ پر ہونی چاہیے - اس بارے میں جو زیادہ واضح و مفصل احادیث ہیں ' وہ چونکہ اُنکی شروط کے مطابق نہیں لی جا سکتی تھیں ' اور بنیاد استدلال کی صرف مرفوع ہی پر رکھتے ہیں ' اسلئے آثار و موقوفات بھی نہیں لے سکتے ہیں ' پس مشہور حدیث " لا حسد الا فی اثنتین " الخ درج کرکے قضاء بالحکمۃ کی اہمیت و مطلوبیت واضح کردی - جب یہ مقدمات طے ہوچکے ' تو اب دکھلانا تھا کہ اس مرکز کی اطاعت کس طرح اُمت پر فرض کردی گئی ہے ؟ پس باب باندھا " السمع و الطاعۃ للامام مالم یکن معصیۃ " اُمت کا سننا اور اطاعت کرنا امام کے حقوق میں سے ہے - بجز اُس حکم کے کہ معصیت ہو - اسمیں وہ تمام حدیثیں لائے ہیں جنمیں صریح حکم موجود ہے کہ خلیفہ اہل ہو یا نا اہل ' جامع الشروط ہو یا فاقد الشروط ' عادل ہو یا جابر ' مکروہات کا حکم دے یا محبوبات کا ' جب تک وہ مسلمان ہے ' نماز قائم رکھتا ہے ' اُسکی اطاعت کرنی چاہیے - کسی مسلمان کیلیے اُسکی اطاعت سے باہر ہونا جائز نہیں - اسکے بعد بالترتیب تین باب آتے ہیں - " من لم یسأل الامارۃ أعانہ اللہ " دوسرا " من سأل الامارۃ وکل الیھا " تیسرا " ما یکرہ من الحرص علی الامارۃ " حاصل ان تینوں عنوانوں کا یہ ہے کہ جہاں شارع نے اُمت کو خلیفۂ و امام کی ضروری صفتیں اور شرطیں بتلا دی ہیں ' وہاں اِس سے بھی روکدیا ہے کہ کوئی شخص خود امامت و سرداری کا خواہاں ہو اور اسکے لیے مقابلہ کرے - حتی کہ عبد الرحمن بن سمرۃ سے کہا " جو اہل اور احق ہو ' اُسی کا ساتھ دو - خود اپنے لیے خواہاں نہ ہو - اگرچہ اسکے لیے قسم بھی توڑنی اور کفارہ بھی دینا پڑے " پس ان تمام ابواب کی یکے بعد دیگرے ترتیب سے واضح ہوگیا کہ اس بارے میں نظام شرعی کی اصلی ترتیب یہ ہے

ساتھہ اُن وفدوں کیلیے بھی صاف صاف احکام دیدیے جائیں ' جب انتخاب و نصب خلافت کے بارے میں شریعت کا ٹھہرایا ہوا طریقہ باقی نہ رہے ' اور جمہوری حکومت کی جگہ شخصی و استبدادی طریقہ قائم ہو جائے -

ظاہر ہے کہ اس صورت میں دو ہی راہیں سامنے آتی تھیں - اگر ایسے لوگونکی خلافت تسلیم کرلی جاے تو اس سے اُمت کی جمعیۃ ' جان و مال کا امن ' ممالک اسلامیہ کی حفاظت ' احکام شرع کا اجراء ' جماعت کا قیام و بقا ' اور اسیطرح کے بے شمار مصالح و فوائد حاصل ہو جائے ہیں ' کیونکہ بلا کسی

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۵)

(الف) اُمت کیلیے حسب نص " و اولی الامر منکم " مرکز اجتماع و جماعت خلیفہ کا وجود ہے - اسکی اطاعت فرض ہے -

(ب) خبر دیدی گئی تھی کہ جب تک عرب و قریش میں صلاحیت رہیگی ' خلافت پر قابض رہینگے - چنانچہ ایسا ہی ہوا -

(ج) بنیاد معاملۂ خلافت کی " حکمت " پر ہے - وہ حکمت کہ و یعلمھم الکتاب و الحکمۃ - نہ بیان نبوت ہے ' اور اعمال و سنہ نبوت ہی کا نام قرآن کی اصطلاح میں " حکمت " ہے - پس ضرور ہے کہ خلیفہ کے تمام کاموں کی بنیاد سنہ پر ہو - بدعۃ و احداث پر نہ ہو - یہی معنی خلافۃ علی منہاج النبوۃ ہیں -

(د) جب خلافت منعقد ہوگئی تو تمام امت پر اسکی اطاعت فرض ہے - فی ما احب و یکرہ ' ما لم یؤمر بمعصیۃ -

(ہ) امت کو چاہیے کہ احق و اہل کو منتخب کرے - لیکن مستحق کو نہ چاہیے کہ خود خلافت کی خواہش کرے - جس نے ایسا کیا ' اللہ کے حضور شرمندگی پائیگا - نتیجہ یہ نکلا کہ جب لوگ خود خواہش نہ کرینگے ' اور حق انتخاب جمہور کو ہے ' تو کسی طرح بھی کشمکش نہوگی - نہ بہت سے دعویداروں میں باہم جھگڑا ہوگا - امن و سکون کے ساتھہ یہ معاملہ انجام پا جائیگا -

یہ تھا صحیح نظام شرعی ' جسکے علم و فہم کیلیے صرف صحیح بخاری ہی کافی ہے ' اور اسلام کی کونسی حقیقت ہے جسکے لیے صحیح بخاری کافی نہیں ؟ لیکن افسوس کہ نظام شرعی قائم نہ رہا - مجلس شوریٰ کی جگہ میدان جنگ میں خلافت کا فیصلہ ہوا ' اور محض تسلط و جبر سے دعویدار قابض ہونے لگے - چنانچہ پہلے ہی سے اسکی خبر دیدی گئی تھی -

نزاع کے اسلامی حکومت قائم ہو جاتی ہے اور مرتد جنگ و جدال اور کشت و خون کا سدباب ہو جاتا ہے۔ مگر ساتھ ہی غیر مستحق کی خلافت اور غیر نظام شرعی کے قائم ہو جانے سے بہت سی خرابیاں بھی پیدا ہو جاتی ہیں۔

لیکن اگر خلافت تسلیم نہ کی جائے، اُس پر خروج کرنے کی اجازت دیدی جائے، اور اطاعت امت کا مستحق صرف اہل اور جامع الشروط خلیفہ ہی کو قرار دیا جائے، تو پھر دائمی کشت و خون، جنگ و قتال، دعوؤں میں تصادم، قوتوں میں تزاحم، ہمیشگی کی بد امنی، کبھی ختم نہ ہونے والی طوائف الملوکی اور انارکی، امت کی تباہی، ملکوں کی خرابی، نظام جماعت کا اختلال، احکام شرع کی تعطیل، مسلمانوں کے جان و مال کی بد امنی، اندرونی خانہ جنگی کی وجہ سے دشمنوں کا حملۂ و تسلط، اور اسی طرح کی بے شمار ہلاکتوں اور بربادیوں کا ہمیشہ کیلیے دروازہ کھل جاتا ہے۔ مگر ساتھ ہی اسکی امید بھی کی جاسکتی ہے کہ شاید ان بربادیوں کے بعد اصلی نظام خلافت قائم ہو جائے اور نا اہلوں کی جگہ کسی اہل اور جامع الشروط کو خلافت دلائی جاسکے۔

پہلی صورت میں مصلحت کا بقاؤ حصول، مگر خرابیوں کا امکان تھا۔

دوسری صورت میں خرابیوں کا وقوع، مگر مصالح کا امکان تھا۔

اسلام نے پہلی صورت اختیار کی، اور پوری قوت و اصرار کے ساتھ دوسری راہ مسدود کردی۔ یعنی مصالح کے امکان پر اُنکے وقوع کو ترجیح دی۔

کیا دنیا میں ایک عقل صحیح بھی ایسی ملسکتی ہے جو شریعت کے اس فیصلہ کو غلط بتلائے؟ اللہ کی شریعت کا اصل اصول جلب مصالح اور دفع مفاسد ہے۔ یعنے ہمیشہ فوائد حاصل کرنا اور مفاسد کو دور کرنا۔ اور جب مصالح کے ساتھ مفاسد بھی جمع ہو جائیں، تو جس راہ میں مصالح زیادہ ہوں اور خرابیاں کم، اُسیکو اختیار کرنا۔ تمام احکام کا محور یہی اصل ہے۔ پس اگر پہلی راہ اختیار کی جاتی اور خلیفہ کی اطاعت کیلیے خلیفہ کا جامع الشروط اور بطریق صحیح منتخب ہونا شرط قرار دیدیا جاتا، تو اسکا کیا نتیجہ نکلتا؟ نصب و انتخاب کیلیے نظام شرعی درہم برہم ہوچکا تھا۔ ہر دماغ میں حرص و دعوا، اور ہر ہاتھ میں تلوار تھی۔ یہی نتیجہ نکلتا کہ ایک عام طوائف الملوکی اور انارکی پھیل جاتی۔ ہر شخص یہ کہکر کہ خلیفہ اہل و مستحق نہیں ہے، بغاوت کیلیے اُٹھ کھڑا ہوتا۔ تمام امت

میں خون اور موت کی ریل پیل جاتی - شہروں کا کوئی محافظ نہ رہتا - آبادیوں کا کوئی حاکم نہ ہوتا - نہ مجرموں کو کوئی سزا دینے والا ' نہ ڈاکوؤں سے کوئی بچانے والا - زکواۃ کس کو دی جاتی ؟ جمعہ کون قائم رکھتا ؟ سرحدوں کی کون حفاظت کرتا ؟ تمام عالم اسلامی ایک دائمی خانہ جنگی و بد امنی میں مبتلا ہوجاتا - امن و نظم ہمیشہ کے لیے رخصت ہوجاتا - دشمنان اسلام ہرطرف سے اُمنڈ آتے - اُنکو روکنے کے لیے کوئی طاقت موجود نہ ہوتی - بس اگرچہ ایک نا اہل مسلمان کا خلیفہ ہوجانا برائی ہے ' لیکن اس سے بھی بڑھکر برائی یہ ہے کہ تمام ملک برباد ہوجاے - اسلام نے ملک و شرع کی حفاظت کو مقدم رکھا جو کلی مصالحت کا حکم رکھتی ہے ' اور نا اہل و فاقد الشروط کا تسلط گوارا کرلیا جس کا فساد جزئی فساد ہے -

فصل

(نصوص سنۃ و اجماع امت)

سب سے پہلے احادیث پر نظر ڈالنی چاہیے - اگر داعی اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نبوت کی صداقت کی اور کوئی دلیل نہ ہوتی ' تو صرف یہی ایک بات بس کرتی تھی کہ آنے والے واقعات کی تمام تفصیلات کس طرح اول روز ہی بتلادی گئیں ؟ اور ایک ایک جزئی حالت کا کیسا کامل نقشہ صدیوں پہلے کھینچ دیا گیا ؟ یہ معاملہ اسقدر یقینی اور ہرطرح کے شک و شبہ سے ما ورا ہے ' کہ اگر دنیا اس پر یقین لانے کیلیے طیار نہیں ' تو دنیا کے پاس ماضی کی جسقدر معلومات موجود ہیں اُن میں سے کوئی بات بھی یقینی نہیں ہوسکتی - نہ تو اس دنیا میں سکندر نامی کوئی پادشاہ گزرا ' نہ روما نامی کوئی سلطنت قائم ہوئی ' نہ ہم بیسویں صدی کے انسان اسکے لیے مجبور ہیں کہ نپولین کا وجود اور واٹر لو کی جنگ کا وقوع تسلیم کرلیں !

بہرحال احادیث کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام ہونے والے واقعات پیشتر سے معلوم تھے - ہر حالت اور ہر وقت کیلیے صاف صاف حکم دیدیا گیا تھا - احادیث کے اس حصہ کا نہایت دقت نظر کے ساتھ مطالعہ کرنا چاہیے - ہر دور کی خاص حالت ہے اور اسلیے اسی کے مطابق خاص حکم ہے -

سب سے پہلے وہ حدیثیں سامنے آتی ہیں جن میں خلافۂ خاصۂ و راشدہ کا ذکر کیا گیا ہے' اور چونکہ یہ خلافہ ٹھیک ٹھیک طریق نبوۃ و سنۃ پر قائم ہونے والی تھی' اسلیے امت کو وصیۃ کی ہے کہ نہ صرف اُنکی اطاعت کی جاے بلکہ اُنکے تمام اجماعی باتوں اور کاموں کو مثل اعمال نبوۃ کے " سنۃ " سمجھا جاے اور اُسکی پوری طرح پیروی و پاسی کی جاے -

چنانچہ مشہور حدیث عرباض بن ساریہ " قام فینا رسول اللہ صلعم ذات یوم ' موعظۃ موعظۃ بلیغۃ ' وجلت منہا القلوب و ذرفت منہا العیون' فقیل یارسول اللہ ! و عظتنا موعظۃ مودع فاعہد الینا بعہد - فقال علیکم بتقوی اللہ' و السمع و الطاعۃ و ان کان عبداً حبشیا ' و سترون من بعدی اختلافاً شدیدا ' فعلیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین المہدیین - عضوا علیہا بالنواجذ " (ابن ماجہ و ترمذی) اور حدیث " خیر القرون قرنی ' ثم یلونہم " الخ اور " اما طبقتی و طبقۃ اصحابی فاہل علم و ایمان " الخ رواہ النعیمی عن انس و امثالہا ' اسی قسم میں داخل ہیں -

خلاصہ انکا یہ ہے کہ آنحضرۃ (صلعم) نے خطبہ دیا اور فرمایا - میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ اللہ سے ڈرو' اپنے امام کا حکم سنو اور مانو اگرچہ وہ ایک حبشی غلام ہو - اور دیکھو ! میرے بعد بڑے سخت اختلافات پڑنے والے ہیں ' پس چاہیے کہ فتنوں سے بچو اور ہمیشہ میری سنت اور میرے بعد کے جانشینوں کی سنت پر کاربند رہو' اور اسکو اسطرح مضبوطی سے پکڑ لو جیسے کوئی شخص دانتوں سے کوئی چیز پکڑ لیتا ہے - اور فرمایا : بہتر زمانہ میرا ہے ' پھر وہ جو میرے بعد کا ہے - اور فرمایا : میرا اور میرے یاروں کا طبقہ علم اور ایمان کا طبقہ ہے - اسی طرح حضرت ابن مسعود کی حدیث " ما من نبی بعثہ اللہ فی امتہ قبلی ' الا کان لہ حواریون و اصحاب ' یاخذون بسنتہ و یقتدون بامرہ " الخ (مسلم) میں بھی اسی عہد خلافت کا ذکر کیا گیا ہے -

غرضکہ اس پہلے دور کیلیے دو حکم دیے گئے - ایک اطاعت کا ' دوسرا اقتداء اور پیروی کا -

لیکن اسکے بعد وہ حدیثیں سامنے آتی ہیں جن میں خلافت کے دوسرے دور کا ذکر کیا گیا ہے - اس دور میں پہلا حکم تو بدستور باقی رہا ' لیکن دوسرا حکم بالکل بدل گیا - یعنے اس دور کے خلفاء و سلاطین کی اطاعت کی

ذوردسی ھی وصیت کی جاتی ھے ' جیسے پہلے دور کیلیے کی گئی ھے ' لیکن اُنکے کاموں کی پیروی اور اقتداء کا حکم نہیں دیا جاتا ' بلکہ بتدریج ترک اقتداء و مخالفت کا حکم دیا جاتا ھے - اس سے صاف واضح ھو جاتا ھے کہ اس دور میں جو لوگ خلافت پر قابض و متسلط ھونگے ' اُنکی خلافت شریعت کے مطلوبہ نظام پر نہ ھوگی - نہ اُنکا چلن قرآن و سنت کے مطابق ھوگا - اُن میں اچھے بھی ھونگے - اور برے بھی - اسلیے امت کو اب صرف اطاعت کا اور اُنکی خلافت کے آگے سر جھکا دینے کا حکم دیا جاتا ھے - اُنکے طور طریقوں کی پیروی کرنے اور اُنکے کاموں کو شرعی کام سمجھہ لینے کا حکم نہیں دیا جاتا - بلکہ اس بات کی بھی وصیت کی جاتی ھے کہ جب وہ لوگ برائیاں پھیلائیں ' تو جس کی طاقت جہاں تک کام دے ' برائیوں کے روکنے کی پوری کوشش کرے - ھاتھہ سے کام لے - زبان کو حرکت میں لائے - یہ دونوں درجے نصیب نہ ھوں تو کم از کم دل ھی دل میں برائی کو برا سمجھے - " و ذلک اضعف الایمان " - لیکن برے کاموں کو اُنکی حکومت کے دباؤ سے اچھا نہ سمجھہ لے اور نہ اُن کا ساتھہ دے - " و لیس وراء ذلک من الایمان حبۃ خردل " (۱)

عن عبادہ بن الصامت - قال " بایعنا رسول اللہ صلعم علی السمع والطاعۃ في منشطنا و مکرھنا و عسرنا و یسرنا و اثرۃ علینا ' و ان لا ننازع الامر اھلہ ' الا ان تروا کفرا بواحا عندکم فیہ من اللہ برھان " متفق علیہ - عبادہ بن الصامت کہتے ھیں - ھم سے رسول اللہ (صلعم) نے اس بات پر بیعت لی

---

(۱) احادیث کا یہ حصہ نہایت اھم اور غور طلب ھے - مختلف حدیثوں میں مختلف دوروں اور لوگوں کا ذکر ھے ' اسلیے احکام بھی مختلف ھوے - اس نکتہ پر جسکی نظر نہ گئی وہ احکام و علائم کو مختلف و متضاد دیکھکر یا تو حیران رھگیا - یا سخت غلطیوں سے دوچار ھوا - عہد نبوۃ سے لیکر آخر تک مختلف دور آنے والے تھے - ھر دور کے خصائص و حالات دوسرے سے مختلف تھے - پس اُنکے احکام میں بھی اختلاف ضروری تھا پوری دقۃ نظر کے ساتھہ احادیث کا مطالعہ کرنا چاھیے - پہلے اُنکے باھمی مشترکات و مختلفات کو الگ الگ کردینا چاھیے - پھر ھر حدیث اور ھر حکم کو اُسکی صحیح جگہ دینی چاھیے - ایسا نہ کرنے سے لوگوں کو بڑی بڑی غلط فہمیاں ھوی ھیں -

کہ ہر حال اور ہر طرح کی زندگی میں امام کی اطاعت کرینگے - حکومت و سرداری کو اسکے کرنے والوں پر چھوڑ دینگے ' اور کبھی اس بارے میں کوئی

(بقیہ نوٹ صفحہ ۵۲)

بہتوں کو یہ لغزش ہوئی کہ " اطاعت " اور " اقتدا " کا فرق نہ سمجھے - جن حدیثوں میں " اقتدا " کی ممانعت بلکہ خلاف کرنے کا حکم پایا ' اُنکو منع اطاعت اور خوارج خروج پر محمول کرلیا - خوارج اور معتزلہ کے ایک گروہ کو یہی دھوکا ہوا - ایک دوسری جماعت نے یہ غلطی کی کہ حکم اطاعت کو عام مطلق سمجھ لیا ' اور منع اقتداء و تأسی اور وجوب امر بالمعروف نے جو تخصیص کردی تھی ' وہ اُنکی سمجھ میں نہ آئی - یعنی اس دھوکے میں پڑگئے کہ جب امراء و حکام کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے ' خواہ اُنکے اعمال کیسے ہی خراب ہوں ' تو پھر چاہیے کہ نہ کسی برائی پر ٹوکیں ' نہ منکرات کے خلاف جد و جہد کریں - ہر حال میں چپ چاپ بیٹھکر اطاعت کرتے رہیں - یہ جو صدیوں سے علماء و مشائخ نے اصحاب اقتدار کے خلاف امر بالمعروف یکقلم ترک کردیا ہے ' تو نفس خادع اُنکو بھی یہی دھوکا دے رہا ہے - بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ اطاعت نہ کرنے میں فتنہ ہے - ان لوگوں نے چونکہ " اطاعت " اور " اقتدا " کا فرق نہیں سمجھا ' اور دیکھا کہ پادشاہوں اور امیروں کو برائی پر ٹوکنے اور اُنکے خلاف حق کے اعلان میں بڑی بڑی مصیبتیں جھیلنی پڑتی ہیں ' اسلیے اس دھوکے میں پڑگئے کہ یہی مصائب فتنہ ہیں - پس اس فتنہ سے بچنا چاہیے - نتیجہ یہ نکلا کہ حق و باطل میں کوئی تمیز باقی نہ رہی - تمام زبانیں گونگی اور تمام دل مردہ ہوکر رہگئے -

حالانکہ دونوں جماعتوں نے ٹھوکر کھائی - دونوں نے حدیثوں کا صحیح مورد اور محل نہ سمجھا -

ایک صورت یہ ہے کہ مسلمان کسی کو اپنا قومی پادشاہ مان لیں ' اور ایک پادشاہ کی جیسی فرماں برداری رعایا کو کرنی چاہیے ' ٹھیک ٹھیک ویسی ہی فرماں برداری بجالائیں - کوئی بات ایسی نہ کریں جس سے ثابت ہو کہ اُسے اپنا حاکم نہیں سمجھتے - اسکا نام " اطاعت " ہے -

دوسری صورت یہ ہے کہ کسی انسان کو اپنے دینی و اخلاقی اعتقاد و عمل میں پیشوا مان لینا ' اور راستی و ہدایت کے اعتبار سے اُسکی

جھگڑا نہیں کرینگے- الا یہ کہ بالکل کھلا کھلا کفر امام سے ظاہر ہو- اور ایسی بات میں جسکےلیے اللہ کی کتاب میں حکم و دلیل موجود ہے- سو اُسوقت کسی

(بقیہ نوٹ صفحہ ۵۲)

زندگی کو اپنے لیے نمونہ بنالینا ' اور اُسکے قدم بقدم چلنے کی کوشش کرنا اسکا نام " اقتدا " اور " تأسی " ہے -

دونوں صورتیں الگ الگ ہیں - بلا شبہہ " اطاعت " ایک عام حالت ہے اور اس میں " اقتداء " کی حالت بھی داخل ہے ' لیکن " اقتداء " اطاعت سے زیادہ خاص ہے ' اور ضروری نہیں کہ ہر اطاعت اقتداء بھی ہو- احادیث میں خلفاء راشدین کی نسبت امت کو " اطاعت " اور " اقتداء " دونوں کا حکم دیا گیا ' لیکن بعد کے خلفاء و سلاطین کو صرف " اطاعت " کا مستحق بتلایا - " اقتداء " کا نہیں - کیونکہ معلوم تھا کہ اُنکے کام اچھے نہ ہونگے - شریعت و عدالت سے منحرف ہو جائینگے - اور چونکہ نظام جماعت کے قیام کے ساتھہ احکام کتاب و سنت اور عدل و صداقت کی حفاظت کا انتظام بھی ضروری تھا ' اسلیے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فرض ہر حال میں باقی رہا - یعنی حکم دیا گیا کہ ایسے وقتوں میں سلطان اسلام کو اپنا امام مانکر پوری پوری اطاعت کرو ' لیکن پادشاہ کی اطاعت کے یہ معنی نہیں کہ سفید کو سیاہ ' اور دن کو رات مان لو- حق حق ہے - باطل باطل - برائی جب دیکھو ' ٹوکو- ظلم جب کیا جاے ' روکو- اس کام میں ایک پادشاہ اور ایک مزدور' دونوں برابر ہیں - " لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق " قاعدۂ کلیہ ہے' اور و تواصوا بالحق و تواصوا بالصبر حکم عام و مطلق - کسی مخلوق کی ایسی اطاعت نہیں کی جا سکتی جس میں خالق کے حکم سے نافرمانی کرنی پڑے -

اور یہ جو جابجا کہا گیا کہ اطاعت نہ کرنے میں فتنہ ہے - تو یاد رہے کہ " اطاعت " نہ کرنے میں فتنہ ہے - نہ کہ " اقتداء " نہ کرنے میں ' اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں - یعنی خلیفۂ اسلام سے بغاوت نہ کرو- اسمیں جمعیت امت کیلیے بڑا ہی فتنہ ہے - یہ مطلب نہیں کہ برائی کی مخالفت اور حق کے اعلان میں فتنہ ہے - حق کا اعلان تو ہمیشہ اور ہر حال میں دنیا کیلیے نظم و امن ہے - وہ کبھی فتنہ نہیں ہوسکتا - اگر حق کی پکار فتنہ ہو جاے تو پھر نظام ہستی کس بنیاد پر قائم رہے ؟

و لو اتبع الحق اھوائھم' لفسدت السماوات و الارض و من فیھن ! (۲۳ : ۷۴)

کی اطاعت بھی اللہ کی اطاعت سے نہ روک سکیگی - یعنی جب تک امام سے صریح کفر نہ سرزد ہو' ہرحال میں اُسکی اطاعت واجب ہے -

" خیار ائمتکم الذین تحبونہم و یحبونکم ' و تصلون علیہم و یصلون علیکم ' و شرار ائمتکم الذین تبغضونہم و یبغضونکم ' و تلعنونہم و یلعنونکم" قال قلنا أولا ننابذ ہم عند ذلک ؟ قال " لا ' ما أقاموا فیکم الصلوۃ ' الا من ولی علیہ وال فراہ شیئاً من معصیۃ اللہ فلیکرہ ما یأتی من معصیۃ اللہ ' و لا ینزعن یداً من طاعۃ " رواہ احمد و مسلم -

و عن حذیفۃ أنہ (صلعم) قال " یکون بعدی أئمۃ لا یہتدون بہدی و لا یستنون بسنتی ' و سیقوم فیکم رجال قلوبہم قلوب الشیاطین فی جثمان انس" - قال قلت "کیف اصنع یا رسول اللہ ان أدرکت ذلک" ؟ قال " تسمع و تطیع و ان ضرب ظہرک و اخذ مالک فاسمع و اطع " رواہ مسلم و احمد -

یعنی فرمایا : تمہارے بہتر حاکم وہ ہیں کہ اُنکی محبت تمہارے دلوں میں ہو اور تمہاری اُنکے دلوں میں - تمہاری زبانوں سے اُنکے لیے رحمت کی دعا نکلے اور اُنکی زبانوں سے تمہارے لیے - اور بدترین حاکم وہ ہیں کہ تمہارے دلوں میں اُنکی دشمنی ہو' اور وہ تمہیں دشمن سمجھتے ہوں - تم اُن پر لعنت بھیجو - وہ تم پر - صحابہ نے عرض کیا - یا رسول اللہ ! کیا ایسے حاکموں سے ہم نہ جھگڑیں ؟ فرمایا نہیں - جب تک وہ تم میں نماز قائم رکھیں - اُنکی اطاعت ہی کرو - ہاں جو بات گناہ کی دیکھو اُسے پسند نکرو مگر امام کی طاعت سے ہاتھہ نہ کھینچو - نیز فرمایا - میرے بعد ایسے امام ہونگے جو میرا طور طریق چھوڑ دینگے - میری سنۃ پر نہیں چلینگے - عنقریب تم پر ایسے لوگ حکمراں ہونگے کہ اُنکا جسم تو انسانوں کا ہوگا مگر دل شیطان کا سا - راوی نے پوچھا - اگر ہمنے ایسا زمانہ پایا تو کیا کریں ؟ فرمایا - سنو اور اطاعت کرو - اگر وہ تمہاری پیٹھہ پر تازیانے لگائیں اور تمہارا مال چھین لیں ' جب بھی اُنکی سنو اور اطاعت کرو !

" ستکون بعدی اثرۃ و امور تنکرونہا " قالوا - فما تأ مرنا ؟ قال " تؤدون الحق الذی علیکم ' و تسألون اللہ الذی لکم " متفق علیہ عن ابن مسعود ' و اخرجہ ایضاً الحرث بن وہب و أوردہ الحافظ فی التلخیص ' و عن جابر بن عتیک مرفوعاً عند ابی داؤد بلفظ " سیاتیکم رکب مبغضون ' فاذا اتوکم فرحبوا بہم و خلوا بینہم و بین ما یبتغون - فان عدلوا ' فلا نفسہم ' و ان ظلموا ' فعلیہم "

و عن وائل بن حجر - قال سمعت رسول الله صلعم و رجل يساله - فقال - ارايت إن كان علينا امراء نمنعونا حقنا و يسألونا حقهم ؟ قال " اسمعوا و اطيعوا ' فانما عليهم ما حملوا ' و عليكم ما حملتم " (مسلم و الترمذي و صححه)

" على المرء المسلم السمع و الطاعة فيما أحب و كره ' الا ان يومر بمعصية ' فان امر بمعصية فلا سمع و لا طاعة " (شيخان و غيرهما عن ابن عمر)

سب کا خلاصہ وہی ہے جو اوپر گزرچکا - آخری روایت میں فرمایا - ایک مسلمان کا فرض ہے کہ خواہ گوارا ہو یا ناگوار ' مگر امام کا کہا سنے اور مانے - ہاں اگر وہ ایسا حکم دے جسکی تعمیل میں گناہ ہو ' تو پھر اُس حکم کو نہ تو سنناہے اور نہ ماننا -

بڑے سے بڑے مخلوق کی خاطر بھی خدا کا چھوٹا سے چھوٹا حکم نہیں ٹالا جا سکتا ' اور نہ مخلوق کی خاطر خالق سے نافرمانی کی جاسکتی ہے - یہ اسلام کا ' اور دراصل دنیا کی تمام سچی تعلیموں اور سچے انسانوں کا عالمگیر قاعدۂ کلیہ ہے -

اور یہی وجہ ہے کہ صدقات و زکواۃ و غیرہ مالیات کی ادائیگی کی نسبت حکم دیا گیا کہ اگرچہ وصول کرنے والے حکام ظالم و جابر ہوں ' یا بیت المال کا روپیہ ناجائز طور پر خرچ کر رہے ہوں ' لیکن اگر امام کی طرف سے مامور ہیں تو اُنکی اطاعت ہی کرنی چاہیے - جس شخص نے زکواۃ ایسے عامل کو دیدی ' اُسکی زکواۃ ادا ہوگئی - بلاشبہ قوم کو کوشش کرنی چاہیے کہ ایسے عامل معزول کیے جائیں - لیکن جب تک معزول نہیں ' نظام شریعت و حکومت کے قیام کیلیے ضروری ہے کہ اُنکے احکام کی تعمیل کی جاے - بشیر بن خصاصہ کی روایت میں ہے کہ لوگوں نے کہا " ان قوماً من اصحاب الصدقة يعتدون علينا " عمال صدقہ لیتے میں ہم پر ظلم کرتے ہیں - کیا حق سے زیادہ نہ دیتے میں اُنکا مقابلہ کریں ؟ فرمایا نہیں - (ابوداؤد) سعد بن وقاص کی روایت میں فرمایا " ادفعوا اليهم ما صلوا " ابن ابی شیبہ میں حضرۃ ابن عمر کی نسبت ہے کہ کسی نے کہا - زکواۃ کسے دیں ؟ کہا وقت کے حاکموں کو - سائل نے کہا " اذا يتخذون بها ثيابا و طيبا " وہ تو زکواۃ کا روپیہ اپنے کپڑوں اور زینت میں خرچ کرڈالتے ہیں - فرمایا " و ان " اگرچہ ایسا کرتے ہوں مگر زکواۃ اُنہی کو دو -

اسی بنا پر محدثین نے باب باندھا ہے " برآء رب المال بالدفع الی السلطان مع العدل و الجور " کما فی المنتقی - یعنی صاحب مال نے جب اپنی زکواۃ عمال کے حوالے کردی تو وہ شرعاً بری الذمہ ہوگئا اگرچہ وہ ظالم و جابر ہوں - اور اسی لیے جمہور فقہا کا بھی یہی مذہب قرار پایا کہ اگر حکام جور کو زکواۃ دیدی گئی تو ادا ہوگئی - آئمۂ اہل بیت و عترہ نے بھی قولاً و فعلاً اس سے اتفاق کیا جیسا کہ حضرۃ امام باقر (علیہ و علی آبائہ السلام) سے اصول میں منقول ہے - اور اسی لیے محققین امامیہ و فقہاء زیدیہ بھی اس فیصلہ میں جمہور کے ساتھ ہیں -

فصل

(اذا بویع الخلیفتین فاقتلوا اخرھما)

اگر ایک خلیفہ کی حکومت جم چکی ہے اور قائم ہے اور دوسرا مدعی کھڑا ہو ' تو اُسکا حکم یہ ہے کہ وہ باغی ہے - فرمایا اُسے قتل کردو - اُسکی زندگی تمام اُمت کے نظم و امن کیلیے فتنہ ہے - وہ امت میں پھوٹ ڈالنا اور جمے ہوے انتظام کو درہم برہم کردینا چاہتا ہے - والفتنۃ اشد من القتل -

عن عرفجۃ الاشجعی - قال : سمعت صلعم یقول " من أتاکم و امرکم جمیع علی رجل واحد ' یرید ان یشق عصاکم أو یفرق جماعتکم ' فاقتلوہ " (احمد و مسلم)

اسی لیے جمہور اہل اسلام نے اتفاق کیا کہ خلیفہ خواہ اہل ہو یا نا اہل ' لیکن اگر اسکی حکومت قائم ہے تو جو اُس پر خروج کرے ' اُسکا حکم باغی کا ہوگا اگرچہ کتنا ہی افضل اور جامع الشروط ہو - اُس سے لڑنا اور اُسکی جماعت کو قتل کرنا جائز ہے - بشرطیکہ تبلیغ و دعوۃ اور دفع شکوک کے بعد بھی باز نہ آے - ایک گروہ علماء نے کہا کہ نہ صرف جائز ہے بلکہ بحکم

فقاتلوا التی تبغی (۴۹ : ۹) واجب ہے - " و قد حکی فی البحر عن العترۃ جمیعاً ان جہادھم افضل من جہاد الکفار الی دیارھم ' اذ فعلھم فی دار الاسلام کفعل الفاحشۃ فی المسجد " (نیل الاوطار - جلد ۷ صفحہ ۸۰) یعنی تمام ائمۂ اہل بیت و عترۃ سے منقول ہے کہ ایسے باغیوں سے جہاد کرنا کفار پر حملہ کرنے سے بھی افضل ہے -

مصلحت و حکمت اس حکم کی ظاہر ہے - اگر اول روز ہی سے دعووں اور خروج کا دروازہ بند نہ کردیا جاتا ' تو کوئی بہتر سے بہتر اسلامی حکومت بھی خروج و شورش سے محفوظ نہ رہسکتی - ایک جامع الشروط خلیفہ کی موجودگی میں بھی صدہا دعویدار اُٹھہ کھڑے ہوتے اور کہتے کہ جمع شرائط و اہلیت میں ہم زیادہ احق و افضل ہیں - اوصاف و فضائل کا قطعی فیصلہ کرنا نہایت مشکل ہے ' اور نہ افضل و مفضول کے امتیاز کیلیے کوئی قطعی معیار ہوسکتا ہے- نتیجہ یہ نکلتا کہ ہمیشہ کشت و خون کا بازار گرم رہتا اور امت کا نظام جمعیت کبھی نہ سدھرتا - پس ناگزیر تھا کہ خلافت قائمہ کی موجودگی میں ہر طرح کے دعوے کو بغاوت و جرم قرار دیدیا جاے ' اور اسکے لیے ایسی سزا تجویز کی جاے جو سخت سے سخت سزا ہوسکتی ہے - یعنے قتل - ایک انسان کو قتل کردینا بہتر ہے - بمقابلۂ اسکے کہ ہزاروں انسان قتل ہوں - یہی وجہ ہے کہ حدیث میں حکم کی علت کی طرف واضح اشارہ کردیا گیا کہ " تریدون ان یشق عصا کم "

یہ مضمون مختلف الفاظ و اسناد سے صحاح میں مروی ہے - ہم نے صرف ایک روایت پر اختصاراً اکتفا کیا -

فصل

(اجماع امت و جمہور فقہاء و اعلام)

امراء بنو اُمیہ کی حکومت جبر و استبداد کے ساتھہ قائم ہوئی اور اُسوقت ایک جم غفیر صحابۂ کرام و ائمۂ اہل بیت نبوۃ کا موجود تھا - عہد عباسیہ کی بھی پانچ صدیاں گذرگئیں ' اور یہی زمانہ تمام علوم شرعیہ کی تدوین و ترتیب کا ہے - تمام آئمۂ اعلام اور فقہاء مذاہب اسی عہد میں پیدا ہوے اور عقائد و مسائل نے آخری ترتیب و تنظیم پائی - لیکن ان تمام عہدوں میں سب کا اتفاق اسی اعتقاد و عمل پر رہا - عقائد ضروریہ اور ارکان اربعہ کے بعد شاید ہی کسی اسلامی اعتقاد پر اس درجہ محکم و یقینی اجماع و تعامل امت ثابت کیا جاسکے -

صحابۂ کرام و ائمۂ تابعین کا حال معلوم ہے - مروان مدینہ کا گورنر تھا اور حضرت ابو ہریرہ مسجد نبوی میں مؤذن تھے - مروان کی عادت سے بد درجی کا یہ حال تھا کہ سورۂ فاتحہ کے بعد آمین کہنا اور مقتدیوں

کو شرکت کا موقعہ دینا بھی اسکی جلد باری پر نہایت شاق گزرتا تھا - سورہ فاتحہ ختم کرتے ہی بلا سکتہ کے قرأت شروع کردیتا حالانکہ احادیث میں آمین کہنے کی نہایت درجہ فضیلت وارد ہے " فمن وافق تامینہ تامین الملائکۃ غفر لہ ما تقدم من ذنبہ " (بخاری) ابو ہریرہ اس سے وعدہ لے لیتے " لا تفتنی بآمین " قرأت میں ایسی جلدی نہ مچائیو کہ میری آمین ضائع جائے ' لیکن نماز اُسی کے پیچھے پڑھتے اور اُسکی اطاعت سے انکار نہ کرتے - (بخاری)

لوگ اُنکی یاوہ گوئی سننا پسند نہیں کرتے تھے - اسلیے اکثر ایسا ہوتا کہ عید کے دن نماز کے بعد ہی مجمع منتشر ہو جاتا - خطبہ کا لوگ انتظار نہ کرتے - یہ حال دیکھکر مروان نے ایک مرتبہ چاہا - عید کے دن نماز سے پہلے خطبہ دیدے تا کہ نماز کے انتظار کی وجہ سے لوگوں کو مجبوراً خطبہ سننا پڑے - حالانکہ یہ صریح سنت کے خلاف تھا - سنۃ ثابتہ خطبۂ عید کے بارے میں یہی ہے کہ نماز پہلے ادا کی جائے - پھر خطبہ دیا جائے - صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ اسپر فوراً ایک شخص نے ٹوکا اور حضرت ابو سعید خدری نے " من رای منکم منکراً فلیغیرہ " الخ - والی روایت بیان کی -

ایسی بے شمار باتیں کی جاتی تھیں - صحابۂ کرام نہایت بے باکی سے امر بالمعروف کا فرض ادا کرتے اور ہمیشہ ٹوکتے - لیکن خلیفہ اُنہی کو مانتے اور اطاعت اُنہی کی کرتے - کسی صحابی نے بھی اطاعت سے پہلے اسکی جستجو نہ کی کہ خلیفہ میں ساری شرطیں خلافت کی پائی جاتی ہیں یا نہیں ؟ اگر اسکی جستجو کرتے تو سب سے پہلی شرط یعنی بطریق انتخاب شرعی و شوری منتخب ہونا ہی مفقود تھا - باقی شرطیں تو سب اسکے بعد کے دیکھنے اور جانچنے کی ہیں -

حضرۃ سید التابعین سعید بن المسیب کہا کرتے - بنی مروان انسانوں کو بھوکا مارتے ہیں اور رکتوں کو کھلاتے ہیں (۱) اور پھر اُنکے ہاتھوں ہر طرح کے مظالم و شدائد بھی سہتے ' مگر ساتھ ہی بہ حیثیت سلطان اسلام کے اطاعت بھی اُنہی کی کرتے -

مامون و معتصم کے عہد میں بدعت اعتزال اور قول بخلق قرآن کی وجہ سے ایک فتنۂ عظیم برپا ہوا - علماء سنۃ پر جو جو مظالم و شدائد ہوئے '

---

(۱) تذکرۃ الحفاظ امام ذہبی - ۱ : ۴۷ -

معلوم ہیں - حضرۃ امام احمد بن حنبل نے اسی کوڑوں کی ضرب اور برسوں تک قید خانے میں رہنا گوارا کرلیا ' اور مامون و معتصم کی دعوۃ بدعت کی پیروی نہ کی - لیکن اطاعت کا مستحق اُنہی کو سمجھا ' اور اپنے نامۂ وصیۃ میں لکھا تو یہی لکھا " والدعاء لائمۃ المسلمین بالصلاح ' ولا تخرج علیہم بالسیف ' ولا تقاتل ہم فی الفتنہ " کذا نقل عنہ ابن الجوزی فی سیرتہ -

حافظ عسقلانی نے ابن التین کا ایک قول نقل کیا ہے " قد اجمعوا انہ (ای الخلیفہ) اذا دعی الی کفر أو بدعۃ ' انہ یقام علیہ " یعنی علما نے اسپر اجماع کیا کہ اگر خلیفہ کفر اور بدعت کی طرف بلائے تو اسپر خروج کرنا چاہیے - پھر اس قول کی نسبت لکھتے ہیں " ما ادعاہ من الاجماع علی القیام فی ما اذا دعا الی البدعۃ ' مردود ' الا اذا حمل علی بدعۃ تؤدی الی صریح الکفر ' والا ' فقد دعا المامون والمعتصم والواثق الی بدعۃ القول بخلق القرآن و عاقبوا العلماء من اجلہا بالقتل والضرب والحبس وأنواع الاہانۃ ' ولم یقل أحد بوجوب الخروج علیہم بسبب ذالک ' و دام الامر بضع عشرۃ سنۃ حتی ولی المتوکل الخلافۃ فابطل المحنۃ " (فتح - ۱۳ : ۱۰۳) یعنی یہ جو ابن التین نے کہا کہ اگر خلیفہ بدعت کی طرف بلائے تو اسپر خروج کرنا جائز ہے اور اسپر اجماع ہوچکا ہے ' تو یہ قول مردود ہے - الا یہ کہ بدعت سے اسکا مقصود ایسی بدعت ہو جو صریح طور پر کفر تک پہنچ جاتی ہو - کیونکہ یہ معلوم ہے کہ مامون ' معتصم ' الواثق ' تینوں خلیفوں نے بدعت خلق قرآن کی طرف دعوت دی ' اور اسکی وجہ سے علماء سنۃ کو طرح طرح کے مصائب و شدائد جھیلنے پڑے - قتل ہوئے ' پیٹے گئے ' قید کیے گئے ' لیکن پھر بھی کسی نے اندر خروج واجب نہیں ٹھہرایا ' اور برابر انکی اطاعت کرتے رہے - حتی کہ تقریباً دس برس تک یہی حالت رہی - خلیفہ متوکل نے تخت نشین ہوکر اس مصیبت کو دور کیا - انتہی -

حقیقت یہ ہے کہ صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافت و اطاعت کے بارے میں جو کچھ فرمایا تھا ' عہد سلف کے مسلمانوں نے کرکے دکھلا دیا کہ اسکا اصلی مفہوم و مقصد کیا ہے ؟ وہ اپنے طرز عمل میں احکام خلافت کے ہر ٹکڑے اور ہر قسم کی ایک عملی تفسیر و شرح تھے - گذشتہ فصول میں اُن احادیث پر نظر ڈال چکے ہو جن میں آنے والے وقتوں کی نسبت اُمت کو احکام دیے گئے ہیں - خلافۃ راشدہ کا عہد فتنوں فسادوں سے محفوظ

تھا - لیکن اسکے بعد جو سلسلۂ خلافت شروع ہونے والا تھا ' وہ اپنے متضاد خصائص وحالات کی وجہ سے امت کیلیے ایک بڑی ہی سخت کشمکش اور ابتلا رکھتا تھا - وہ ایک ہی وقت میں سیاہ بھی تھا اور سفید بھی' نور بھی تھا اور ظلمت بھی' حق بھی تھا اور باطل بھی - حب و بغض ' ہجر و وصل' ترک و طلب' اطاعت و مخالفت' دونوں چیزیں ایک ہی وجود میں جمع ہوگئی تھیں' اور حکم شریعت یہ تھا کہ نہ یک وقت دونوں کو نبھاؤ' اور اپنی اپنی جگہوں پر دونوں باتیں نکالو - ایک طرف تو اسا رورز دیا گیا کہ وہ خلیفہ و امام ہیں - اسلیے واجب الاطاعت ہیں - جب تک کفر صریح ظاہر نہو' انکی فرمانبرداری سے منہ نہ موڑو - دوسری طرف یہ بھی کہدیا گیا کہ اُنکے اعمال اچھے نہ ہونگے - پس اطاعت کرو - مگر پیروی و اقتداء نہ کرو - برائیوں کی طرف نگائیں تو ہاتھ سے' زبان سے' دل کے اعتقاد سے' جس طرح بھی بن پڑے' پوری طرح مخالفت کرو اور اُنکے قہر و تسلط سے دب کر حق کا ساتھ نہ چھوڑو غور کرو ! معاملہ کسدرجہ کٹھن اور جذبات انسانی کیلیے کیسا پر ار امتحان تھا ؟

انسان ایک وقت میں ایک ہی حدیث کام میں لاسکتا ہے - یا محبت کریگا یا دشمنی - یا اطاعت کریگا یا نافرمانی - جسکو اطاعت کا مستحق سمجھیگا ' اسکی ہر بات اسکی نظروں میں محبوب ہوجائیگی - جسکو برا سمجھیگا ' اُسکی فرمانبرداری کبھی اُسکے نفس کو گوارا نہ ہوگی - لیکن یہ وہ منزل عمل تھی جس میں ایک ہی وجود ممدوح و مزموم اور محبوب و مبغوض' دونوں صورتیں رکھتا تھا - ایک ہی انسان کے آگے جھکنا بھی تھا ' اور پھر اُسی کے سامنے سرکشی بھی کرنی تھی - البتہ جھکنے کا موقعہ دوسرا تھا - سرکشی کی گھڑی دوسری - جذبات و عواطف کیلیے سخت آزمایش اسمیں آ پڑی تھی کہ ہر جذبہ اپنے صحیح موقعہ پر کام میں لایا جائے - ورنہ ذرا سی بے اعتدالی بھی سخت گمراہی و ہلاکت کا موجب ہوجاتی - اطاعت کیشی میں اگر بے اعتدالی ہوتی' تو وہ اقتداء اور تأسی ہوجاتی جسکا نتیجہ باطل پرستی اور حق سے انحراف تھا - عدم اقتداء اور امر بالمعروف میں اگر بے اعتدالی ہوتی ' تو وہ خروج و بغاوت تک پہنچادیتی' جسکا نتیجہ بد امنی و خونریزی ہوتا اور سخت معصیت و فسق کا وقوع - اس تبرہ سو برس میں کتنے ہی فتنے صرف اسی بے اعتدالی اور افراط و تفریط سے پیدا ہوئے - کتنوں ہی نے جوش حق پرستی میں

بغاوت و خروج کرکے جمعیت امت و استحکام خلافت کو نقصان پہنچایا ' اور کتنوں ہی نے افراط اطاعت کیشی میں حق کو باطل اور باطل کو حق بنا کر امت کا نظام حق و عدل درہم برہم کردیا -

دنیا میں کوئی قوم نہیں جسکے اجتماعی اعمال کی تاریخ میں کوئی ایسی نظیر مل سکے کہ اسنے سخت و نازک حکم پر عمل کیا گیا ہو' اور پوری کامیابی کے ساتھ اسکے دونوں پہلوؤں کو سنبھالا ہو- لیکن عہد صحابۂ و سلف کے مسلمانوں نے صدیوں تک عمل کرکے ثابت کردیا کہ سچائی اور اخلاق کی کوئی عملی مشکل ایسی نہیں جو پیروان اسلام کیلئے مشکل ہوسکے - انھوں نے نہ صرف اسپر عمل کیا ' بلکہ پوری کامیابی کے ساتھ اس اخلاقی امتحان سے عہدہ برا ہوکر نکلے - انھوں نے ایک ہی وقت میں دونوں متضاد عمل کر دکھلائے - اطاعت بھی کی اور مخالفت بھی - لیکن اطاعت اُسی بات میں کی جو مستحق اطاعت تھی ' اور مخالفت وہیں کی جہاں مخالفت کرنی تھی - " اطاعت " اور " اقتداء " کے اُس نازک فرق کو جسکو فلسفۂ اخلاق تری تری دفیقہ سنجیدوں کے بعد حل کرسکتا ہے ' انھوں نے اپنی عملی زندگی کی سادگی سے حل کر دکھایا ' اور دنیا پر ثابت کردیا کہ اخلاق کے فلسفہ کیلئے جو چیز سب سے زیادہ مشکل ہے ' وہی ایک مومن کے عمل کیلیے سب سے زیادہ آسان ہے !

قومی حکومت کی اطاعت اور فرماں برداری اس سے بڑھکر اور کیا ہوسکتی ہے جو صحابۂ و تابعین نے بنو امیہ کے امراء جور کی کی ؟ اور اُنکے بعد علماء سلف نے بنو عباس کے دعاۃ بدعت کی ؟ ہر طرح کے مظالم سہے' ہر طرح کی مصیبتیں جھیلیں ' قید کیے گئے ' دروں سے مارے گئے ' قتل ہوے ' مگر پھر بھی اطاعت سے باہر قدم نہ رکھا ' اور ہمیشہ یہی کہتے رہے " ینصب لکل غادر لواء یوم القیامۃ ' و نحن بائعنا ہم " وہ جو فرمایا تھا کہ " قید شبر " بالشت بھر بھی اطاعت سے الگ نہو ' سو واقعی ویسا ہی عمل کرکے دکھا دیا !

مگر ساتھ ہی استقامت حق اور امر بالمعروف و دعوۃ الی السنۃ کا بھی یہ حال تھا کہ نہ تو عبد الملک کی بے پناہ تلوار اسپر غالب آ سکتی تھی ' نہ حجاج کی خون آشامی ' اور نہ مامون و معتصم کی قہرمانیۂ - قدم جب اُٹھتا تھا تو حق کی طرف ' زبان جب کھلتی تھی تو سچائی کیلیے ' اور دل میں کسی کی گنجائش نہ تھی مگر عشق کتاب و سنۃ کی -

انھوں نے جس طرح اس حکم کی تعزیر کی کہ " تسمع و تطیع و ان ضرب ظہرک و اخذ مالک فاسمع و اطع " رواہ مسلم - ٹھیک ٹھیک اسی طرح اس فرمان کی بھی کی کہ " فان امر بمعصیۃ فلا سمع و لا طاعۃ " اور " من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ و ان لم یستطع فبقلبہ و ذلک اضعف الایمان " رواہ مسلم -

حضرۃ امام احمد بن حنبل کی پیٹھ پر تو جلاد تازیانے مار رہے تھے - خود المعتصم سر پر کھڑا تھا - تمام پیٹھ سے خون کے فوارے بہہ رہے تھے - اور یہ سب کچھ صرف اتنی بات کیلیے ہو رہا تھا کہ قرآن کی نسبت ایک ایسے سوال کا جواب دیدیں جسکا جواب اللہ کے رسول اور اُسکے یاروں نے نہیں دیا ہے اور نہ دینے کا حکم دیا ہے - وہ سب کچھ سہہ رہے تھے مگر جواب نہیں دیتے تھے - اگر کوئی صدا نکلتی بھی تھی تو یہی نکلتی " اعطونی شیئاً من کتاب اللہ او سنۃ رسولہ حتی اقول " ارے مارنے سے کیا ہوتا ہے ؟ اللہ کی کتاب اور اسکے رسول کی سنت سے ثابت کر دکھاؤ تو اقرار کرلوں - اسکے سوا اور کوئی چیز نہیں ہے جسکے آگے اقتداؤ اتباع کا سر جھک سکے -

ما قصۂ سکندر و دارا نہ خواندہ ایم
از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس !

فصل

(سنی اور شیعہ دونوں متفق ہیں)

اسی طرح تمام آئمۂ اہلبیت کا زمانہ خلفاء بنو اُمیۂ و عباسیہ کے عہدوں میں گزرا - یہ معلوم ہے کہ وہ خلافت کا مستحق صرف اپنے ہی کو یقین کرتے تھے نہ کہ بنو اُمیۂ و عباسیہ کو - تاہم ہمہ کسی نے بھی اُنکے خلاف خروج نہ کیا اور نہ اطاعت سے انکار کیا - سب اسی پر متفق ہوے کہ حکومت اُنکی قائم ہوچکی ہے ' اسلیے سلطان وقت وہی ہیں -

خاندان اہل بیت میں سے جس کسی نے خروج کیا ' آئمہ نے برابر اپنی مخالفت اُن سے ظاہر کی - جیساکہ حضرت زید کے خروج اور امام جعفر صادق علیہ السلام کے انکار سے ثابت و معلوم ہے -

حضرۃ امام علی رضا کو مامون الرشید نے اپنا ولی عہد قرار دیا - امام موصوف نے ولی عہدی قبول کرلی - یعنے تسلیم کرلیا کہ مامون خلیفہ ہے ' اور اُسکو اپنے استخلاف اور ولی عہدی کا حق پہنچتا ہے - اگر وہ خود خلیفہ نہ تھا تو دوسرے کو ولی عہدی کیونکر مل سکتی تھی ؟

آئمۂ اہل بیت کی پوری تاریخ میں ایک واقعہ بھی موجود نہیں کہ انھوں نے لوگوں کو بنو اُمیۂ و عباسیہ کی اطاعت سے روکا ہو - برخلاف اسکے کتب حدیث امامیہ (مثلاً اصول کافی وغیرہ) میں ایسی تصریحات موجود ہیں کہ با وجود اظہار استحقاق خود و شکوۂ غصب و تعدی ' عدم اطاعت و حکم خروج سے ہمیشہ مانع رہے -

سب سے زیادہ قاطع اور فیصلہ کن اسوۂ حسنہ اس بارے میں خود حضرۃ علی علیہ السلام کا ہے - حضرات امامیہ انکی خلافت کو منصوص تسلیم کرتے ہیں ' اور کہتے ہیں کہ انکی موجودگی میں اور کوئی جائز خلیفہ نہیں ہوسکتا تھا - با اس ہمہ ظاہر ہے کہ یکے بعد دیگرے تین خلیفہ ہوے ' اور حضرۃ علی نے نہ تو خروج کیا ' نہ بیعت سے انکار کیا ' نہ علیحدگی اختیار کی - متصل بیس برس تک اُنکا یہی طرز عمل قائم رہا - اس سے بڑھکر قاطع و فاصل دلیل اس بات کیلیے اور کیا ہوسکتی ہے کہ جب امت ایک سلطان پر مجتمع ہو جاے ' تو پھر کسی طرح بھی اسکی مخالفت جائز نہیں - اور اسکی اطاعت کرنا ہر فرد پر واجب ہے ؟ جب ایک خلیفۂ و امام منصوص من اللہ کیلیے انکار جائز نہ تھا ' تو عامۂ امت کیلیے کب جائز ہوسکتا ہے ؟

غرضکہ اس بارے میں اہل سنت و امامیہ دونوں متفق ہیں -

یہیں سے یہ حقیقت بھی واضح ہوگئی کہ حضرات امامیہ اور اہل سنت میں مسئلۂ خلافۃ کی نسبت جو مشہور اختلاف ہے ' وہ صرف پہلی صورت میں ہے ' نہ کہ دوسری صورت میں - یعنی اس بارے میں ہے کہ اگر امت خلیفہ ؤ امام منتخب کرے تو کس کو اور کیسے کو منتخب کرے ؟ شیعہ کہتے ہیں کہ اسکا استحقاق صرف آئمۂ اہل بیت کو ہے - وہی امام ہوسکتے ہیں - اہل سنۃ کہتے ہیں کہ یہ شرط ضروری نہیں :

لیکن اگر اصلی نظام باقی نہ رہا ہو اور غلبۂ و تسلط سے کوئی شخص اسلام کی مرکزی سلطنت پر قابض ہوگیا ہو ' تو اُسکی اطاعت پر جسطرح

اهل سنه کی تمام جماعتیں متفق هیں، ٹھیک اُسی طرح شیعه بھی متفق هیں۔ اهل سنه کے نزدیک خلافه کی تمام شرطیں صرف خلفاء راشدین هی میں جمع تھیں اور اُنہی کا انتخاب صحیح نظام شرعی کے مطابق هوا - اُنکے بعد پھر نه هوا - امامیه کے نزدیک ابتدا هی سے نه هوا - لیکن اطاعت دونوں عہدوں میں اهل سنه نے بھی ضروری قرار دی - شیعوں نے بھی ضروری قرار دی - نتیجه یه نکلا که ایک قائم و دائم اسلامی سلطنت کی اطاعت پر سنی و شیعه، دونوں متفق هیں - یہی حال زیدیه وغیرہ فرقوں کا هے -

فصل

(بعض کتب مشہورۂ عقائد و فقه)

تمام اسلامی مدرسوں میں صدیوں سے جو کتابیں پڑھی پڑھائی جا رهی هیں، ان میں سے بعض کی عبارتیں هم نقل کرینگے :

شرح مقاصد میں هے : " و اما اذا لم یوجد من یصلح ذالک ، او لم یقدر علی نصبه لاستیلاء اهل الباطل و شوکة الظلمة و ارباب الضلال ، فلا کلام فی جواز تقلید القضاء و تنفیذ الاحکام و اقامة الحدود و جمیع ما یتعلق بالامام من کل ذی شوکة " اور شروط امامة بیان کرکے لکھتے هیں " نعم، اذا لم یقدر علی اعتبار الشرائط ، جاز الابتداء للاحکام المتعلقة بالامامة علی کل ذی شوکة یقتدر، بغلبه او استیلی " اور اُسی میں هے " فان لم یوجد من قریش من یجمع الصفات المعتبرة ، ولی کنانی، فان لم یوجد ، فرجل من ولد اسماعیل ، فان لم یوجد فرجل من العجم " -

مرقات شرح مشکوٰة میں هے " و اما الخروج علیهم و قتالهم ، فمحرم و ان کانوا فسقة ظالمین " اور حدیث " من اتاکم و امرکم جمیع علی رجل واحد " کی شرح میں لکھتے هیں " ای له اهلیة الخلافة ، او التسلط و الغلبه " -

شامی میں هے " و یثبت عقد الامامة اما باستخلاف الخلیفة ایاه کما فعل ابوبکر ، و اما ببیعة جماعة من العلماء او من اهل الرای "

مسامرة میں ہے " و المتغلب یصح منه هذه الامور (ای ولایة القضاء و الامارة و الحکم و الاستفتاء و نحوها) للضرورة ' و صار الحال عند التغلب کما لم یوجد قرشی عدل ' او وجد و لم یقدر (ای لم توجد قدرة علی توئیده لغلبة الجورة) ان یحکم فی کل من الصورتین بصحة ولایة من لیس بقرشی و من لیس بعدل للضرورة "

اور شرح مواقف میں امامت کی شرطیں بیان کرتے لکھتے ہیں ' " لکن للامة ان ینصبوا واحدا ' دفعا للمفاسد التی تندفع بنصبه " (٦١٤)

سب سے زیادہ مشرح بحث حافظ عسقلانی نے فتح الباری میں کی ہے : " و قد اجمع الفقهاء علی وجوب طاعة السلطان المتغلب و الجهاد معه ' و ان طاعته خیر من الخروج علیه لما فی ذلک من حقن الدماء و تسکین الدهماء ' و لم یستثنوا من ذلک الا اذا وقع من السلطان الکفر الصریح ' فلا یجوز طاعته فی ذلک بل یجب مجاهدته لمن قدر علیها کما فی الحدیث " (جلد ١٣ : ٧)

اور روایت حذیفه " فاعتزل تلک الفرق کلها " الخ مندرجۂ کتاب الفتن کی شرح میں لکھتے ہیں " قال ابن بطال : فیه حجة لجماعة الفقهاء فی وجوب لزوم جماعة المسلمین و ترک الخروج علی ائمة الجور ' لانه وصف الطائفة الاخیرة بانهم دعاة علی ابواب جهنم ' مع ذالک امر بلزوم الجماعة " (١٣ : ٢١)

اور حدیث " اسمعوا و اطیعوا و ان استعمل علیکم عبد حبشی " کی شرح میں لکھتے ہیں " و اما لو تغلب عبد حقیقة بطریق الشوکة ' فان طاعته تجب اخماداً للفتنة " (١٣ ' ١٠٩)

حافظ نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں " و هذه الاحادیث فی الحث علی السمع و الطاعة فی جمیع الاحوال ' و سببها اجتماع کلمة المسلمین ' فان الخلاف سبب لفساد احوالهم فی دینهم و دنیاهم - و قوله صلعم ' و ان کان عبد مجدع الاطراف - یعنی مقطوعها ' و المراد اخس العبید - اے اسمع و اطیع للامیر و ان کان دنی النسب * * * * * و یتصور امارة العبد اذ ولاه بعض الائمة ' او یغلب علی البلاد بشوکته " الخ - (جلد ٢ : ١٢٥)

اور قاضی شوکانی درر البهیة میں لکھتے ہیں " و طاعة الائمة واجبة الا فی معصیة الله ' و لا یجوز الخروج علیهم ما اقاموا الصلوة " (شرح درر : ٤١٤)

[illegible] خلافت [illegible]
خرج [illegible] حرب وقتال "

[illegible] میں ایک مفصل اور دقیق بحث مسئلۂ خلافت و
حقیقت خلافت پر کرتے ہوئے (جس سے بڑھکر اور جامع بحث شاید ہی
کسی دوسری جگہ ملسکے) لکھتے ہیں " [illegible] حرام ست خروج بر سلطان
بعد از آن کہ مسلمان بر وے جمع شدند مگر آنکہ کفر بوح ظاہر وے دیدہ شود
اگرچہ آں سلطان مستجمع شرائط باشد و این مضمون متواتر بالمعنی ست"
جلد - ۱ ، ۱۳۷)

حاصل ان تمام عبارتوں کا وہی ہے جو اوپر گزر چکا - یعنی ہر زمانے میں
امت کیلئے ایک خلیفہ ہونا چاہیے جو صاحب طاقت و اقتدار ہو - اگر
امت متعدد ہو تو اسکے لیے فلاں فلاں شرطیں ہیں - لیکن اگر کسی
مسلمان کی حکومت قائم ہوگئی ہے اور وہی صاحب اقتدار و شوکت ہے تو
اسی کو خلیفہ ماننا چاہیے - خواہ تمام شرطیں اسمیں پائی جائیں یا
نہ پائی جائیں - قرشی ہو یا غیر قرشی ، عالم ہو یا جاہل ، عالی خاندان
ہو یا ادنی النسب ، حتی کہ ایک حبشی غلام ہی کیوں نہو ، لیکن اسکی
اطاعت و حمایت ہر مسلمان پر واجب ہے - جب تک کفر صریح اس سے
ظاہر نہو - لیکن اگر ایسا ہوا ، تو پھر نہ بیعت قائم رہی نہ عہد اطاعت
باقی رہا - اس حالت میں مسلمانوں پر واجب ہو جائیگا کہ اسکا مقابلہ
کریں - جو شخص مقابلہ کی طاقت اپنے میں نہ دیکھے ، وہ اسکے ملک سے
ہجرت کر جائے - " ومن قام علی ذلک فلہ الثواب - ومن داھن ، فعلیہ
الاثم - ومن عجز ، وجب علیہ الھجرۃ من ذلک الارض " کذا فی الفتح
(۱۳ : ۱۰۹)

فتح الباری کی اس عبارت سے ضمناً یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ
جس ملک میں کفار کی سلطنت قائم ہو جائے ، وہاں مسلمانوں کو خروج
کرنا چاہیے ، اور حق کے اظہار و اعلان میں کسی طرح کی مداہنت گوارا
نہ کرنی چاہیے - لیکن اگر اسکی طاقت اپنے اندر نہ دیکھیں ، تو پھر اس
ملک سے ہجرت کر جائیں - یعنی یہ کسی حال میں جائز نہیں کہ تسلط
کفر پر قانع و رضامند ہوکر زندگی بسر کریں -

فصل

(من حمل علينا السلاح فليس منا)

سورۂ نساء میں ہے

ومن یقتل مؤمناً متعمداً فجزآؤہ جہنم خالداً فیہا وغضب اللہ علیہ ولعنہ واعدلہ عذاباً عظیما - (۴ ۹۵)

جو مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو جان بوجھکر قتل کرڈالے تو اسکی سزا دوزخ کی ہمیشگی ہے ' اللہ کا غضب ہے ' اسکی پھٹکار ہے ' اور بڑا ہی دردناک عذاب ہے جو اسونکے لیے طیار ہوچکا ہے -

یہ آیت اس بارے میں نص قطعی و ظاہر ہے کہ جو مسلمان دانستہ بلا کسی حق شرعی کے دوسرے مسلمان کو قتل کرے ' وہ دوزخ میں ڈالا جائیگا ' اللہ کے غضب و لعنت کا مورد ہوگا ' اور عذاب الیم کا مستحق -

بخاری و مسلم میں ہے " سباب المسلم فسوق و قتالہ کفر " (و رواہ الترمذی و صححہ ولفظہ " قتال المسلم اخاہ کفر و سبابہ فسوق ") یعنی مسلمان کو دشنام دینا فسق ہے اور اُس سے لڑائی لڑنا کفر -

آنحضرۃ نے آخری حج کے موقعہ پر جو یادگار عالم خطبہ دیا تھا ' اور جو خطبۂ حجۃ الوداع کے نام سے مشہور ہے ' اسمیں ہمیشہ کیلیے تمام امت کو وصیت فرمائی " لا ترجعوا (وفی روایۃ لا ترجعون) بعدی کفارا یضرب بعضکم رقاب بعض " (بخاری) میرے بعد کافروں کی طرح نہ ہوجانا کہ تم میں سے ایک دوسرے کی گردن اڑائے -

اور بخاری میں حضرۃ ابو ہریرہ سے مروی ہے " لایشیر احدکم علی اخیہ بالسلاح فانہ لا یدری لعل الشیطان ینزغ فی یدہ (و فی روایۃ ینزع بالعین) فیقع فی حفرۃ من النار " (و ایضاً اخرجہ مسلم عن ابن رافع ' و ابو نعیم فی المستخرج من مسند ابن راھویہ) یعنی فرمایا : کبھی اپنے بھائی مسلمان کی طرف ہتھیار سے اشارہ نہ کیا کرو - ممکن ہے کہ ہتھیار لگ جائے اور تم جہنم کے گڑھے میں گر پڑو - یعنی اگر اشارہ کرنے میں تلوار کام کرگئی اور مسلمان کا خون ہوگیا ' تو ایک ایسے فعل کا ارتکاب ہوجائیگا جسکی پاداش عذاب جہنم ہے -

اور ابن ابی شیبہ نے ابو ہریرہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے " الملائکۃ تلعن أحدکم اذا أشار الی الآخر بحدیدۃ وان کان أخاہ لابیہ وامہ " اور امام ترمذی نے ایک دوسری اسناد سے موقوفاً روایت کیا ہے "من اشار الی اخیہ بحدیدۃ لعنہ اللہ الملائکۃ " (قال حسن صحیح غریب - وکذا صححہ ابوحاتم من ہذا الوجہ) یعنی فرمایا - جب کبھی کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کی طرف ہتھیار سے اشارہ کرتا ہے تو فرشتے اسپر لعنت بھیجتے ہیں - فتح الباری میں ہے " قال ابن العربی اذا استحق الذی یشیر بالحدیدۃ اللعن ' فکیف الذی یصیب بہا ؟ وانما استحق اللعن اذا کانت اشارتہ تہدیداً ' سواء کان جادا أم لاعباً " (جلد ۱۳ ۲۱) یعنے ابن العربی نے کہا : جب صرف ہتھیار اُٹھاکر اشارہ کرنے کی نسبت ایسی شدید وعید آئی کہ فرشتے لعنت بھیجتے ہیں' تو اُس بد بخت کا کیا حال ہوگا جو صرف اشارہ ہی نہ کرے' بلکہ سچ مچ اپنے ہتھیار سے ایک مسلمان کو قتل کر ڈالے ؟ اور یہ جو فرمایا کہ اشارہ کرنے والا مستحق لعنت ہوتا ہے' تو اس سے مقصود وہی شخص ہوگا جو ڈرانے کیلیے ایسا کرے - خواہ غصہ سے ہو خواہ ہنسی سے - انتہی - اس سے معلوم ہوا کہ اگر ہنسی دل لگی سے بھی کوئی شخص ہتھیار اُٹھاکر کسی مسلمان کو ڈرائے' تو وہ لعنت کا مستحق ہوگا - یعنی کسی حال میں بھی یہ بات مسلمانوں کیلیے جائز نہیں - اور یہ فعل اسدرجہ شریعت کے نزدیک مبغوض ہے کہ اُسکی ہنسی دل لگی بھی لعنت کا موجب ٹھہری !

حضرۃ عبد اللہ بن عمر سے مرفوعاً مروی ہے " زوال الدنیا کلہا اہون علی اللہ من قتل رجل مسلم " (اخرجہ الترمذی و قال حدیث حسن ' و اخرجہ النسائی بلفظ " لقتل المومن اعظم عند اللہ من زوال الدنیا ") یعنی آنحضرۃ نے فرمایا - اللہ کی نظروں میں تمام دنیا کے زائل ہوجانے سے بھی بڑھکر جو چیز ہے ' وہ ایک مسلمان کا قتل ہونا ہے - اور اسی بنا پر فرمایا " اول ما یقضی بین الناس فی الدماء " (رواہ البخاری عن ابن مسعود و زاد مسلم " فی یوم القیامۃ ") قیامت کے دن سب سے پہلے جس معاملہ کا فیصلہ چکایا جائیگا وہ انسان کا خون ہے - (۱)

---

(۱) یہاں یہ شبہ وارد نہو کہ یہ حدیث محاسبۂ صلوات کی مشہور حدیث سے معارض ہے ' کیونکہ نماز کی نسبت قضاء کا لفظ نہیں آیا ہے - حساب کا آیا ہے - بخاری کی روایت میں ہے " اول ما یحاسب بہ المرء

حضرت عبد اللہ بن عمر کے سامنے جب ایک سائل لایا گیا تو آپ نے فرمایا "تزود من الماء الدنیا فانک لن تدخل الجنۃ" (روز المحشر) اس پتھر سے تو اچھی طرح تھوڑے پانی کی طہارت کر لے کیونکہ تیرا ٹھکانا دوزخ ہے تو اندر جنت میں نہ جائیگا۔

حقیقت یہ ہے کہ ایک مسلمان کے لئے شرک کے بعد اس سے بڑھکر اور کوئی کفر نہیں ہوسکتا کہ اسے مسلمان بھائی کے خون سے ہاتھ رنگین کرے۔

(بقیہ نوٹ صفحہ ۶۵)

صلاتہ" قیامت میں سب سے پہلے آدمی سے جس عمل کا حساب لیا جائیگا وہ نماز ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جن کاموں میں محاسبہ ہوتا ہے ان میں سب سے پہلے کام نماز ہے۔ لیکن جن کاموں میں فیصلہ چکایا جائیگا ان میں سب سے پہلا معاملہ خون کا ہوگا۔ پس دونوں میں کوئی تعارض نہیں۔ چنانچہ نسائی نے یہ دونوں ٹکڑے ایک ہی متن و اسناد سے روایت کیے ہیں "اول ما یحاسب بہ العبد الصلاۃ" و اول ما یقضی بین الناس فی الدماء" امام بخاری نے مندرجہ میں حدیث ابن مسعود سے بہ طریق اعمش عن ابی وائل روایت کی ہے اور منجملہ الاثبات بخاری کے ہے۔ نسائی بھی یہ روایت ابو وائل ہی کے طریق سے لائے ہیں۔ پس سنداً و متناً روایت ایک ہی ہوئی۔ باقی رہا محاسبہ و قضاء کا فرق تو وہ بالکل ظاہر ہے۔ بعض اعمال انسان کی ذات خاص سے تعلق رکھتے ہیں۔ بعض دوسروں کے حقوق سے۔ شریعت نے اسی فرق کو حقوق اللہ اور حقوق العباد سے تعبیر کیا ہے۔ پہلی قسم کے کاموں میں قضاء اور فیصلہ کی ضرورت نہیں کیونکہ ہر شخص کی ذات خاص سے تعلق رکھتے ہیں۔ کوئی دوسرا نفس مدعی نہیں ہوتا۔ البتہ پرسش ہو سکتی ہے کہ وہ فرائض انجام دئے گئے یا نہیں؟ لیکن دوسری قسم کے لئے پرسش کافی نہیں۔ فیصلہ چکانے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ وہ ایسے کام ہیں جن میں دوسروں کے حقوق تلف ہوئے ہیں اور وہ بہ حیثیت مدعی کے کھڑے ہونگے۔ نماز پہلی قسم کے اعمال میں سب سے زیادہ اہم ہے، اور قتل نفس کا معاملہ دوسری قسم میں سب سے زیادہ اہم۔ پس جب حساب ہوگا تو سب سے پہلے نماز کی نسبت پوچھا جائیگا، اور جب فیصلہ چکایا جائیگا تو سب سے پہلے قتل نفس کا معاملہ پیش ہوگا۔

[illegible] کے مسلمانوں کی [illegible] ترغیب دی [illegible] ترغیب
دی ہے - یہی نہیں مسلمان شرعی رشتہ دوسرے مسلمان سے [illegible]
رشتہ ہے وصلحکم الاخوۃ اخوۃ (۴۹ : ۱۰) انما المؤمنون اخوۃ فاصلحوا
بین اخویکم (۴۹ : ۱۰) مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں - پس اپنے
بھائیوں میں میل جول رکھو اور صلح کراؤ - مسلمانوں کی قومی وحدت کا
مقدمہ - ذالک بانہم لا یسمعون عن الکافرین (۵ : ۵۹) اشداء علی الکفار
رحماء بینہم (۴۸ : ۲۹) ان میں جس قدر ہمدردی ہے مسلمانوں کے
ساتھ ہے - جس قدر ہو سکتی ہے غیروں کے ساتھ - نہ سب سے زیادہ نرم
نہیں اور نہ سب سے زیادہ سخت ہیں - نرم ہیں اپنوں کے لیے سخت غیروں
کے لیے - ان کے پاس محبت بھی ہے عداوت بھی یہ محبت دوستاں
حق کے ساتھ کرتے ہیں عداوت دشمنان حق کے ساتھ -

احادیث میں اس حقیقت کی جو کہ ثمرہ تشریعات و تعلیمات
ملتی ہیں وہ مشہور و معلوم ہیں - اور مہاجرین و انصار اور عموم
صحابہ کرام کے ایک عملی تصویر تک ہمیں بتلا دیا ہے کہ اخوت
دینی کے معنی کیا ہیں ؟ ہر مسلمان کو اسکی ادا کرنی ضروری ہے
یہی نہیں جو خیر ورثہ کر دیا گیا ہے کہ مسلمانوں سے محبت
کرے ' جہاں تک بن پڑے انکی بھلائی چاہے ' اور کوئی بات ایسی نہ کرے
جس سے کسی مسلمان کو نقصان پہنچے - اگر یہ چیز نہیں ہے تو ایمان و اسلام
بھی نہیں - یہ ایک حقیقت بھی رہے وعادت ہو اور سمندر جتنی بھی دولت
خرچ کر ڈالی جائے ' لیکن اگر یہ چیز نہیں تو بالکل بیکار و عبث ہے -

فرمایا " لا یؤمن احدکم حتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ" (رواہ الشیخان)
کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس میں یہ بات پیدا نہ ہو جائے
کہ جو بات اپنے لیے پسند کرے ' وہی اپنے بھائی مسلمان کے لیے بھی
پسند کرے -

اور فرمایا " لا تدخلون الجنۃ حتی تومنوا و لا تومنون حتی تحابوا "
(شیخان) تم کبھی جنت میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک ایمان نہ
لاؤ ' اور کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک آپس میں محبت و پیار
نہ کرو -

اور فرمایا " لا تحسسوا ' و لا تجسسوا ' و لا تناجشوا ' و لا تباغضوا ' و لا تدابروا ' و لا تباغضوا ' و کونوا عباد الله اخوانا " (سُبحان) ایک دوسرے کی ٹوہ میں نہ رہو ' باہم کینہ اور عناد نہ رکھو ' بدگوئی نہ کرو ' اور ایسا کرو کہ آپس میں بھائی بھائی ہو جاؤ -

حضرۃ جابر کو وصیت کی " ان نصبح و تمسي و لیس فی قلبک غش لاحد " (مسلم) تجھپر صبح کا سورج چمکے تو اس حالت میں چمکے کہ اسکی کرنوں کی طرح تیرا دل بھی صاف ہو ' اور شام آے تو اسطرح آے کہ کسی کے طرف سے تیرے اندر کھوٹ نہو -

اور فرمایا " المسلم من سلم المسلمون من یدہ و لسانہ " (بخاری) مسلمان وہ ہے کہ اسکے ہاتھہ اور زبان سے مسلمانوں کو کوئی گزند نہ پہنچے -

اور فرمایا " المسلم اخو المسلم ' لا یظلمہ ' و لا یخذلہ ' و لا یحقرہ " (مسلم) مسلمان مسلمان کا بھائی ہے - پس اپنے بھائی کے ساتھہ نہ تو ظلم کرے ' نہ اُسے ذلیل کرے ' نہ اُسکو حقیر جانے -

اور فرمایا " لا یحل لرجل ان یھجر اخاہ فوق ثلاث " (شیخان) کسی مسلمان کیلئے جائز نہیں کہ تین دن سے زیادہ کسی مسلمان سے روٹھا رہے -

اور فرمایا " ملعون من ضار مومنا او مکر بہ " (ترمذي) اللہ کي اسپر پھٹکار جس نے مسلمان کو نقصان پہنچایا یا اسکو دھوکا دیا -

ایک حدیث میں یہانتک رو رد دیا کہ " من کان یومن باللہ و الیوم الاخر ' فلا یحد النظر الی اخیہ " (رواہ الحاکم و صححہ) جو شخص اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے ' اسکو نہ چاہیے کہ اپنے بھائي مسلمان کی طرف تیز نظروں سے گھورے - یعنی جب مسلمان بھائی کو دیکھے تو محبت اور پیار کی نظروں سے دیکھے -

پس جب اللہ کی شریعت حقہ نے مسلمانوں کي قومیت کي بنیاد ہی باہمي محبت و برادري پر رکھي ' اسي کو ایمان کی جز قرار دیا ' وہی اسلام کي اصلي پہچان ہوئي ' اسي پر ایمان کي تکمیل موقوف ٹھہري ' تو ظاہر ہے کہ جو مسلمان خدا کے اس جوڑے ہوے رشتے کو توڑ دے ' اور اپنے اُنہی ہاتھوں سے جو مسلمانوں کی دستگیري و مددگاري کیلیے بناے گئے ' مسلمانوں کي گردنیں کاٹے ' اس سے بڑھکر خدا کي زمین پر اُسکي

شریعت کا کون مجرم ہوسکتا ہے ؟ اور اگر انسان کی سزائیں اور اعمال اللہ کی لعنت کا مستحق ہوسکتی ہیں ' تو اس فعل سے بڑھکر اور کونسا فعل ہے جو اللہ کے عرش جلال و عزت کو ہلا دے ' اور اسکی لعنتیں بارش کی بوندوں کی طرح آسمانوں سے زمین پر برسنے لگیں ؟

جس مومن کا وجود اللہ کو اس قدر محبوب و محترم ہو کہ تمام دنیا کا زوال اس کی ہلاکت کے مقابلے میں ہیچ نظر آئے ' اسی کا خون خود ایک مسلمان کے ہاتھوں بہے ؟ اس سے بڑھکر شریعت الٰہی کی کیا توہین ہوسکتی ہے ؟ اور ان سارے گناہوں میں جو انسان کے ہاتھ پاؤں کرسکتے ہیں ' کونسا گناہ ہے ' جو اس سے زیادہ ملعون و مردود ہوسکتا ہے ؟

دنیا کی کونسی بڑائی اور عظمت ہے جو کلمۂ لا الہ الا اللہ سے بڑھکر خدا کی نظروں میں عزت رکھتی ہو؟ اور کونسی محبوبیت ہے جو اس کلمۂ عزیز کے اقرار کرنے والے کو اللہ کے حضور نہیں ملجاتی ؟ پس جس دن بخت کا احساس ایمانی یہانتک مسخ ہوجائے کہ با وجود دعوئے اسلام مسلمانوں کا خون بہانے لگے ' وہ یقیناً مسلمانوں کا خون نہیں بہاتا ' بلکہ اللہ کے کلمۂ توحید کو ذلیل و خوار کرتا ' اور اسکی عزت و اجلال کو بٹہ لگانا چاہتا ہے -

صحیح بخاری و مسلم میں حضرۃ اسامہ کی روایت ہے کہ آنحضرۃ نے بنو الحرقہ کی طرف ایک فوجی مہم دیکر بھیجا تھا - لڑائی میں اسامہ نے ایک آدمی پر حملہ کیا - ساتھ ہی ایک انصاری بھی حملہ آور ہوا - اسامہ کہتے ہیں کہ جب میری تلوار اسکے سر پر چمکی تو وہ پکار اٹھا " لا الہ الا اللہ " - میں نے کچھہ پروا نہ کی اور قتل کر ڈالا - لیکن کلمہ کی صدا سنکر انصاری نے تلوار روک لی - آنحضرۃ کو جب یہ حال معلوم ہوا تو نہایت ناراض و غمگین ہوئے اور فرمایا " أقتلتہ بعد ما قال لا الہ الا اللہ " ؟ تونے اسے قتل کردیا باوجودیکہ اس نے لا الہ الا اللہ کہا تھا ؟ میں نے عرض کیا " انما کان متعوذا " وہ تو اس نے محض میری تلوار سے بچنے کیلیے کہدیا تھا - فی الحقیقت مسلمان نہیں ہوا تھا - " فما زال یکررھا علی حتی تمنیت أنی لم أکن اسلمت قبل ذلک الیوم " لیکن آنحضرۃ برابر یہی جملہ دہراتے رہے " تونے قتل کرڈالا باوجودیکہ اس نے لا الہ الا اللہ کہا تھا " یہانتک کہ آنحضرۃ کا حزن و ملال اور اس واقعہ کا تاثر دیکھکر مجھے اسقدر ندامت ہوئی کہ دل نے کہا ' کاش آج کے دن

سے پہلے میں مسلمان ہی نہ ہوا ہوتا - ایک روایت میں ہے " افلا شققت عن قلبہ حتی تعلم " تو نے اسکا دل چیر کر کیوں نہ دیکھہ لیا کہ واقعی دل سے اقرار کیا ہے یا نہیں ؟ یعنی جب زبان سے یہ کلمہ نکلا تو اُسکا احترام واجب ہوگیا - خواہ تلوار کے ڈر سے کہا ہو یا سچ مچ دل سے اقرار کیا ہو - دل کا حال صرف اللہ ہی کو معلوم ہے -

یہی واقعہ صحیح مسلم میں جندب بن عبد اللہ کی روایت سے بھی مروی ہے اور اسمیں بعض زیادات ہیں - وہ یہ ان النبی صلعم قال لہ " فکیف تصنع بلا الہ الا اللہ اذا أتتک یوم القیامہ " ؟ قال یا رسول اللہ استغفرلی - " قال فکیف تصنع بلا الہ الا اللہ " ؟ فجعل لا یزیدہ علی ذلک - یعنی آنحضرۃ صلعم نے اُسامہ سے کہا " قیامت کے دن جب وہ لا الہ الا اللہ کے ساتھہ تیرے سامنے آئیگا تو اسوقت تو کیا کریگا ؟ یعنے اللہ کو کیا جواب دیگا ؟ اُسامہ نے عرض کیا - یا رسول اللہ ! ابتو مجھہ سے یہ قصور ہوگیا - میری بخشش کیلیے دعا کیجیے - لیکن آنحضرۃ یہی کہتے رہے کہ قیامت کے دن لا الہ الا اللہ کا جب دعوا ہوگا تو تم کیا جواب دوگے ؟ اور اس جملہ کے سوا کوئی بات نہ فرمائی -

بخاری میں ہے کہ آپ سے مقداد بن عمرو الکندی نے پوچھا " ان لقیت کافراً فاقتتلنا ' فضرب یدی بالسیف فقطعھا ' ثم لاذ بشجرۃ و قال أسلمت للہ ' أأ قتلہ بعد ان قالھا ؟ " اگر ایسا ہو کہ ایک کافر سے مقابلہ کروں ' اور وہ تلوار میرے ہاتھہ پر اسطرح مارے کہ ہاتھہ کٹ جاے - پھر الگ ہوکر کہے میں اللہ پر ایمان لایا ' تو یہ کہنے کے بعد اُسے قتل کروں یا نہ کروں ؟ فرمایا " لا تقتلہ " مت قتل کر - " قال فانہ طرح احدی یدی ثم قال ذلک بعد ما قطعھا " مقداد نے عرض کیا - اس نے تو میرا ہاتھہ کاٹ ڈالا اور اسکے بعد اسلام لانے کا اقرار کیا - پھر کیوں نہ میں اُس سے اپنا بدلا لوں ؟ فرمایا " لا تقتلہ ' فان قتلتہ ' فانہ بمنزلتک قبل أن تقتلہ ' و انت بمنزلتہ قبل ان یقول کلمتہ التی قال " جو کچھہ بھی ہوا ہو ' لیکن جب کلمۂ توحید کا اقرار کرلیا تو پھر قتل نہ کر - اقرار کرنے سے پہلے وہ کافر تھا ' اور تو مسلمان ' لیکن اگر تونے اقرار کے بعد اُسے قتل کردیا تو وہ تیری جگہ ہو جائیگا اور تو اسکی جگہ -

یہ دو روایتیں اس بارے میں نہایت ہی عبرت انگیز ہیں - جب اللہ کے رسول کا یہ حال تھا کہ ایک مشرک دشمن کا جنگ کی حالت میں بھی

قتل ہو جانا گوارا نہ ہوا کیونکہ اُس نے خوف جان سے ایک مرتبہ لا الہ الا اللہ کہدیا تھا ' اور اسپر اسقدر رنج و افسوس فرمایا کہ عرصہ تک صدائے الم زدن مبارک سے نکلتی رہی ' تو پھر غور کرو کہ جو مسلمان اُن مسلمانوں کو قتل کرے ' جنکی ساری زندگیاں اسلام و ایمان میں بسر ہوئی ہیں ' اور جنھوں نے محض خوف جان سے ایک مرتبہ ہی نہیں ' بلکہ دل کے یقین و ایمان سے لاکھوں مرتبہ کلمہ لا الہ الا اللہ کا اقرار اور ورد کیا ہے ' اسکی شقاوت و خسران کا کون اندازہ کرسکتا ہے ؟ اور شریعت کے نزدیک اس فعل سے بڑھکر اور کون سا فعل ہے جو ایک مسلمان کیلیے عذاب الیم کا مستوجب ہو ؟

یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے اس فعل کیلیے وہ وعید فرمائی جو کسی معصیت کیلیے نہیں فرمائی - یعنے فجزاؤہ جہنم خالداً فیہا ' وغضب اللہ علیہ ولعنہ - اسمیں خلود فی النار ' غضب ' لعنت ' تین چیزوں کا ذکر کیا ہے ' اور تمام قرآن و سنت میں یہ تینوں کلمات وعید کفار کیلیے مخصوص ہیں - مسلمانوں کی نسبت کہیں استعمال نہیں کیے گئے - اس سے معلوم ہوگیا کہ عام معاصی و فسوق سے اس فعل کی برائی کہیں زیادہ ہے - کفر صریح و قطعی کے بعد ' اور عام معاصی سے اشد ' کوئی فعل ہوسکتا ہے تو وہ یہی ہے - اور اسی لیے تمام احادیث میں اس فعل کو کفر فرمایا کہ " و قتالہ کفر " اور " لا ترجعوا بعدی کفارا " معصیت و فسوق کا لفظ اسکی ناپاکی و ملعونیت ظاہر کرنے کیلیے کافی نہ تھا - جب مسلمان کو صرف دشنام دینا فسق ہوا کہ " سباب المسلم فسوق " تو پھر اسکو قتل کردینا صرف فسق ہی کیوں ہو ؟

ثانیاً ' جس طرح ایمان و اسلام کی سدرے کچھہ اوپر شاخیں ہیں ' اور اُن میں سے ہر شاخ ایمان و اسلام ہے - " الایمان بضع و سبعون شعبۃ ' اعلاھا لا الہ الا اللہ و أدناھا اماطۃ الاذی عن الطریق " (رواہ مسلم و اصحاب السنن الثلاثہ ' و رواہ البخاری " بضع و ستون ") اسی طرح کفر کی بھی شاخیں ہیں اور اعلی و ادنی مراتب ہیں ' جیسا کہ اپنے مقام پر ثابت ہوچکا ہے ' اور اسی لیے صحابۂ و سلف سے مروی ہے " کفر دون کفر و ظلم دون ظلم " (۱) - اور پھر جس طرح ایمان و اسلام اعتقادی بھی ہے

---

(۱) امام بخاری نے کتاب الایمان میں باب باندھا ہے " کفران العشیرۃ و کفر دون کفر " - لیکن دراصل یہ خود صحابۂ کرام کے آثار سے

اور عملي بهي - يعني اعتقاديات و معنويات ميں بهي هے ' اور عمليات و ظواهر ميں بهي - فكر ميں بهي هے اور فعل ميں بهي - ايمان بالله و الرسل بهي اسلام هے اور نماز بهي اسلام هے - ٹهيك اسي طرح كفر اور نفاق كي بهي دو قسمين هين - اعتقادي اور عملي - ايك كفر و نفاق اعتقاديات و افكار كا هے - ايك اعمال و افعال كا - شرك كفر اعتقـــادي هے ' اور ترك صلوٰة متعمداً كفر عملي - پس يه جو فرمايا كه " سباب المسلم فسوق و قتاله كفر " اور فجزاؤه جهـــنم خالداً فيهـــا اور " لا ترجعوا بعدي كفارا " اور " فليس منا " تو ان مين اور عموم احكام كفر و اسلام ميں كوئي تعارض نهيں - نه لفظ " كفر " كي يهاں كوئي تاويل كرني چاهيے ' اور نه نفي اسلام كو نفي كمال پر محمول كرنے كي ضرورت - شارع نے جس فعل كو كفر كها ' وه كفر كے سوا اور كچهه نهيں هوسكتا ' اور جب تـــك دنيا باقي هے وه كفر هي هے اور كفر هي رهيگا - البته يه كفر بهي مثل ديگر اعمال كفريه كے عملي كفر هے ' نه كه كفر اعتقادي و مخرج عن الملة - اسكا كرنے والا ويسا هي فعل كفر كا مرتكب هوگا ' جيسا نماز چهوڑ دينے والا مسلمان جسكے كفر پر صحابهٔ كرام كو اتفاق تها " و كان اصحاب رسول الله صلعم لا يرون شيئاً من الاعمال تركه كفر غير الصلوٰة " (ترمذي) " من الاعمال " كي قيد اسي حقيقت كي طرف اشاره هے كه عمل كي باتوں ميں جو بات كفر هوسكتي هے ' وه بات ترك صلوٰة سمجهي جاتي تهي - ليكن تاهنوز يه وه كفر نهيں هے جو مخرج عن الملة هے - جبتك ايك شخص اعتقاد كے اُس دروازه سے پلٹ نه جاے ' جس دروازه سے اسلام ميں داخل هوا تها ' اُسوقت تك اُس معني ميں كافر نهيں هوسكتا -

---

ان الله لا يغفر ان يشرك به و يغفر ما دون ذلك لمن يشاء اور حديث ابو سعيد خدري كه " اخرجوا من كان في قلبه مثقال حبة من خردل من الايمان " (رواه البخاري)

[بقيه نوٹ صفحه ۷۵]

ماخوذ هے - جيسا كه امام احمد نے كتاب الايمان ميں عطاء بن أبي رباح وغيره كے طرق سے روايت كيا هے - اور امام ابو الحسن اشعري نے بهي مقالات طوائف اسلاميه ميں لكها هے كه يه قول متعدد صحابه سے منقول هے ' اور سلف ميں عام طور پر رائج تها - (كما نقل عنه شيخ الاسلام ابن تيميه في كتاب الايمان)

پس اس تقریر سے واضح ہوگیا کہ مسلمانوں پر ہتھیار اُٹھانا شریعت کے نزدیک اُن انتہائی معاصی میں سے ہے ' جو عملی کفریات کا حکم رکھتی ہیں - اس لیے اُس کفر کے بعد جو مسلمان کو قطعاً کافر و مرتد کردیتا ہے' اس کفر سے بڑھکر عند اللہ کوئی برائی نہیں ' اور قریب ہے کہ اِس کا مرتکب اُس کفر کے حدود میں بھی داخل ہوجائے - کتاب و سنت کے جن جن لفظوں اور وعید و امتناع کے حصے جیسے پیرایوں میں اس فعل کا ذکر کیا ہے' وہ عام معاصی و فسوق کے لیے کبھی اختیار نہیں کیے گئے ' اور وہ ایسے سخت و شدید ہیں کہ جس دل میں رائی برابر بھی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان ہو ' اس کو لرزا دینے اور خوف الٰہی سے بے حال کر دینے کے لیے بس کرتے ہیں - اگر ایک مسلمان کا ایمان بالکل مردہ نہیں ہوگیا ہے' تو وہ سارے گناہ جو زمین پر کیے جاسکتے ہیں' اس سے سرزد ہو جا سکتے ہیں ' مگر اس کفر کے ارتکاب کا کبھی دھیان بھی نہیں کر سکتا -

قرآن میں " لعنت " اور " غضب " کا لفظ کفار و منافقین کے لیے مخصوص ہے - " لعنت " کے معنی یہ ہیں کہ رحمت الٰہی سے مہجوری اور ہر طرح کی کامیابیوں اور فلاح سے محرومی - یہودی ملعون و مغضوب ہوے اور عزت و حکومت سے ہمیشہ کیلئے محروم ہوگئے - سورۂ احزاب میں " منافقین " پر لعنت وارد ہوئی : ان الذین یوذون اللہ و رسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا و الاخرۃ - الخ - چنانچہ وہ سب نابود و مخذول ہوگئے - چونکہ ایمان و اسلام کے خصائص بالکل اس سے متضاد ہیں - وہ رحمت الٰہی کا مورد اور فلاح و مراد کا سرچشمہ ہے - اس لیے کبھی ایسا نہیں ہوسکتا کہ جہاں ایمان ہو' وہاں لعنت الٰہی کا بھی ورود ہوسکے - احادیث میں جا بجا ایسے واقعات ملینگے کہ سخت سے سخت معاصی و فسوق کا جن لوگوں سے ارتکاب ہوگیا تھا ' ان پر بھی " لعنت " کرنے سے آنحضرۃ نے روکا -

امام بخاری نے باب باندھا ہے " ما یکرہ من لعن شارب الخمر " یعنی جو مسلمان شراب پینے کی معصیت میں مبتلا ہو جائے ' اسپر لعنت کی ممانعت - اسمیں عبد اللہ ملقب بہ " الحمار " کا واقعہ بروایت حضرۃ عمر لائے ہیں - یہ شخص بار بار شراب نوشی کے جرم میں ماخوذ ہوچکا تھا - سزائیں پاتا تھا ' توبہ کرتا تھا ' پھر مبتلا ہوجاتا تھا - ایک مرتبہ جب ماخوذ ہوا ' تو بعض مسلمان بول اُٹھے " اللھم العنہ - ما اکثر ما یوتی بہ " اسپر خدا کی لعنت ہو - لیکن آنحضرۃ نے نہایت سختی سے روکا " لا تلعنوہ

(و فی لفظ لا تلعنه) و الله ما علمت انه یحب الله و رسوله " (و فی روایة - وانه یحب الله و رسوله) اسپر لعنت نه بهیجو- یه الله اور اسکے رسول کو دوست رکهتا هے ! حافظ عسقلانی نے حافظ ابن عبد البر کا قول نقل کیا هے " انه اتی به اکثر من خمسین مرة " فتامل !

اسی طرح حضرة ابو هریرة کی روایت مندرجهٔ کتاب الدیات بخاري که ایک شخص اسی جرم میں ماخوذ هوا اور اسکو پیٹنے کا حکم دیا گیا - کسی نے کہا " اخزاک الله " خدا تجھے رسوا کرے - فرمایا " لا تقولوا هکذا - لا تعینوا علیه الشیطان " اور سنن ابوداؤد میں ابن وهب کے طریق سے هے " و لکن قولوا اللهم اغفر له - اللهم ارحمه" بد دعا نه دو - بلکه یوں کہو - خدایا اسپر رحم کر- خدایا اُسے بخشدے ! فلیت و ما املح فی هذا المقام قول الشاعر العـــارف :

فدائے شیوهٔ رحمت ' که در لباس بهار
بعذر خواهی رندان باده نوش آمد !

لیکن صرف قتل مسلم هی ایک ایسي معصیت هے جسکے لیے قران نے " لعنت " اور " غضب " کے الفاظ استعمال کیے ' اور احادیث میں بهی جا بجا لعنت و ملعون کا لفظ وارد هوا - صرف اسي ایک بات سے فیصلہ کرلو - خواہ یه فعل کفر قطعی و مخرج عن الملة هو یا نهو ' لیکن الله کی شریعت کے نزدیک اُسکا ارتکاب کس درجه مبغوض و ملعـــون هے ؟ اور جو مسلمان اسکا ارتکاب کرتا هے ' وہ الله کے حضور کس طرح اپنے اسلام و ایمان کي ساري رحمتیں اور برکتیں کهو دیتا هے ؟

ثالثاً ' اس باب میں فیصلہ کن حدیث وہ هے جسکو هم نے به اتباع تبویب بخاري ' اس فصل کا عنوان قرار دیا هے - اور جسکو امام موصوف اور امام مسلم نے مختلف طریقوں سے روایت کیا هے - یعنی "من حمل علینا السلاح فلیس منا " (رواہ ابن عمر ' و سلمه ' و ابو موسی الاشعري - و فی روایة سلمه " من سل علینا السیف ") جس مسلمان نے مسلمانوں کے مقابلے میں هتیار اُٹهایا - یعنی حملہ کیا یا لڑائي کی ' وہ مسلمانوں میں سے نہیں هے - " و معنی الحدیث حمل السلاح علي المسلمین لقتالهم به بغیر حق" (فتح ۱۳ : ۲۰)

یہ حدیث نہایت اہم ہے، اور من جملہ قواعد و کلیات شریعت سے ہے - اسی لیے امام بخاری نے کتاب الفتن میں ایک خاص عنوان باب قرار دیا، اور امام مسلم کتاب الایمان میں لائے تاکہ حقیقت ایمان و کفر کی تحقیق میں اس سے مدد لیں، اور حافظ نووی نے ایک مستقل عنوان قرار دیکر باب باندھا -

" لیس منا " کے معنی ہیں " ہم میں سے نہیں ہے " یعنی ہم مسلمانوں میں سے نہیں ہے - آنحضرت صلعم کے طرز تکلم و خطاب پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ " لیس منا " وعید کا ایک ایسا جملہ تھا جو اُن موقعوں پر آپ استعمال فرماتے (۱) جہاں صریح و قطعی کفر کی جگہ کفر سے کوئی بہت ہی قریب اور اسلامی زندگی سے بہت ہی بعید حالت کا بتلانا مقصود ہوتا تھا - عام معاصی و فسوق سے یہ حالت زیادہ سخت مگر کفر قطعی سے کم ہوتی تھی - جن جن احادیث میں یہ لفظ آیا ہے، اُن سب پر غور کیا جائے، اور ایمان و کفر کے عملی مراتب کی حقیقت بھی پیش نظر ہو جو اوپر گزر چکی، تو یہ بات واضح ہو جائیگی - پس کچھ ضروری نہیں ہے کہ " لیس منا " کے یہ معنی کیے جائیں کہ " لیس علی ھدینا " یا ظاہر منطوق کو چھوڑکر کوئی اور تاویل کی جائے - یا نفی کو نفی کمال پر محمول کیا جائے -

صاحب شریعت نے جن کاموں کیلیے جو احکام دیے اور جو الفاظ استعمال کیے، ہمیں حق نہیں ہے کہ تاویل و توجیہہ کرکے اُنکے لغوی مفہوم کا اصلی روز و اثر گھٹانے کی کوشش کریں - ایسی کوششیں جن لوگوں نے کیں، اُنھوں نے مسلمانوں کو اسلام و ایمان کی عملی زندگی سے محروم کردیا -

---

(۱) احادیث میں بعض اعمال کی نسبت " لیس منا " آیا ہے اور بعض کی نسبت " لیس منی " - جیسے " النکاح من سنتی فمن رغب عنها فلیس منی " دونوں میں فرق ہے - " لیس منا " میں جمع کا صیغہ ہے جس سے مقصود امت ہے - اور " لیس منی " میں اپنی ذات خاص کا ذکر ہے، جس سے مقصود ترک سنت ہے - پس جن احادیث میں " لیس منا " کی وعید آئی ہے، اُنسے مقصود وہی ہوگا جو متن میں لکھا ہے، اور جن میں " لیس منی " ہے ان سے مقصود صرف ترک اتباع سنت و اسوۂ نبوت ہوگا -

ہ جو آج تمام عالم اسلامي میں تفریداً در تہائی مسلماں عملاً بکقلم مرجی جہمي زندگي بسر کررہے ہیں اگرچہ اعتقاداً اہل سنت ہونے کا دعوا کرے ں ' اور اسلام کي تعریف میں " عمل بالارکان " کا لفظ صرف درسی کتب قائد کے صفحات پر رہگیا ہے ' عمل میں اسکا کوئی وجود نظر نہیں آتا ' ر اسکے متعدد اسباب میں سے ایک بڑا سبب یہی بدعت تاویل ہے - اسي دعت کی وجہ سے اعمال کي اہمیت و مطلوبیت بالکل جاتي رہی اور دعاء اسلام کا سارا دارومدار صرف حدد جزئیات عقائد کے تحفظ و نزاع پر رہگیا - ہ کیا بات ہے کہ ایک شخص کتنا ہی فاسق و فاجر ہو ' لیکن اگر چند زاعي عقائد میں ہمارا ہم داستان ہوتا ہے تو ہم اسکو دنیا کي سب سے بہتر مخلوق یقین کرتے ہیں ؟ اور ایک شخص کتنا ہی صاحب عمل و صالح ہو ' لیکن اگر چند اختلافی جزئیات عقائد میں ہم سے متفق نہیں ' تو پھر س سے زیادہ شر البریہ ہماري نظروں میں اور کوئی نہیں ہوتا ؟ وہي عملي مرجیۂ و جہمیۂ اگرچہ زبان سے اِدعاء اتباع سنت و سلف !

یہی وجہ ہے کہ آئمۂ سلف نے ہمیشہ ایسی تاویلوں سے انکار کیا ' اور ان تمام راہوں سے بچتے رہے جو راے اور تعمق کی بدعتوں تک لیجانے والی تھیں - اسي حدیث کي نسبت امام نواوي اور حافظ عسقلانی وغیرہما لکھتے ہیں " و کان سفیان بن عیینہ یکرہ قول من یفسرہ بلیس منا لیس علی ھدینا ' و یقول بئس ھذا القول - یعني بل یمسک عن تاویلہ " (شرح مسلم مطبوعہ احمدي : ۶۹ - و فتح الباري ۱۳ : ۲۰) یعنی سفیان بن عیینہ اس بات کو مکروہ سمجھتے تھے کہ " لیس منا " کی تفسیر یوں کي جاے کہ " لیس علی ھدینا " اور اس تفسیر کی نسبت کہا کرتے کہ کیا ہی برا قول ہے - مقصود اُنکا یہ تھا کہ ان نصوص کی تاویل نہ کرني چاہیے -

اسی طرح شیخ عبد الوہاب شعرانی نے میزان میں امام سفیان ثوري کا قول نقل کیا ہے " و من الادب اجراء الاحادیث التی خرجت مخرج الزجر والتنفیر علی ظاھرھا من غیر تاویل ' فانھا اذا اولت ' خرجت من مراد الشارع ' کحدیث : من غشنا فلیس منا - و لیس منا من لطم الخدود و شق الجیوب و دعی بدعوۃ الجاھلیہ . فان العالم اذا اولھا بان المراد لیس منا فی تلک الخصلۃ فقط ' ای و ھو منا فی غیرھا ' ھان علی الفاسق الوقوع فیھا ' و قال مثل المخالفۃ فی خصلۃ واحدۃ امر سھل "

" لیس منا " نے صاف معنی یہ ہیں کہ " وہ ہم میں سے نہیں " یعنی مسلمانوں میں سے نہیں - اس سے ثابت ہوا کہ مسلمانوں کی کسی جماعت پر بطور جنگ و قتال کے ہتھیار اٹھانا ایک ایسا فعل ہے جسکے کرنے کے بعد انسان مسلمانوں میں شمار ہونے کے قابل نہیں رہتا -

فصل

(اقسام ثلاثہ قتل مسلم و حمل سلاح)

البتہ واضح رہے کہ قتل مسلم و حمل سلاح کی متعدد صورتیں ہیں اور ہر صورت کا حکم شرعی دوسرے سے مختلف ہے ؛

(۱) ایک صورت یہ ہے کہ مسلمان مسلمان کو قتل کرے ؛ لیکن اس فعل کو جائز نہ سمجھے - اسکی حرمت کا معترف ہو ؛ اور اس کے ارتکاب پر شرمندہ و متاسف ؛ تو اسکا حکم وہی ہے جو گذشتہ فصل میں گزر چکا - یعنی وہ عملی کفر ہے ؛ مگر اسکا کرنے والا ملت سے خارج نہیں ہو جائیگا - دنیا میں اسلام کے قومی احکام و معاملات اس پر جاری ہونگے - عاقبت کا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے -

باقی رہی یہ بات کہ قاتل مسلم کی توبہ قبول ہوسکتی ہے یا نہیں ؟ تو اس بارے میں خود صحابہ و سلف سے اختلاف منقول ہے - ایک جماعت اس طرف گئی کہ سورۂ فرقان میں ہے " و الذین لا یدعون مع اللہ الہا آخر و لا یقتلون النفس التی حرم اللہ الا بالحق الخ - پھر فرمایا . الا من تاب و امن و عمل عملاً صالحاً فاولئک یبدل اللہ سیئاتہم حسنات پس اس سے معلوم ہوا کہ تمام معاصی کی طرح قتل نفس کے مرتکب کی توبہ بھی مقبول ہوسکتی ہے - لیکن حضرۃ عبد اللہ ابن عباس سے بخاری و مسلم وغیرہما میں مروی ہے کہ جو مسلمان مسلمان کو قتل کرے ؛ اسکی توبہ مقبول نہیں - وہ فجزاؤہ جہنم خالداً فیہا الخ کے یہی معنی کرتے ہیں کہ " لا توبۃ لہ " اور صحیح بخاری کتاب التفسیر میں سعید بن جبیر سے مروی ہے کہ ابن عباس سے " الا من تاب " الخ کی نسبت پوچھا گیا تو کہا " ھذہ مکیۃ - نسختہا آیۃ مدنیۃ التی فی النساء "

یعنی اس آیت نے سورۂ نساء کی آیت " من یقتل مومناً " کے منسوخ کردیا - پس قبولیت توبہ پر اس سے استدلال نہیں ہوسکتا - مسلم کی روایت زیادہ مفصل ہے: " لما أنزلت التي في الفرقان قال مشركوا مكة قد قتلنا النفس ودعونا مع الله الهـا آخر و أتينا الفواحش - فنزلت الا من تاب و امن الخ - قال فهذه لاولائك ' و أما التي في النساء ' فهو الذي قد عرف الاسلام ثم قتل مؤمنا متعمداً ' فجزاؤه جهنم لا توبة له " یعنی جب سورۂ فرقان کی آیت والذین لا یدعون مع الله الها آخر ولا یقتلون النفس اتری تو مشرکین مکہ نے کہا - ہم تو یہ سب کام کرچکے ہیں - اب مسلمان ہوئے بھی تو نجات کب ملیگی ؟ اسپر یہ آیت اتری کہ " الا من تاب و امن " یعنی ہاں - لیکن جس شخص نے توبہ کی ' ایمان لایا ' اچھے کام کیے ' تو اللہ اُسکی برائیوں کو محو کردیگا - لیکن " من یقتل مومنا " والی آیت مشرکین کیلیے نہیں ہے - مسلمانوں کیلیے اُتری ہے - یعنی جو شخص مسلمان ہوئے کے بعد مسلمان کو قتل کرے ' تو اسکی سزا جہنم ہے اور اسکے لیے توبہ نہیں - انتہی

اور امام احمد و طبرانی نے سالم بن أبی الجعد سے بطریق یحیی الحابر اور نسائی و ابن ماجہ نے بطریق عمار دہنی روایت کی ہے - ایک شخص نے ابن عباس سے اس بارے میں سوال کیا تو جواب دیا " لقد نزلت في آخر ما نزل و ما نسخها شيء حتى قبض رسول الله صلى الله عليه وسلم و ما نزل وحي بعد رسول الله " اسپر سائل نے کہا " أفرأيت ان تاب و امن و عمل عملاً صالحاً ثم اهتدى " ؟ کہا " و أنى له التوبة و الهدى " ؟ یہ لفظ یحیی الحابر کا ہے - نسائی و ابن ماجہ کے الفاظ بھی قریب قریب ایسے ہی ہیں - حاصل ان تمام روایات کا یہ ہوا کہ ابن عباس سورۂ فرقان کی آیت کو منسوخ قرار دیتے ہیں ' اور اس بارے میں آخر تنزیل سورۂ نساء کی آیت " فجزاؤه جهنم خالداً فيها " ہے - اور اسلیے وہ کہتے ہیں کہ مسلمان قاتل مسلم کیلیے توبہ نہیں -

اسمیں شک نہیں کہ حضرۃ ابن عباس کا مذہب کئی پہلوؤں سے قوی نظر آتا ہے:

اول تو اس بنا پر کہ سورۂ نساء کی آیت کا منطوق عدم قبولیت کیلیے ظاہر و نص ہے - خالداً فيها و غضب الله عليه و لعنه کا مطلب اسکے

سوا کچھہ نہیں ہو سکتا - اور مدصوق مفہوم پر مقدم ہے جب تک اسکے خلاف کوئی سبب قوی موجود نہ ہو - کما تقرر فی الاصول -

ثانیاً ' یہ کہنا کہ سورۂ فرقان کی آیت نے اسکو منسوخ کردیا ' صحیح نہیں ہو سکتا - کیونکہ آیۂ فرقان مکی ہے اور آیۂ نساء مدنی - خود ترجمان القرآن اور حبر الامہ یعنی ابن عباس شہادت دے رہے ہیں کہ " نزلت فی آخر ما نزل وما نسخها شیء " اور معلوم ہے کہ نسخ کیلئے تقدم زمانی ہونا ضروری ہے -

ثالثاً ' دونوں آیتوں میں حکم مشترک نہیں ہے کہ متاخرین کا مصطلحہ نسخ مانا جاسکے - دونوں کا مورد الگ الگ ہے - پس اگر نسخ ہو سکتا ہے تو سلف کی اصطلاح میں ہو سکتا ہے جیسا کہ ابن عباس نے کہا - یعنی عام و خاص کا نسخ - سورۂ فرقان کی آیت میں ذکر کفار کا ہے - اور حکم بھی جو دیا گیا ہے وہ انہی کفار کی نسبت ہے جو کفر سے توبہ کریں اور ایمان لے آئیں - اور چونکہ " الایمان یهدم ما قبله " ہے - یعنی اسلام تمام پچھلی برائیوں کو نابود کردیتا ہے ' اسلئے جب شرک سے توبہ ہوسکتی ہے تو قتل نفس سے کیوں نہو ؟ قریش میں جو لوگ فتح مکہ کے بعد ایمان لائے ' اُن میں کون تھا جس نے خود مسلمانوں سے قتال نہیں کیا تھا ؟ یہی وجہ ہے کہ " الا من تاب " کے بعد " و امن " کا لفظ بھی موجود ہے - یعنے " توبہ کی اور ایمان لایا " جس سے واضح ہوگیا کہ یہ توبہ اسلام لانے والے کافر کی توبہ ہے ' نہ کہ ایک مومن کی توبۂ معصیت بعد از اسلام - سورۂ فرقان کا آخری رکوع " و عباد الرحمن " سے پڑھو تو تمام آیات کا ٹھیک ٹھیک محل و مورد واضح ہوجائیگا - وہاں ذکر خدا کے نیک بندوں کے اسلامی و ایمانی اوصاف کا ہے - انہی میں اِن اوصاف کو بھی داخل کیا ہے کہ " نہ تو شرک کرتے ہیں ' نہ کسی نفس کو قتل کرتے ہیں ' نہ زنا کا اُنسے ارتکاب ہوتا ہے " - پھر بتلایا ہے کہ مسلمان جن برائیوں سے بچتے ہیں ' یہ وہ برائیاں ہیں جنکا نتیجہ عذاب جہنم ہے - اسکے بعد فرمایا " الا من تاب و امن " ہاں ' لیکن جو لوگ مسلمان ہو جائیں ' تو انہوں نے کفر کی حالت میں اسطرح کے جسقدر افعال کیے ہوں ' اُنکا مواخذہ نہ ہوگا - اسلام اُنکی برائیوں سے آلودہ زندگی کو نیکیوں اور خوبیوں سے بھر دیگا -

پس اس آیت میں توبۂ کفر کی قبولیت کا ویسا ہی ایک حکم ہے جیسا صدہا مقامات میں وارد ہے - اس کو مسلمان قاتل مسلم اور مرتکب

حمـــل سلاح علی المسلم کے معاملہ سے کیا تعلق ؟ اور اگر اُسکا ذکر کسی دوسری آیت میں آیا ہے تو کیوں ناسخ و منسوخ ہونے کی ضـــرورت پیش آئے ؟ دونوں صورتیں بالکل مختلف ہیں -

لیکن سورۂ نساء میں قتل نفس کی ایک خاص حالت کا ذکر ہے- یعنی اگر ایک مسلمان باوجود مسلمان ہونے کے مسلمانوں کو قتل کرڈالے تو اسکا کیا حکم ؟ فرمایا جزاوہ جہنم خالدا فیہا چنانچہ اس آیت سے پہلے ہے - وما کان لمومن ان یقتل مومنا الا خطا - الخ بس زیادہ سے زیادہ دونوں آیتوں میں عام و خاص کا تعلق ہے- یعنی اس آیت نے آیت فرقان کی تخصیص کردی - اسی لیے حضرۃ ابن عباس نے کہا " نسختہا آیۃ مدنیۃ فی النساء " کیونکہ سلف کی اصطلاح میں " نسخ " کا اطلاق ہر طرح کی تخصیص و تقیید پر ہوتا تھا - وہ معنی نہ تھے جو بعد کو اصولیوں نے قرار دیے- اور اسی اختلاف حالت و حکم کو واضح کرنے کیلیے انہوں نے کہا " فہذہ لاولئک "یعنی آیت فرقان میں حکم کفار کیلیے ہے - اور امام بخاری کی روایت ابن جبیر بطریق شعبہ مندرجۂ کتاب التفسیر میں کہا " کانت ہذہ فی الجاہلیۃ " نہ حکم مشرکین جاہلیہ کیلیے تھا - نہ کہ مسلمانوں کیلیے -

اور یہ جو انہوں نے کہا کہ والذین لا یدعون مع اللہ الہا اخر و لا یقتلون النفس الخ کے نزول پر مشرکین مایوس ہوگئے تھے ' اسلیے - " الا من تاب" اتری ' تو اسکی تائید مفسرین کی اِس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ " نزلت فی قوم یئسوا من التوبۃ " یعنی اُن لوگوں کے حق میں اُتری جو زمانۂ کفر کی بد عملیوں کی بخشش سے مایوس ہوگئے تھے- ایک دوسری روایت میں ہے کہ یہ آیت اور سورۂ نساء کی ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ و یغفر ما دون ذلک لمن یشاء اور سورۂ زمر کی آیۂ رحمت : یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسہم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ الخ وحشی قاتل حمزہ کے بارے میں اُتریں - وہ کہتا تھا کہ شرک میں ساری عمر کٹی' پیغمبر کے چچا کو قتل کیا ' فواحش میں ہمیشہ مبتلا رہا - انہی تین برائیوں سے اجتناب کا خاص طور پر آیت فرقان میں ذکر ہے - اب اگر میں مسلمان بھی ہوگیا تو کیا فائدہ ؟ مجھے نو نجات مل ہی نہیں سکتی - اسپر " الا من تاب و امن " اتری ' اور پھر مزید بشارت امید کیلیے سورۂ نساء اور سورۂ زمر کی آیات نازل ہوئیں- تعجب ہے کہ بعض شارحین حدیث کو مذہب ابن عباس کی شرح و تطبیق میں مشکلات کیوں پیش آئیں ؟ انکا بیان تو بالکل صاف اور واضح ہے -

رابعاً ' احادیث سے بھی اس مذہب کی تائید ہوتی ہے - مثلاً امام احمد و نسائی کی روایت معاویہ بطریق دراس خولانی مرفوعاً "کل ذنب عسی اللہ أن یغفرہ الا الرجل یموت کافراً ' او الرجل یقتل مؤمناً متعمداً " یعنی تمام گناہ اللہ بخشدینگا ہے لیکن وہ شخص جو حالت کفر میں مرے ' یا وہ جس نے جان بوجھکر مومن کو قتل کرڈالا -

باقی رہیں وہ احادیث جن میں وسعت رحمت و عموم عفو و بخشش ' و عدم جواز یاس و قنوط رحمۃ کا ذکر ہے ' تو اس مذہب کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ وہ بھی مثل تمام عمومات قرآن کے ہیں ' جنکی تخصیص آیۂ نساء اور اسکی مؤیدات فی السنۃ نے کردی - دونوں میں کوئی تعارض نہیں - قتل از اسلام معاصی کی بخشش تو مسلم ہی ہے - بحث بعد از اسلام ارتکاب قتل میں ہے - اسی طرح اگر حدیث اسرائیلی " الذی قتل تسعۃ و تسعین نفساً ثم اتی تمام المائۃ ثم تاب " پیش کی جائے ' تو جواب یہ ہوگا کہ اس کا محل بھی توبۂ اسلام ہے - نہ کہ توبۂ مسلم ' اور وہ بھی مثل عمومات بشارات رحمت و بخشش کے ہے - مخصصات پر اسکا کوئی اثر نہیں پڑتا -

غرضکہ اس مذہب کی قوت میں کوئی شبہ نہیں ' لیکن عام طور پر علماء نے دوسرے مذہب کو اختیار کیا - یعنی قبولیت توبہ کو - اور خوارج و معتزلہ کے غلو کی وجہ سے اہل سنت کا رجحان اسی کی طرف بڑھتا گیا - وہ کہتے ہیں کہ ایسے شخص کا معاملہ بڑا ہی سخت ہے لیکن توبہ قبول ہو سکتی ہے - اللہ کے ہاتھ میں ہے - چاہے بخشدے چاہے نہ بخشے - اس میں شک نہیں کہ احتیاط حکم امید ہی میں ہے نہ کہ پیام یاس و قنوط میں - ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ و یغفر ما دون ذالک لمن یشاء کے حکم کا عموم بڑا ہی امید افزا ہے ' اور اگر اس پر نظر ڈالی جائے ' تو کچھ شک نہیں کہ دوسرا مذہب ہی محتاط معلوم ہوتا ہے -

(۲) قتل مسلم کی دوسری صورت یہ ہے کہ اس فعل کو حلال سمجھے - اور اس پر نادم و متاسف نہ ہو - مثلاً کوئی مسلمان فوج ہو - وہ یہ سمجھے کہ لڑائی لڑنا تو ہمارا کام ہی ہے - مسلمان سامنے ہونگے تو انہی سے لڑینگے - یعنی مسلمانوں پر تلوار اٹھانا کوئی گناہ کی بات نہیں - یا یوں سمجھیں کہ ہمارے مالکوں کا یہی حکم ہے - ہمنے انکا نمک کھایا ہے ' اسلیے ہمیں ایسا ہی کرنا چاہیے - یعنی اگر کوئی اپنا نمک کھلاکر حکم دے کہ مسلمانوں کو قتل کردو ' تو قتل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں - تو اس صورت میں تمام امت

کا اجماعی فیصلہ یہ ہے کہ وہ شخص قطعاً و حتماً کافر ہے - یعنی اُس کفر کا مرتکب ہوا ہے جو ملت سے خارج کردیتا ہے - اسکا حکم شرعاً وہی ہوگا جو تمام کفار و مشرکین کا ہے - دنیا میں بھی اور عاقبت میں بھی - کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ اس کو مسلمان سمجھے ' اور اس سلوک کا حقدار کہے جو مسلمانوں کو مسلمانوں کے ساتھہ کرنا چاہیے - یہ حکم خاص اس مسئلہ ہی پر موقوف نہیں ہے - ہر محلل حرام غیر ماول کے لیے یہی حکم ہے -

(۳) تیسری صورت قتل مسلم کی یہ ہے کہ کوئی مسلمان کافروں کے ساتھہ ہوکر اُنکی فتح و نصرت کیلیے مسلمانوں سے لڑے ' یا لڑائی میں اُنکی اعانت کرے - اور جب مسلمانوں اور غیر مسلموں میں جنگ ہورہی ہو ' تو وہ غیر مسلموں کا ساتھہ دے - یہ صورت اس جرم کے کفر و عدوان کی انتہائی صورت ہے ' اور ایمان کی موت اور اسلام کے نابود ہوجانے کی ایک ایسی اشد حالت ' جس سے زیادہ کفر و کافری کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا - دنیا کے وہ سارے گناہ ' ساری معصیتیں ' ساری نا پاکیاں ' ہر طرح اور ہر قسم کی نا فرمانیاں ' جو ایک مسلمان جسم دنیا میں کرسکتا ہے ' یا انکا وقوع دھیان میں آسکتا ہے ' سب اسکے آگے ہیچ ہیں - جو مسلمان اسکا مرتکب ہو ' وہ قطعاً کافر ہے ' اور بدترین قسم کا کافر - اسکی حالت کو قتل مسلم کی پہلی صورت پر قیاس کرنا درست نہ ہوگا - اس نے صرف قتل مسلم ہی کا ارتکاب نہیں کیا ہے ' بلکہ اسلام کے برخلاف دشمنان حق کی اعانت و نصرت کی ہے - اور یہ بالاتفاق و بالاجماع کفر صریح و قطعی مخرج عن الملۃ ہے - جب شریعت ایسی حالت میں غیر مسلموں کے ساتھہ کسی طرح کا علاقۂ محبت رکھنا بھی جائز نہیں رکھتی ' تو پھر صریح اعانت فی الحرب اور حمل سلاح علی المسلم کے بعد کیونکر ایمان و اسلام باقی رہسکتا ہے ؟

فصل

(واقعۂ امام حسین علیہ السلام)

بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ اگر سلطان اسلام کو خلیفہ مان لینا چاہیے گو نا اہل ہو ' تو پھر حضرۃ امام حسین علیہ السلام نے یزید پر

معاویہ کی حکومت کے خلاف کیوں خروج کیا ؟ اور کیوں اُنکو سرسرحق اور شہید ظلم و جور تسلیم کیا جاتا ہے ؟

پس گو بحث کے اس حصے کا طول بغیہ مطالب کی تشریح میں مخل ہوگا ' لیکن چونکہ اس معاملہ میں عام طور پر ایک سخت غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے ' اسلیے صاف کردینا ضروری ہے - یہ بالکل غلط ہے کہ حضرۃ امام حسین اُس حالت میں لڑے ' جبکہ وہ یزید کی حکومت کے مقابلے میں خود مدعی امامت اور طالب خلافت تھے - جو لوگ ایسا سمجھتے ہیں' اُنھوں نے واقعۂ کربلا کا دقت نظر کے ساتھ مطالعہ نہیں کیا - حالات میں اچانک ایسی تبدیلیاں ہوئی ہیں کہ اس غلط فہمی کا پیدا ہوجانا عجیب نہیں - حضرۃ امام جب مدینہ سے چلے ' تو اُنکی حیثیت دوسری تھی - جب کربلا میں حق پرستانہ لڑکر شہید ہوئے ' تو اُنکی حیثیت دوسری تھی - دونوں حالتیں مختلف ہیں - اس لئے دونوں کا حکم بھی شرعاً مختلف -

جب وہ مدینہ سے چلے ہیں تو حالت یہ تھی کہ نہ تو ابھی یزید کی حکومت قائم ہوئی تھی ' نہ اہم مقامات و مراکز نے اسکو خلیفہ تسلیم کیا تھا ' نہ اہل حل و عقد کا اسپر اجماع ہوا تھا - ابتدا سے معاملۂ خلافت میں سب سے پہلی آواز اہل مدینہ کی رہی ہے ' پھر حضرۃ علی کے زمانے میں مدینہ کی جگہ کوفہ دارالخلافہ بنا - اہل مدینہ اسوقت تک متفق نہیں ہوئے تھے - کوفہ کا یہ حال تھا کہ تمام آبادی یکعلم مخالف تھی اور حضرۃ امام حسین سے بیعت کرنے کیلئے پیہم اصرار و الحاح کر رہی تھی - انہوں نے خود خلافت کی حرص نہ کی ' بلکہ ایک ایسے زمانے میں جب تحت حکومت سابق حکمراں سے خالی ہوچکا تھا اور نئے حکمران کی حکومت قائم نہیں ہوئی تھی ' ایک بہت بڑی مرکزی و موثر آبادی (یعنی کوفۂ و عراق) کے طلب و سوال کو منظور کرلیا - البتہ اس منظوری میں یہ مصلحت ضرور پیش نظر تھی کہ یزید جیسے نا اہل کی حکومت سے اُمت کو بچایا جائے -

اگر کہا جائے کہ امیر معاویہ نے اپنی زندگی میں یزید کو ولی عہد مقرر کردیا - تو اس کا جواب یہ ہے کہ شرعا اولاد کی ولی عہدی کوئی شے نہیں ہے - اصلی شرط خلافت کی انعقاد حکومت ہے - یزید کو گو ولی عہد

مقرر کردیا ہو ' لیکن جب تک اسکی خلافت بالفعل قائم نہ ہوجائے صرف یہ بات کوئی حجت نہ تھی - یہی وجہ ہے کہ جب یزید کی ولی عہدی کے لیے حضرۃ عبد اللہ بن عمر سے بیعت طلب کی گئی تو اُنھوں نے صاف انکار کردیا اور کہا " لا أبایع لامیرین " میں دو امیروں سے بہ یک وقت بیعت نہ کرونگا - یعنی خلیفہ کا اپنی زندگی میں ولی عہدی کے لیے بیعت لینا ایک وقت میں دو امیروں کی بیعت ہے جسکی شرعاً کوئی اصل نہیں - (رواہ ابن حبان و نقلہ فی الفتح)

لیکن جب وہ کوفہ پہنچے ' تو یکایک نظر آیا کہ حالت بالکل بدل چکی ہے - تمام اہل کوفہ ابن زیاد کے ہاتھ پر یزید کیلئے بیعت کرچکے ہیں ' اور سر زمین عراق کی وہ بے وفائی و غداری جو حضرۃ امیر کے عہد میں بارہا ظاہر ہوچکی تھی ' بدستور کام کر رہی ہے - یہ حال دیکھکر وہ معاملۂ خلافت سے دست بردار ہوگئے ' اور فیصلہ کرلیا کہ مدینہ واپس چلے جائیں - لیکن ابن سعد کی فوج نے ظالمانہ محاصرہ کرلیا اور منع اہل و عیال کے قتل کرنا چاہا - وہ اس پر بھی آمادہ ہوگئے تھے کہ مدینہ کی جگہ دمشق چلے جائیں اور براہ راست یزید سے اپنے معاملے کا فیصلہ کرالیں ' مگر ظالموں نے یہ بھی منظور نہ کیا -

اب امام کے سامنے صرف دو راہیں تھیں - یا اپنے نائبین مع اہل و عیال قید کرادیں - یا مردانہ وار لڑکر شہید ہوں - شریعت نے کسی مسلمان کو مجبور نہیں کیا ہے کہ ناحق ظالموں کے ہاتھ اپنے تئیں قید کرادے - پس اُنھوں نے دوسری راہ کمال عزیمۂ دعوۃ کی اختیار کی ' اور خود فروشانہ لڑکر حالت مظلومی و مجبوری میں شہید ہوئے -

بس جس وقت کربلا میں میدان کارزار گرم ہوا ہے ' اُسوقت حضرۃ امام حسین مدعی خلافت و امامت نہ تھے - نہ اس حیثیت سے لڑ رہے تھے - اُنکی حیثیت محض ایک مقدس اور پاک مظلوم کی تھی جسکو ظالموں کی فوج ناحق گرفتار کرنا چاہتی ہے - وہ اپنے آپکو زندہ گرفتار کرادینا پسند نہیں کرتا ' اور چاہتا ہے کہ طاقتور ظلم کے مقابلے میں بے سر و سامان حق کی استقامت کا ایک یادگار منظر دنیا کو دکھلادے - تعجب ہے کہ یہ غلط فہمی صدیوں سے پھیلی ہوئی ہے - جسکو مفصل اور محققانہ بحث دیکھنی ہو ' وہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی منہاج السنہ جلد ۲ - کا مطالعہ کرے -

فصل

(شـــرط قـــرشيـــه)

مندرجۂ بالا فصول سے یہ بات واضح ہوگئی کہ انتخاب خلیفۂ و امام کیلیے متعدد شرطیں ہیں - ان جملہ ایک عرصہ تک علماء کی رائے رہی کہ خلیفہ کو خاندان قریش میں سے ہونا چاہیے - لیکن اگر امت کے لیے انتخاب کا موقعہ باقی نہ رہا ہو تو خلیفہ تسلیم کر لینے کیلیے بحر اسلام اور انعقاد حکومت (یعنی حکومت کے جماؤ اور جگہ پکڑ لینے) کے اور کوئی شرط نہیں ہے - خلفاء راشدین کے بعد جامع الشروط سلسلۂ خلافت کوئی بھی قائم نہ ہوا - بنو امیہ و عباسیہ میں اگر ایک شرط قرشیۃ کی پائی جاتی تھی ' تو اور بہت سی اہم شرطیں مفقود تھیں - بنیادی شرط یہ ہے کہ حکومت تلوار کے زور سے نہ منوائی جائے بلکہ امت کے انتخاب و اجماع سے ہو' سو یہ شرط کسی کی خلافت میں بھی نہ تھی - پھر خلیفہ کو عادل و منصف ہونا چاہیے - حکومت نظام شوریٰ کے ساتھ کرنی چاہیے - سنۃ رسول اور سنت خلفـــاء راشدین پر عامل ہونـا چـاہیے - بجز عمر بن عبدالعزیز (رح) کے کوئی بھی ان سب کا جامع نہ تھا - عباسیہ کے بعد حکومت عجمیوں کے ہاتھ آئی - پھر مصر کے عباسی خلفا کے بعد ترکوں کا خاندان عثمانیہ خلافت پر قابض ہوا - آخری مصری خلیفہ نے خود سلطان سلیم کے ہاتھ پر بیعت کی - یہ خلافت بلا نزاع آجتک قائم اور تمام عالم اسلامی کیلیے شرع و امت کا مرکزی اقتدار ہے - اگر بنو امیہ و عباسیہ میں پانچ شرطیں نہیں پائی جاتی تھیں تو ان میں سات نہ سہی - یعنی یہ عرب بھی نہیں اور قرشی بھی نہیں - لیکن چونکہ سوال خلیفہ کے انتخاب کا نہیں ہے بلکہ ایک قائم و نافذ خلافت کے ماننے کا ' اسلیے شرائط کی بحث کا یہاں کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا -

منجملہ شروط خلافت کے ایک متفق علیہ شرط حریت کی ہے - یعنی خلیفہ آزاد ہو - غلام نہو - مصلحت و ضرورت بھی اسکی ظاہر ہے ' مگر معلوم ہے کہ تمام دنیا کی تاریخ میں صرف مسلمانوں ہی کی تاریخ اسکی

نظیر پیش کرسکتی ہے کہ علماء نے امامت کی ہے، بادشاہت کی ہے، اور تمام سادات و قریش اور شرفاء عرب و عجم نے ایک آگے اطاعت کا سر جھکایا ہے۔ خود حدیث میں وارد ہے " اسمعوا و اطیعوا و ان استعمل علیکم عبد حبشی کان راسہ زبیبۃ " اور روایت ابو ذر عند مسلم کہ " و ان کان عبدا مجدع الاطراف " اور روایت ابن حصین کہ " و لو استعمل علیکم عبد یقودکم بکتاب اللہ، اسمعوا لہ و اطیعوا " یعنی اگر ایک دلیل سے دلیل حبشی غلام بھی تمہارا امیر ہوجائے تو اسکی سنو اور اطاعت کرو۔ حافظ نووی اسکی شرح میں لکھتے ہیں " و المراد اخس العبید - ای اسمع و اطیع و ان کان دنی النسب، حتی لو کان عبد اسود مقطوع الاطراف، فطاعتہ واجبۃ، و یتصور امارۃ العبد اذا ولاہ بعض الائمۃ، او تغلب علی البلاد بشوکتہ و اتباعہ، و لا یجوز ابتداء عقد الولایۃ لہ مع الاختیار، بل شرطہا الحریۃ " (جلد ۲ : ۱۲۵) یعنی نہ جو فرمایا کہ اگرچہ حبشی غلام ہو، تو مقصود اس سے یہ ہے کہ اگرچہ امیر نہایت ذلیل نسب و خاندان کا ہو، لیکن اگر خلیفہ ہوگیا ہے تو اطاعت کرو، اور اسی بنا پر غلام امیر ہو سکتا ہے اگر کسی امام نے مقرر کردیا ہو - یا خود وہ شہروں پر غالب آکر مسلط ہوگیا ہو - البتہ جائز نہیں کہ ابتدا میں کسی غلام کو امیر منتخب کیا جائے کیونکہ آزاد ہونا شرائط امامت میں سے ہے " اور فتح الباری میں ہے " لو تغلب حقیقۃ بطریق الشوکۃ، فان طاعتہ تجب اخماداً للفتنۃ" (۱۳ : ۱۰۹)

جب غلبۂ و تسلط کی صورت میں خود حافظ نووی (جو شرط قرشیہ کے سب سے بڑے حامیوں میں سے ہیں) نص حدیث کی بنا پر تسلیم کرتے ہیں کہ ایک دنی النسب، خسیس الحال، حبشی غلام، امیر ہوسکتا ہے اگرچہ آزاد ہونا شرط ابتدائی ہے، تو پھر ظاہر ہے کہ ایک غالب و مسلط خلیفہ کی خلافت کیلئے شرط قرشیۃ کا موجود نہ ہونا کیوں مخل ہو اگرچہ قرشیہ ایک شرط ابتدائی مان لی جائے ؟

پس یہ مان لینے کے بعد بھی کہ قرشی ہونا شرائط شرعیہ میں سے ہے، ترکان عثمانی کی خلافۂ مسلمۂ و منعقدہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا، اور شرائط کی پوری بحث موجودہ مسئلہ سے یکقلم غیر متعلق ہے، تاہم تحقیق مقام کے خیال سے بہتر ہوگا کہ اس شرط کی حقیقت پر بھی ایک فیصلہ کن نظر نظر ڈال لی جائے -

باب

"الائمة من قریش"

فصل

(تحقیق امارۂ قریش و شرط وراثت)

جہانتک قرآن و سنت، آثار صحابہ، اور تمام دلائل شرعیہ و عقلیہ کا تعلق ہے، کوئی نص قطعی موجود نہیں، جس سے ثابت ہو کہ اسلام نے معاملۂ خلافت و امامت صرف خاندان قریش کیلیے شرعاً مخصوص کردیا ہے - احادیث اس بارے میں جس قدر موجود ہیں، سب صحیح ہیں - یہ بھی مروی ہے کہ حضرۃ ابوبکر نے مجمع صحابہ میں اسکو پیش کیا اور کسی نے انکار نہ کیا - یہ بھی درست ہے کہ صحابہ میں ہمیشہ اس بات کی شہرت رہی - اور یہ بھی غلط نہیں کہ جب تک خاندان عباسیہ باقی رہا، لوگ اسکو بطور ایک شرط کے سمجھتے رہے - با ایں ہمہ ان ساری باتوں کی حقیقت وہ نہیں ہے جو اب سمجھی جاتی ہے - ان ساری باتوں کے سچ ہونے کے ساتھ یہ بھی سچ ہے کہ اسلام نے خلافت کو نہ کسی قوم میں مخصوص کیا ہے، نہ کسی خاندان میں - اسلام جو اس طرح کی تمام قومی و نسلی امتیازات مٹانے، اور ہمیشہ کیلیے صرف انسانیت کی بے قید و عام عظمت کو قائم کردینے، اور "عمل" کے قانون الہی کے آخری اعلان کیلیے آیا تھا، اُسکے نام سے ساری باتیں مان لی جا سکتی ہیں، لیکن اسکا وہم و گمان بھی نہیں کیا جاسکتا کہ اُسنے خاندان و نسل کا کوئی امتیاز تسلیم کیا ہو - یہ کیونکر ممکن ہے کہ امتیاز نسب کے جس بت کو خود اس نے توڑا ہو، اُسی کے ٹکڑوں کو پھر جوڑ کر از سر نو ایک نیا بت خانہ قائم کر جائے ؟

تفصیل و دلائل کی ضرورت نہیں - یہ بات ہر اُس شخص پر جو اسلام سے کچھ بھی واقفیت رکھتا ہے، روشن ہے کہ ہر طرح کی نسلی و خاندانی

امتیازات کے مٹانے میں اسلامی احکام و اعمال کا کیا حال رہا ہے ؟ اسلام کا ظہور عرب میں ہوا جسکے غرور قوم و نسب کا یہ حال تھا کہ وہاں کا ایک چرواہا اپنے نسبی و خاندانی شرف کے سامنے قیصر و کسریٰ کو بھی ذلیل و حقیر سمجھتا تھا - عرب کے علاوہ تقدہ دنیا بھی طرح طرح کے قومی و وطنی امتیازات کی پرستش کر رہی تھی - اسلام نے اپنی دعوۃ کی سب سے پہلی اور کاری ضرب اسی غرور نسل و قوم کے بت پر لگائی' اور اللہ کے اس قانون فطرۃ کی عام منادی بلند کی کہ ' یا ایہا الناس ! انا خلقنا کم من ذکر و انثیٰ ' و جعلنا کم شعوباً و قبائل لتعارفوا - ان اکرمکم عند اللہ اتقا کم (۴۹ : ۱۴) یعنی بنداد ہر طرح کی فضیلت و بزرگی کی صرف عمل ہے ' اور کوئی شے نہیں - قوموں اور خاندانوں کی تفریق صرف اسلیے ہے کہ باہمدگر پہچان اور تمئیز کا ذریعہ ہو - اسلیے نہیں ہے کہ ایک دوسرے پر اپنی بڑائی جتلائے - سب سے بڑا انسان وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو - اور فرمایا : لا تزر وازرۃ وزر اخریٰ ' و ان لیس للانسان الا ما سعیٰ ' و ان سعیہ سوف یریٰ - (۵۳ : ۴۶) ہر انسان اپنے کاموں کا خود ذمہ دار ہے ' اور انسان کی تمام کامیابیوں اور سعادتوں کی بنیاد صرف اسکی کوشش اور اسکا عمل ہے - آنحضرۃ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا زندگی بھر قول و فعل یہ رہا کہ " لیس منا من دعیٰ الی عصبیۃ " اور " لیس منا من قاتل علی عصبیۃ " اور " لیس منا من مات علی عصبیۃ " یعنی وہ ہم میں سے نہیں جو نسل و قوم کی خصوصیت کے تعصب کی طرف لوگوں کو بلائے - وہ ہم میں سے نہیں جو اس تعصب کی حالت میں دنیا سے جائے - وہ ہم میں سے نہیں جو اس تعصب کی بنا پر لوگوں سے جنگ کرے ! دنیا کو چھوڑنے سے پہلے حجۃ الوداع میں جو آخری پیام امت کو سنایا ' اسمیں بھی سب سے پہلی چیز یہی تھی - یعنی نوع انسانی کی عام مساوات کا اعلان : " لا فضل لعربی علی عجمی ' و لا لعجمی علی عربی - کلکم ابناء آدم " (شیخان) اور فرمایا " لیس لاحد فضل علی احد الا بدین و تقویٰ - الناس کلھم بنو آدم ' و آدم من تراب " (رواہ الجماعۃ) یعنی اسلام کا ظہور و قیام نوع انسانی کی مساوات اور باہمدگر برابری کا اعلان ہے - اب نہ کسی عرب کو عجمی پر اور نہ کسی عجمی کو عرب پر ملک و قوم کی وجہ سے فضیلت ملسکتی ہے - سب ایک ہی آدم کی اولاد ہیں ' اور وہی سب سے بڑا ہے جو عمل میں بڑا ہو :

معمـــورۂ دلے اگرت هست ' دار گـــوے
کدن حا سخن نه ملک فریدون نمی رود

عملاً نه حال نها که آپنے اپنی زندگی میں سب سے آخری فوجی مہم جو نهیجی ' اسکی سرداری اُسامه کو دی جنکے والد زید آپکے غلام تے - بعض ظاهر بینوں پر نه بات گراں گزری تو فرمایا " لقد طعنتم فی امارة ابیه و قد کان لها اهلاً ' و ان اسامه لها اهل " تم لوگ پہلے زید کی سرداری پر بھی طعن کرچکے هو ' حالانکه وہ اس کام کا اهل تها ' اور اب اُسامه سردار بنایا گیا هے اور وہ اس کام کا اهل هے - " اهل " کے لفظ پر زور دیا - یعنی طعن بیکار هے - کیونکه بنیاد معاملۂ امارت و سرداری کی صرف اهلیت و قابلیت هے - اور کچھه نہیں - حضرۃ عائشه کا قول مشہور هے " لو کان زید حیاً ' ما استخلف رسول الله غیرہ " اگر آنحضرۃ کے غلام زید زندہ رهتے تو آپ اُنکے سوا اور کسی کو اپنا جانشین نه بناتے - (۱) اُسامه کو جس لشکر کی سرداری دی گئی تهی ' جانتے هو اسمیں کیسے کیسے لوگ شریک تھے ؟ بڑے بڑے مہاجرین و قریش اور سادات عرب - جن میں سب سے پہلے حضرۃ ابوبکر صدیق کا نام نظر آتا هے - وهی ابوبکر (رض) جو چند دنوں کے بعد رسول الله کے جانشین اور تمام امت کے امیر هونے والے هیں !

بندۂ عشق شدی ' ترک نسب کن جامی
کین دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست !

---

(۱) الله الله ! اس بارے میں اسلام و پیروان اسلام کے معاملات کیسے عجیب و غریب رهچکے هیں ؟ آج مسلمانوں کو جو طرح طرح کے خاندانی امتیازات و تفریقات کی بت پرستانه پرستش کر رهے هیں ' کیونکر یاد دلایا جائے که کسی زمانے میں الله اور اُسکے رسول کے رشته کے سوا نه کوئی رشته مقبول تها - نه عمل کی بزرگی کے سوا کوئی بزرگی تسلیم کی جاتی تهی - حضرۃ عمر کا ایک واقعه اِنهی اُسامه کی نسبت ناقابل فراموش هے - اُنکے لڑکے عبد الله نے ایک بار شکایت کی که تقسیم اموال میں اُسامه بن زید سے مجھے کم درجه پر کیوں رکھا جاتا هے ؟ حضرۃ عمر نے کہا " کان ابوہ احب الی رسول الله من ابوک ' و کان احب الی رسول الله منک " اسلیے که تیرے باپ سے زیادہ اُسکا باپ الله کے رسول کو پیارا تها ' اور اسلیے که وہ خود بھی تجھسے

بلال حبشی ' صہیب رومی ' سلمان فارسی (رض) کا جو حال تھا ' معلوم ہے - بلال کو عمر فاروق جیسے قرشی نے " ہمارا آقا و سردار " کہا - اور صہیب کو دیکھتے تو کہتے " نعم العبد صہیب ! لو لم یخف اللہ لم یعصہ " صہیب اللہ کا کیا نیک بندہ ہے ! اگر خوف عذاب نہ ہوتا جب بھی اُسکی فطرۃ بدی پر مائل نہ ہوتی ! مرنے کے وقت وصیۃ کی کہ بمار جنازہ رہی پرھائیں - سلمان کا یہ حال تھا کہ حضرۃ علی علیہ السلام فرماتے "سلمان منا اھل البیت" سلمان تو ہم اھل بیت نبوۃ میں سے ہے ! اسی چیز کا نتیجہ تھا کہ ایک صدی کے اندر ہی اندر عرب کی نسلی عصبیۃ کا نام و نشان باقی نہ رہا ' اور وہ زمانہ آگیا جب بزرگی و فضیلت کے ہر میدان میں سرداری و ریاست عجمیوں اور غلام زادوں کے ہاتھہ میں تھی - عرب اُنکے علم و عمل کے آگے اسی طرح جھک گئے تھے ' جس طرح ایک قرشی و ہاشمی کے آگے جھک سکتے تھے - حتی کہ خلیفۂ ہشام بن عبد الملک کو امام زہری سے کہنا پڑا " واللہ لیسودن الموالی العرب ' و یخطب لہم علی المنابر ' و العرب تحتہم ! " (عقد الفرید)

پھر کیا ایسی حالت میں ایک لمحہ کیلئے بھی باور کیا جاسکتا ہے کہ اسلام کا داعی تمام دنیا کو تو قومی و نسلی امتیازات کی غلامی سے نجات دلانا چاہتا ہو اور مساوات عامہ کی طرف بلا رہا ہو ' لیکن (نعوذ باللہ) خود اس درجہ خود غرض ہو کہ قیامت تک کیلیے پادشاہی و خلافت

(بقیہ نوٹ صفحہ ۹۳)

زیادہ رسول اللہ کے نزدیک محبوب تھا ! یعنی بنائے استحقاق ہماری آپس کی رشتہ داریاں نہیں ہوسکتیں - اللہ اور اسکے رسول کے نزدیک جو محبوب ہو ' وہی سب سے زیادہ حقدار ہے ' اور اُسی کو ہر طرح کی بڑائی پہنچتی ہے - ایسے صدہا واقعات اُن عہدوں میں گزر چکے ہیں - اسلام نے یہ انقلاب اُس ملک میں پیدا کردیا تھا جہاں کا بچہ بچہ غرور نسل و خاندان کے نشہ میں بدمست رہتا تھا - جو مغرور قریش کل تک قبائل یثرب کے شرفاء کو اس قابل بھی نہیں سمجھتے تھے کہ جنگ بدر میں اُنسے مقابل ہوں ' وہ اب غلاموں اور غلام زادوں کی سرداری بھی مان لینے کیلیے بلا چون و چرا طیار ہیں - سلطان اسلام کے لڑکے کے استحقاق پر ایک غلام زادہ کو ترجیح دی جا رہی ہے - وہ گردن جھکا دیتا ہے اور تسلیم کرلیتا ہے !

صرف اپنے ہی خاندان کیلئے مخصوص کردے ؟ یہ تمام نوع انسانی سے کہے کہ تمہارے سارے بنائے ہوئے حق جھوٹے ہیں - سچا حق صرف عمل اور اہلیت کا ہے - لیکن خود اپنے لئے یہ کہ جائے کہ نہ تو عمل اور نہ اہلیت ' بلکہ صرف ملک ' صرف قوم ' صرف نسل ' اور صرف خاندان ؟

کیا اس سے بھی بڑھکر کوئی عجب بات ہوسکتی ہے ؟

خیر ' یہ بات کتنی ہی عجیب ہوتی ' لیکن ہم بلا تامل باور کرلیتے اگر فی الحقیقت قرآن و سنت سے ٹھیک ٹھیک ثابت ہوتی - ہمارے نزدیک کسی اسلامی اعتقاد کی صحت و عدم صحت کا معیار صرف یہ ہے کہ کتاب و سنت سے بطریق صحیح ثابت ہو - یہ کچھ ضروری نہیں کہ ہماری نارسا سمجھ اُسکا احاطہ ؤ ادراک بھی کرسکے - لیکن استعجاب کی ساری دیواں ہمارا عقلی و قیاسی استبعاد نہیں ہے - یہی ہے کہ کسی نص سے ایسا ثابت نہیں ' اور چونکہ ثابت نہیں ' اسلیے ہم کو یقین ہے کہ اسلام کیلیے کوئی ایسی بات ثابت بھی نہیں ہونی چاہیے -

شارع کے ارشادات ' انسان کی عام بول چال کی طرح مختلف قسموں کے واقع ہوئے ہیں - از انجملہ ایک صورت احکام و اوامر اور تشریع کی ہے - یعنی بہ حیثیت شرع و دین کے کوئی حکم دینا اور قانون ٹھہرا دینا - دوسری صورت اخبار و اطلاعات کی ہے - یہ دوسری صورت محض بیان واقعہ و حال ہے ' اور اگر آیندہ کی نسبت ہے تو پیشین گوئی ہے - حکم اور تشریع نہیں ہے - یعنی صرف ایک خبر ہے کہ ایسا ہوگا - یہ نہیں ہے کہ ایسا کرنا چاہیے -

قریش کی خلافت کی نسبت جسقدر روایات موجود ہیں ' سب دوسری قسم میں داخل ہیں - نہ کہ پہلی قسم میں - اور جب اس حدیث کے تمام طریقوں اور لفظوں کو جمع کرکے دیکھا جائے ' تو بلا کسی اضطراب کے یہ حقیقت روشن ہوجاتی ہے :

(۱) یہ حدیث حضرۃ ابو ہریرہ ' ابو برزہ ' کثیر بن مرہ ' جابر بن عبد اللہ ' جابر بن سمرہ ' معاویہ بن سفیان ' وغیرہم مختلف صحابہ سے مروی ہے ' اور عمدہ طریق وہ ہیں جو بخاری و مسلم نے اختیار کیے ہیں - لیکن کسی طریق و روایت میں بھی کوئی ایسا لفظ مروی نہیں جس سے ثابت ہو کہ مقصود پیشین گوئی نہ تھا - تشریع و امر تھا -

عن ابي هريرة " الناس تبع لقريش في هذا الشان - مسلمهم لمسلمهم و كافرهم لكافرهم" (مسلم) دوسرے طریق میں زیادہ وضاحت ہے " مسلمهم تبع لمسلمهم ' و كافرهم تبع لكافرهم " (مسلم) جابرکی روایت میں " الناس تبع لقريش في الخير و الشر " ہے - امام نووی اسکی شرح میں لکھتے ہیں " معناه في الاسلام و الجاهلية - لانهم كانوا في الجاهلية رؤساء العرب و اصحاب حرم الله و اهل الحج ' و كانت العرب تنتظر اسلامهم ' فلما اسلموا و فتحت مكة ' تبعهم الناس ' و جاءت وفود العرب من كل جهة ' و دخل الناس في دين الله افواجا " (جلد ۲ : ۱۱۹) پس معلوم ہوا کہ اس حدیث کو مسئلۂ خلافت کے اختصاص و شرائط سے کوئی تعلق نہیں - مقصود یہ ہے کہ عرب میں خاندان قریش حج کے اہتمام اور بیت اللہ کی ہمسایگی کی وجہ سے تمام قبائل کی سرداری رکھتا تھا ' اور ہر کام میں سب کی نظریں اُسی پر اُٹھتی تھیں - جب تک مکہ فتح نہوا اور قریش مسلمان نہ ہوے ' تمام عرب کے قدم رکے رہے - جونہی قریش مسلمان ہوے ' سب نے اُنکی پیروی کی ' اور اپنے اپنے وفد بھیجنا شروع کردیے - حتی کہ تمام عرب مسلمان ہوگیا - پس فرمانا " الناس تبع لقريش " لوگ جاہلیہ اور اسلام ' دونوں حالتوں میں قریش کے تابع ہوے - وہ بگڑے رہے تو سارا عرب بگڑا رہا ' وہ سنورے تو سب سنور گئے- اور یہ بالکل حق و معلوم ہے - ہمیشہ اور ہر ملک میں سردار جماعتوں اور بڑے لوگوں کا ایسا ہی اثر ملک و قوم پر ہوتا ہے - اچھی بری' ہر طرح کی باتوں میں لوگ اُنہی کی پیروی کرتے ہیں - حضرۃ ابو بکر کی روایت سے یہی حدیث مسند امام احمد میں یوں مروی ہے " بر الناس تبع لبرهم ' و فاجرهم تبع لفاجرهم " اور بیہقی نے حضرۃ علی سے روایت کیا " كان هذا الامر في حمير فنزعه الله منهم و جعله في قريش " لیکن اس سے یہ بات کیونکر ثابت ہوئی کہ مسلمانوں کا خلیفہ بجز اُنکے کوئی دوسرا ہو ہی نہیں سکتا ؟ اسلام صرف عرب ہی کا اسلام نہ تھا جس کے سردار قریش تھے - اسلام تمام عالم کیلیے اسلام ہے جسکی سرداری و ریاست صرف علم و عمل حق ہی کو ملسکتی ہے اور یہ سرداری اسلام ہی نے دلائی ہے !

(۲) امام بخاری نے جابر بن سمرۃ سے بطریق شعبہ ایک اور حدیث روایت کی ہے " سمعت النبي صلعم يقول يكون اثنا عشر اميراً - فقال كلمة لم اسمعها - فقال ابي انه قال كلهم من قريش " یہ حدیث مختلف

طریقوں اور لفظوں سے تمام اصحاب سنن و مسانید نے روایت کی ہے - صحیح مسلم میں سعدان بن عبیدہ کے طریق سے " لایزال امر الناس ماضیا ما ولیهم اثنا عشر رجلا - ثم تکلم النبی بکلمة خفیت علی - فسئلت ابی ماذا قال ؟ فقال کلهم من قریش " اور حصین بن عمران کے طریق سے " ان هذا الامر لا ینقضی حتی یمضی فیهم اثنا عشرة خلیفة " اور سماک بن حرب سے " لا یزال الاسلام عزیزاً منیعاً الی اثنی عشر خلیفة " مروی ہے - شعبی کے طریق عند ابی داؤد میں ہے " فکبر الناس و صخبوا " اور اسماعیل بن ابی خالد عن ابیه سے اُسی میں ہے " لا یزال هذا الدین قائماً حتی یکون علیکم اثنا عشر خلیفة کلهم تجتمع الامة علیه" طبرانی نے اسود بن سعید کے طریق سے اسپر زیادت کی " لا یضرهم عداوة من عاداهم " بعض طریق میں ہے " لا یزال هذا الامر صالحاً " اور " ماضیاً " (رواهما احمد) اور بزار و طبرانی نے ابو جحیفه سے روایت کی ہے " لا یزال امر امتی قائما حتی یمضی اثنا عشر خلیفة کلهم من قریش " یہی روایت ابوداؤد میں اس اضافه کے ساتھه ہے " فلما رجع الی منزله اتته قریش فقالوا ثم یکون ما ذا ؟ قال ثم یکون الهرج" حاصل تمام روایتوں کا یہ ہے کہ آپ آیندہ کی نسبت خبر دے رہے ہیں اور فرماتے ہیں - ضرور ہے کہ بارہ خلیفه ہوں - سب قریش سے ہونگے - کسی دشمن کی دشمنی اُنکو نقصان نہیں پہنچا سکیگی - جبتک یہ بارہ خلیفه حکمراں رہینگے ' اسلام با عزت رہیگا ' اور لوگ خوشحال -

اس طرز بیان کی وضاحت نے ظاہر کردیا کہ اس بارے میں جو کچھه کہا جارہا ہے ' اس سے صرف آئندہ کی نسبت اطلاع دینا مقصود ہے - حکم و تشریع نہیں ہے - ہم نے تمام روایات و طریق نقل کردیے - کسی روایت اور طریق سے بھی ایسا لفظ ثابت نہیں جس سے حکم و تشریع نکل سکے -

(۳) ان سب کے بعد وہ حدیث آتی ہے جسکو امام بخاری نے باب " الامراء من قریش " کی بنیاد قرار دیا ہے - تمام روایات کے ساتھه یہ حدیث سامنے رکھلی جائے ' تو پوری طرح اصلیت روشن ہو جائیگی - امیر معاویه کی مجلس میں ایک مرتبه ذکر آیا کہ عبد الله بن عمرو کہا کرتے ہیں " سیکون ملک من قحطان " قحطان میں سے ایک پادشاہ ہوگا - امیر معاویه یہ سنکر غضبناک ہوے اور خطبه دیا : " بلغنی ان رجالاً منکم یحدثون احادیث لیست فی کتاب الله و لا تؤثر عن رسول الله " الخ - مجھه تک

یہ بات پہنچی ہے کہ تم میں کچھہ لوگ ہیں جو ایسی باتیں کہتے ہیں
جو نہ تو قرآن میں ہیں نہ رسول سے ثابت ہیں " انی سمعت رسول اللہ
یقول ان ھذا الامر فی قریش ' لا یعادیھم احد ' الا کبہ اللہ علی وجھہ '
ما اقاموا الدین " میں نے رسول اللہ سے سنا ہے کہ یہ بات (یعنی حکومت)
قریش ہی میں رہیگی جب تک وہ دین قائم رکھینگے - جو اُنکی مخالفت
کرے گا ' اُلٹا رسوا ہوگا - یعنی کامیاب نہوگا -

اس روایت نے سارا معاملہ حل کردیا - معلوم ہوگیا کہ ایک خاص
وقت تک کے لیے یہ پیشین گوئی تھی' اور حرف بہ حرف پوری ہوئی -
یعنی آپ نے بتلادیا تھا کہ قریش میں جب تک دین قائم رکھنے کی
قابلیت رہیگی' حکومت اُنہی کے قبضے میں رہیگی - جو اُنکے خلاف اُٹھے گا '
ناکام رہیگا - چنانچہ ایسا ہی ہوا - جب تک عرب و قریش میں صلاحیت
رہی ' اسلامی خلافت کے وہی مالک رہے - جب اسکے اہل نہ رہے' عجم و
ترک نے یہ بار اُٹھالیا - تحکم ان تشاء تذھبکم و یات بخلق جدید' و ما ذلک
علی اللہ بعزیز (۱۶ : ۳۰) اور یستبدل قوماً غیرکم الخ - باقی رہا امیر
معاویہ کا ابن عمرو پر انکار' تو یہ بھی صحیح نہ تھا - وہ صرف یہ بات سنکر
گھبرا اُٹھے کہ دوسری پادشاہت بننے والی ہے - اصلیت پر غور نہیں کیا -
قحطانی والی حدیث بطریق رفع ثابت ہے' اور قریش والی حدیث میں
" ما اقاموا الدین" کی قید موجود ہے - پس دونوں میں کوئی تعارض نہیں -
اسی بنا پر ائمۂ حدیث نے حدیث قحطانی اور حدیث قریش میں
تطبیق دیتے ہوے صاف صاف لکھدیا کہ امارۃ قریش والی روایت تشریع
نہیں ہے - محض خبر ہے - اور وہ بھی " ما اقاموا الدین " کے ساتھہ مقید -
شیخ الاسلام لکھتے ہیں " ھذا انکار من معاویہ بلا تامل ' و الا ' فقد جاء
حدیث القحطانی مرفوعاً ' و ما ذکر فی المعارضۃ ' فھو حجۃ لما فیہ من
التقیید بقولہ : ما اقاموا الدین " اور حافظ عسقلانی نے فتح میں ابن التین
کا قول نقل کیا ہے " الذی انکرہ معاویہ فی حدیث ما یفرقہ لقولہ ما
اقاموا الدین فربما کان فیھم من لا یقیمہ فینسلط القحطانی علیہ و ھو کلام
مستقیم" (۱۳ : ۱۰۲) یعنی امیر معاویہ کا انکار کردینا انکی بے غوری کا نتیجہ
تھا - ورنہ قحطانی والی بات ثابت ہے - امیر معاویہ نے جو حدیث معارضہ
میں پیش کی ' اس کا آخری ٹکڑہ خود انہی پر حجت ہے اور
ابن عمرو کی تصدیق کر رہا ہے - یعنی اس میں " ما اقاموا الدین "

کی قید موجود ہے - اس سے ثابت ہوا کہ جب قریش میں ایسے لوگ نہ رہینگے جو دین قائم رکھہ سکیں تو پھر کوئی غیر قرشی مسلط ہو جائیگا -

(۴) صحیح بخاری کے ترجمۂ باب سے واضح ہوتا ہے کہ امام بخاری کا یہی مذہب یہی ہے - انھوں نے باب باندھا ہے " الامراء من قریش " قریش میں امارت اور امراء - اس مضمون کا باب نہیں باندھا کہ امارت ہمیشہ قریش ہی میں ہونی چاہیے -

(۵) امام بخاری نے ایک دوسری روایت اس طرح کی درج کی ہے جو مسلم وغیرہ میں بھی ہے . " لا یزال ھذا الامر فی قریش ما بقی منھم اثنان " یعنی یہ حد قریش ہی میں رہیگی جب تک دو آدمی بھی اُن میں باقی رہینگے -

اس روایت سے ہمارے بیان کی اور مزید تصدیق ہوگئی - حدیث کا منطوق صریح پیشین گوئی کا ہے - اگر اسکا یہ مطلب قرار دیا جائے کہ جب تک دو انسان بھی خاندان قریش میں باقی رہینگے ' خلافت اُنہی کے قبضہ میں رہیگی ' تو یہ واقعات کے بالکل خلاف ہے - دو کی جگہ ہزاروں قرشی انسان موجود رہے اور خلافت قریش سے نکل گئی - پس ضرور ہے کہ "ما بقی منھم اثنان" کے منطوق پر مفہوم کو ترجیح دی جائے - اور وہ یہی ہے کہ اگر قریش میں دو آدمی بھی ایسے باقی رہینگے ' جو خلافت کے اہل ہونگے ' تو کبھی خلافت کے شرف سے یہ خاندان محروم نہ ہوگا - مگر جب انقلاب حال سے ایسا وقت آجائے کہ دو آدمی بھی اہل نہ رہیں ' تو مشیت الٰہی اپنے قانون انتخاب اصلح کے مطابق دوسروں کو اس کام پر مامور فرمادیگی ' اور قریش خلافت سے محروم ہوجائینگے - چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ ایسا ہی ہوا - معتصم کے بعد سے عباسیہ کا زوال شروع ہوگیا تھا - آخر میں یہانتک پہنچ گیا کہ حکومت دوسروں کی تھی ' عباسی خلیفہ صرف اپنے عشرت کدوں کیلیے رہگیا تھا - تاہم اقتدار خلافت اُنہی کا رہا - کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ خلافت کا دعوا کرسکے - کیسی کیسی طاقتور اور باجبروت عجمی و سلجوقی حکومتیں قائم ہوئیں ؟ لیکن سب اپنا بڑا سے بڑا شرف یہی سمجھتے رہے کہ مقام خلافت سے اُنہیں خدمت و یاوری خلافت کا کوئی لقب ملجائے ' اور بس - اگر ایک قرشی ' فاطمی ' عباسی ' تن تنہا کسی ہنگامۂ و قتال سے بچکر

نکل جاتا ' تو جس گوشۂ عالم میں پہنچ جاتا ' ایک عالم اُسکے ساتھہ ہوجاتا اور اپنی حکومت قائم کرلیتا - گویا ہر قرشی کے وجود میں ایک خلافت پنہاں تھی - ایک اموی شہزادہ شام کے قتل عام سے بچکر نکلا اور اندلس ہوکر یورپ جاپہنچا - وہاں پانچ صدیوں تک کیلیے اسپین کی عظیم الشان اسلامی سلطنت قائم ہوگئی لیکن جب عرب و قریش کے تنزل و ادبار کا وہ آخری وقت آگیا کہ دو قرشی بھی دنیا میں حکمرانی کے اہل و لائق باقی نہ رہے ' تو تاریخ خلافت نے معاً صفحہ اُلٹ دیا ' اور بقلم عجم عربی و عجم قرشی خلافت کا دور شروع ہوگیا - و کان وعداً مفعولا !

(۶) اشتباہ و اضطراب کے تمام پردے اُٹھہ جاتے ہیں جب ترمذی کی وہ روایت سامنے آجاتی ہے جس میں امارت قریش کے ساتھہ دو اور باتوں کا بھی ذکر ایک ہی سلسلے اور ایک ہی اسلوب میں کیا گیا ہے ' اور گویا روایت امارت کے متن کا وہ ایک متمم و مکمل ٹکڑہ ہے جو بقیہ طرق میں رہگیا تھا ' اس طریق میں ملجاتا ہے تا کہ اسکو جوڑ کر مضمون حدیث کامل کرلیا جاے - قریش والی حدیث اگرچہ مختلف راویوں سے مروی ہے ' لیکن سب سے زیادہ اور مشہور طرق ابو ہریرہ ' جابر بن سمرہ ' اور ابن عمر پر جاکر ختم ہوتے ہیں - اور امام مسلم ' احمد ' ابو داؤد طیالسی ' بزار ' طبرانی کے تمام طریق تو حضرت ابو ہریرہ ہی کی روایت سے نکلے ہیں - انہی ابو ہریرہ سے بطریق ابو مریم انصاری ترمذی نے روایت کیا ہے : " الملك فی قریش ' والقضاء فی الانصار ' والاذان فی الحبشة " (اسنادہ صحیح) اور امام احمد کثیر بن مرہ سے یوں روایت کرتے ہیں " الخلافة فی قریش ' والحکم فی الانصار ' والدعوة فی الحبشة " (رجالہ موثقون - و ایضاً رواہ الطبرانی و البزار من وجہ آخر)

اس روایت میں ایک ساتھہ تین باتوں کا ذکر ہے - خلافت قریش میں - قضاء و حکم انصار میں - اذان و دعوۃ اہل حبش میں - پس جو معنی ایک بات کے ہونگے ' وہی بقیہ دو کے ہونگے - اور جو مطلب دو باتوں کا ہوگا ' وہی پہلی بات کا بھی ہوگا - اگر پہلی بات (یعنی قریش کی حکومت) بیان حال اور پیشین گوئی نہیں ہے - امر و تشریع ہے - تو بقیہ دو جملوں کو بھی امر و تشریع قرار دینا پڑیگا - یعنی ماننا پڑے گا کہ قاضی ہمیشہ انصاری ہی ہونا چاہیے ' اور مؤذن بجز حبشی کے دوسرا ہو نہیں سکتا - لیکن

معلوم ہے کہ آج تک نہ کسی نے ایسا کہا ' نہ یہ مطلب سمجھا ' نہ قضاء و اذان کیلیے کوئی شرعی اشتراط ملک و نسل کا تسلیم کیا گیا ہے -

پس جو مطلب اُن دو باتوں کا ہے ' وہی خلافت قریش کا بھی ہے - یا تو یہ بیان حال ہے - یعنی آنحضرۃ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایسا ہوا کہ آپ خود قرشی تھے اور مسلمانوں کے امیر و رئیس کل - قضاء پر اکثر انصار مامور ہوئے ' اور اذان حضرت بلال دیتے تھے - پس " الملک فی قریش ' و القضاء فی الانصار ' و الاذان فی الحبشہ " کی تقسیم ہوگئی تھی - یا آئندہ کی نسبت خبر ہے کہ حکومت قریشیوں کے ہاتھ میں رہیگی ' قضاء پر انصاری مامور ہونگے ' اور اکثر ایسا ہوگا کہ مؤذن حبشی ہوں - کوئی خاص آنے والا عہد پیش نظر ہوگا - اسی کی نسبت یہ خبر آپ کی زبان مبارک پر طاری ہوگئی -

(۷) اس حدیث کے جو متون و اسناد صحابہ نے اختیار کیے ہیں ' اُنکے بعد سب سے زیادہ مشہور روایت وہ ہے جسکو ابو داؤد طیالسی ' امام احمد ' ابو یعلی ' طبرانی ' وغیرہم نے حضرۃ ابو ہریرہ اور انس سے روایت کیا ہے " الائمۃ من قریش ما حکموا فعدلوا ' و وعدوا ' وفوا ' و استرحموا " اور طبرانی نے حضرۃ علی سے مرفوعاً روایت کیا ہے " الا ان الامراء من قریش ما اقاموا ثلاثا " الخ - اسی متن کو امام بخاری نے تاریخ میں اور طیالسی و بزار نے مسند میں حضرۃ انس سے یوں بھی روایت کیا ہے " الائمۃ من قریش ما اذا حکموا فعدلوا " نسائی و حاکم نے بھی ایک دوسرے طریق سے یہ روایت لی ہے - حاصل ان سب کا یہ ہے کہ فرمایا - امرا اور ائمہ قریش میں سے ہیں - جب تک ان میں عدل گستری ' ایفاء عہد ' اور رحم و شفقت کے اوصاف باقی رہینگے -

اس حدیث سے بھی ثابت ہوگیا کہ قریش کی خلافت اہلیت و صلاحیت کے ساتھ مشروط تھی - یعنی پہلے ہی سے کہدیا گیا تھا کہ جبتک صفات حسنہ اُن میں باقی رہینگے ' خلافت اُنہی کے قبضہ میں رہیگی - یہ بات نہ تھی کہ تشریعاً ہر حال میں خلافت کو اُنہی کا حق بتلایا ہو -

(۸) اس سے بھی بڑھکر یہ کہ بعض روایات میں قریش کی نسبت بصورت ظلم و جور و عدم اتباع شریعت ' سخت کلمات وعید بھی آئے ہیں - حتیٰ کہ کلمۂ " لعن " بھی آیا ہے - یہ بھی صاف صاف موجود ہے کہ

اللہ تعالیٰ اپنی سنت عادلہ کے مطابق ایسے لوگوں کو اُنپر مسلط کردیگا جنکا تسلط اُنکے لیے سخت اذیت و عقوبت کا موجب ہوگا - چنانچہ طبرانی کی سابق الذکر روایت " ما اقاموا ثلاثا " الخ میں یہ بھی ہے " ومن لم یفعل ذالک فعلیہ لعنۃ اللہ " یعنی تین وصف عدالت ' ایفاء عہد ' اور رحم و شفقت کے بیان کرکے فرمایا - اور جس نے ایسا نہ کیا تو اسپر اللہ کی پھٹکار - اور احمد و ابو یعلی نے حضرۃ ابن مسعود سے مرفوعاً روایت کیا " یا معشر قریش ! انکم اہل ہذا الامر ما لم تحدثوا ' فاذا غیرتم ' بعث اللہ علیکم من یلحاکم کما یلحی القضیب " (رجالہ ثقات الا انہ من روایۃ عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبۃ بن مسعود ' عن عم ابیہ عبد اللہ ابن مسعود ' و لم یدرکہ - و ایضاً اخرجہ احمد عن ابی مسعود الانصاری من طریق عبید اللہ و فی سماعہ نظر ' و لہ شاہد من مرسل عطاء بن یسار - اخرجہ الشافعی و البیہقی بسند صحیح) یعنی اے جماعت قریش ! جب تک تم کوئی نئی روش اختیار نہ کرو ' تم ہی اس بات کے اہل ہو - لیکن اگر تم نے اپنی حالت بدل دی تو یاد رکھو - اللہ تم پر ایسے لوگوں کو مسلط کردیگا جو تم کو چھڑی کی طرح موڑ دینگے -

پس ان روایات سے دونوں باتوں کی مزید تصدیق ہوگئی - اول یہ کہ خلافت قریش کے تمام بیانات محض خبر ہیں - تشریع و امر نہیں - ثانیاً ' پہلے سے خبر دیدی گئی ہے کہ ہمیشہ خلافت اُنہی میں نہیں رہیگی - چنانچہ حرف بہ حرف یہ پیشین گوئی پوری ہوئی ' اور قریش پر یکے بعد دیگرے ایسے لوگ مسلط ہوے ' جنہوں نے انکا سارا زور توڑ دیا - حتیٰ کہ حکومت قریش کا دنیا میں نام و نشان تک باقی نہ رہا - فصلی اللہ علی الصادق المصدوق الذی لا ینطق عن شیٔ ' الا و جاء مثل فلق الصبح !

(۹) چنانچہ یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں نے خلافت کو قریش میں مخصوص ثابت کرنا چاہا ' انکو یہی تسلیم کرنا پڑا کہ ان تمام روایات کا منطوق خبر کا ہے نہ کہ امر کا - اور کوئی حدیث ایسی قوی ظاہر الدلالۃ موجود نہیں جس سے انکا مدعا ثابت ہوسکے - وہ مجبور ہوے ہیں کہ انہی احادیث کو تاویل و توجیہ کرکے امر پر محمول کریں - حافظ ابن حجر نے قرطبی کی نسبت لکھا ہے " کانہ جنح الی انہ خبر بمعنی الامر " (۱۳ : ۱۰۵) اور ابن منیر نے کہا " و الحدیث و ان کان بلفظ الخبر فہو بمعنی الامر کانہ قال ائتموا بقریش خاصۃ " (ایضاً) پس اسپر سب متفق

ہیں کہ الفاظ حدیث میں صورت خبر کی ہے - امر کی نہیں - اور جب کوئی دلیل قوی و ظاہر موجود نہیں - نہ قرآن میں ' نہ سنت میں ' نہ اقوال صحابہ میں ' تو پھر کیا مجبوری پیش آئی ہے کہ نہ تاویلات اختیار کی جائیں ' اور نص کو بدا رجحہ ظاہر و منطوق سے مصروف کیا جائے ؟

(۱۰) اس حدیث کی تمام روایات و طرق پر ہم نے نظر ڈال لی - اسے صرف دو روایتیں اور رہگئیں جو مناقب قریش میں آئی ہیں ' اور جن سے بعض لوگوں نے استدلال کیا ہے - بیہقی و طبرانی نے جبیر بن مطعم اور ابن سائب سے روایت کیا " قدموا قریشا و لا تقدموھا " یعنی قریش کو مقدم رکھو - یا زیادہ سے زیادہ یہ کہ قریش کو ہر بات میں آگے رکھو - خود پیچھے رہو -

لیکن قطع نظر قوت و ضعف روایت کے ' اس سے بھی یہ بات نہیں نکلتی کہ قریش کے سوا دوسرے کی خلافت جائز نہیں - قریش کو عرب میں ہر طرح تقدم و ریاست حاصل تھی - لوگ انکی ریاست سے متاثر تھے - پس فرمایا کہ اس بات کا لحاظ رکھا کرو - اس سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ امامت و خلافت کے حقدار ہمیشہ قریش ہی ہیں ؟

دوسری روایت امام احمد نے عمرو بن العاص سے روایت کی ہے - آنحضرت نے فرمایا " قریش قادۃ الناس " قریش لوگوں کے سردار ہیں - لیکن اسکو بھی اختصاص خلافت کے سوال سے کوئی تعلق نہیں - یہ تو معلوم ہے کہ سردار قوم تھے - لیکن اسکا حکم کہاں ہے کہ مسلمانوں کا خلیفہ صرف انہی میں سے ہوسکتا ہے ؟ کیا ایک ایسے اہم مسئلہ کیلیے اس طرح کی باتیں " نص " کا کام دیسکتی ہیں ؟

(۱۱) باقی رہی حدیث " الائمۃ من قریش " اور یہ استدلال کہ حضرۃ ابوبکر نے سقیفۂ بنی ساعدہ کے مجمع میں بر خلاف انصار پیش کی اور سب نے تسلیم کرلیا ' تو اس سے بھی شرعاً اختصاص قریش کے دعوے کو کوئی مدد نہیں ملسکتی -

اولاً ' یہ الفاظ اور حضرت ابوبکر والی روایت بطریق اتصال ثابت ہی نہیں - فتح الباری میں ہے " الائمۃ من قریش - رجالہ رجال الصحیح لکن فی سندہ انقطاع " (۱۳ : ۱۰۱)

ثانیاً ' اس سے بھی یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ خلافت کا شرعاً حق بجز قریش کے اور کسی مسلمان کو نہیں ؟ یہ بھی آیندہ کی نسبت خبر ہے '

اور انہی حدیثوں کا ایک ٹکڑہ ہے جو دوسرے طریقوں سے صریح پیشین گوئی کے لفظوں میں پڑھ چکے ہو - حضرۃ ابوبکر نے یہ بات اسلیے پیش کی تھی کہ پیشتر سے ہونے والے واقعات کی خبر دیدی گئی ہے - پس ایسا ہی ہونا ضروری ہے - اسکے خلاف بات نہ اٹھاؤ - یہ سنکر انصار مایوس ہوگئے اور تسلیم کرلیا -

ثالثاً " الناس تبع لقریش " والی روایت سے مدد لی جاے تو بالکل کھل جاتا ہے کہ سقیفہ میں حضرت ابوبکر کا استدلال صرف قریش کی بزرگی وعظمت اور عرب میں انکی ریاست و سرداری سے تھا - نہ کہ شرعاً شرائط امامت سے - وہ بتلانا چاہتے تھے کہ خود آنحضرت نے فرمادیا ہے - جاہلیۃ اور اسلام ' دونوں میں لوگ قدرتی طور پر قریش کی سرداری سے متاثر ہیں اور رہینگے ' اسلیے یہ معاملہ بھی انہی کے قبضہ میں رہیگا - چنانچہ حضرۃ ابوبکر کا یہ مشہور جملہ اس مطلب کو پوری طرح کھول دیتا ہے جو سقیفہ میں کہا تھا " ان العرب لا تعرف هذا الامر لغیر هذا الحی " یعنے اہل عرب قریش کے سوا اور کسی قبیلہ کی سرداری سے آشنا نہیں - پس یہاں سرے سے شرائط شرعیہ کا سوال ہی نہ تھا - صرف ملکی و وقتی مصالح کی بنا پر استدلال تھا کہ کس قبیلہ و خاندان سے امام ہونا چاہیے جسکی سرداری عرب کے تمام قبائل بلا چون و چرا تسلیم کرلیں ؟

رابعاً ' یہی روایت بعض دیگر طرق سے صاف صاف خبر کی صورت میں آئی ہے - امر و تشریع کی اسمیں گنجایش ہی نہیں - ابن اسحاق نے کتاب الکبیر میں روایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکر نے سقیفہ کے مجمع میں فرمایا " ان هذا الامر فی قریش ما اطاعوا الله و استقاموا علی امره " (فتح ۱۳ ' ۱۰۳) یعنے یہ بات قریش میں رہیگی جب تک وہ اللہ کی اطاعت کرینگے اور اسمیں مستقیم رہینگے - پس معلوم ہوا کہ امام احمد والی روایت میں راوی نے بقیہ ٹکڑہ چھوڑ دیا ہے - صرف " الائمة من قریش " لے لیا - ورنہ حضرت ابوبکر نے وہی بات فرمائی تھی جو دیگر احادیث مرفوعہ میں بطور خبر کے ثابت ہوچکی ہے - علی الخصوص بخاری کی روایت معاویہ میں -

فصل

(دعوئے اجماع)

اب صرف ایک بات رہگئی - یعنی شرط اسلام کا شرط [illegible] ہونا ' اور قاضی عیاض رحمہ کا دعوئے اجماع ' [illegible] قابل غور و نظر ہیں

اولاً اس امر کا کوئی ثبوت موجود نہیں کہ صحابہ خلافت کا شرعاً مستحق صرف قریش ہی کو یقین کرتے تھے ' بلکہ اسکے خلاف شواہد موجود ہیں - امام احمد نے حضرت عمر کا قول نقل کیا ہے - اگر معاذ بن جبل مدتی وفات تک زندہ رہتے تو اپنے بعد انہی کو خلیفہ بناؤنگا - یہ ظاہر ہے کہ معاذ قرشی نہ تھے - انصار مدینہ میں سے تھے - اگر خلافت کیلئے قرشی شرط ہوتی تو حضرۃ عمر جیسا محرم اسرار خلافت کیونکر انکی خلافت کا تصور بھی کرسکتا تھا ؟ مسند امام احمد میں حضرۃ عمر کا ایک اور قول بھی ابو رافع کی روایت سے موجود ہے " او ادرکنی احد رجلین ثم جعلت ھذا الامر الیہ ' او ثقت بہ - سالم مولی حذیفہ و ابو عبیدۃ الجراح " اگر سالم مولی حذیفہ اور ابو عبیدہ الجراح میں سے کوئی ایک میری وفات تک زندہ رہتا اور خلافت اسکے سپرد کردیتا ' تو مجھے اس بارے میں پورا اطمینان و اعتماد ہوتا - اگر حضرۃ عمر صدہا صحابۂ و مہاجرین قریش کی موجودگی میں سالم مولی حذیفہ کو خلافت سپرد کردینے کا ارادہ کرسکتے ہیں ' تو پھر کسے باور کیا جاسکتا ہے کہ شرعاً خلافت غیر قرشی کو نہیں ملسکتی اور صحابہ کا اس پر اجماع ہوگیا تھا ؟

چنانچہ اس بات کا خود ائمۂ متاخرین کو اعتراف کرنا پڑا - حافظ ابن حجر قاضی عیاض کا قول نقل کرکے لکھتے ہیں " قلت و یحتاج من نقل الاجماع الی تاویل ما جاء عن عمر من ذلک - فقد اخرج امام احمد عن عمر بسند رجالہ ثقات ان ادرکنی اجلی الخ " الی ان قال " فیحتمل ان یقال لعل الاجماع انعقد بعد عمر علی اشتراط ان یکون الخلیفۃ قرشیاً ' او تغیر اجتہاد عمر فی ذلک - و اللہ اعلم " (۱۳ : ۱۰۶) یعنی یہ جو قاضی عیاض نے کہا کہ خلافت کے مخصوص

نہ قریش ہونے پر اجماع ہوچکا ہے ' تو اجماع ماننے کی صورت میں حضرۃ عمر کے قول کی تاویل کرنی پڑیگی جو امام احمد نے بسند صحیح معاذ بن جبل کے اختلاف کی نسبت روایت کیا ہے - پھر کہتے ہیں کہ اس کی یوں تاویل کی جا سکتی ہے کہ شاید یہ اجماع حضرۃ عمر کے بعد ہوا ہو - یا یوں کہا جائے کہ حضرۃ عمر کا اجتہاد اس بارے میں بدل گیا -

لیکن یہ تاویلیں جس قدر نا قابل التفات ہیں ' اہل نظر سے مخفی نہیں - اول تو جب اختصاص قریشیہ کیلیے کوئی نص شرعی موجود نہیں تو تاویل کی ضرورت ہی کیا ہے ؟ ثانیاً کہاں تو یہ دعوی کیا جاتا تھا کہ حضرۃ ابوبکر کی بیعت کے وقت سقیفہ کے مجمع ہی میں اس مسئلہ کا فیصلہ ہوگیا ' اور تمام صحابہ نے اجماع کرلیا کہ خلافت کے حقدار صرف قریش ہی ہیں - اور کہاں اب یہ تاویل کی جاتی ہے کہ حضرت ابوبکر کا پورا زمانۂ خلافت گزرگیا اور اجماع نہ ہوا ' حضرۃ عمر کی زمانۂ خلافت کے دس برس گزرگئے اور صحابہ اس حکم سے بے خبر رہے ' لیکن اسکے بعد یکایک اس پر اجماع ہوگیا ؟ پھر اگر اجماع ہوا تو کب ؟ اور کونسی دلیل اس بارے میں موجود ہے ؟

اگر سقیفۂ بنی ساعدہ میں اجماع نہیں ہوا ' نہ خلافت صدیقی کے ڈھائی سال میں یہ مسئلہ چھڑا ' اور نہ عہد فاروقی کے بہترین دس سالوں میں صاف ہوا جو فقہ و علوم کی تنظیم و تحقیق کا اصلی عہد تھا ' تو پھر کیا یہ اجماع اُس وقت منعقد ہوا جب حضرت عثمان کی شہادت کا ہنگامہ ہوا تھا ' یا اُسوقت جب جمل و صفین کے میدان کارزار گرم ہوئے تھے ؟

اصل یہ ہے کہ واقعات کے تسلسل و تواتر سے خود بخود ایسے اسباب پیدا ہوگئے کہ لوگوں کو اجماع کا خیال پیدا ہوگیا - یعنی چونکہ ابتدا سے خلافت پر قریش ہی کا قبضہ ہوا ' اور یکے بعد دیگر تمام سلاسل حکومت قرشی ہی ہوئے ' اس لیے لوگوں نے سمجھ لیا کہ شرعی فیصلہ بھی یہی ہے ' اور اس پر اجماع ہوگیا ہے - ورنہ اجماع صحابہ کا کوئی ثبوت موجود نہیں - اور نہ عرصہ تک کسی خاص خاندان میں حکومت کا رہجانا دلیل تشریع و انعقاد اجماع ہوسکتا ہے - خود خلفاء عباسیہ کے عہد میں متعدد غیر قرشی مدعی اُٹھے ' اور بعضوں کا ساتھ ہزاروں مسلمانوں نے دیا - وہ نہ خوارج میں سے تھے - نہ معتزلہ میں - مگر یقین کرتے تھے کہ غیر قرشی خلیفہ ہوسکتا ہے - حجاج کے زمانہ میں ابن الاشعث نے خروج کیا اور امیر المومنین کا لقب اختیار کیا - حالانکہ قرشی نہ تھا -

اندلس اور افریقہ میں عبد المومن صاحب ابن تومرت نے حکومت کے دعوے کے ساتھ حکومت قائم کی اور اسکی نسل میں عرصہ تک قائم رہی - ابن تومرت کی نسبت کون کہہ سکتا ہے کہ معتزلی تھا ؟ وہ امام غزالی کا شاگرد اور پکا اشعری تھا - عقائد اشعرہ میں اسکا ایک رسالہ موجود ہے - مراکشی نے تاریخ مراکش میں تصریح کی ہے کہ وہ معروف میں اشعری اسکے ذریعہ پھیلی اور اسی لیے خاندان عبد المومن کا سرکاری مذہب ہمیشہ اشعری رہا - لیکن یہ لوگ بھی قرشی نہ تھے - عشرہ قریش خود ائمۂ اشعرہ میں سے بعض نے اس شرط سے انکار کیا ہے - جیسا کہ امام ابوبکر باقلانی کی نسبت ابن خلدون نے تصریح کی ہے - پس غور کرنا چاہیے کہ جس اجماع کی نسبت دعوا کیا جا رہا ہے ' اور جو کبھی حضرت ابوبکر کی بیعت سے پہلے مجلس سقیفہ میں رونما ہوتا ہے ' کبھی وہاں سے روپوش ہوکر ساڑھے گیارہ برس تک مفقود ہو جاتا ہے اور حضرت عمر عبد قرشی کے استخلاف کا ارادہ کرنے لگتے ہیں ' پھر انکے بعد یکایک نمایاں ہونا چاہتا ہے ' لیکن پھر بھی اسکا کچھ پتہ نہیں چلتا - حتی کہ عہد راشدین کو ہزاروں مسلمان خلیفہ مان لیتے ہیں ' اور ائمۂ عقائد و کلام مختلف وہ نظر آتے ہیں ' فی الحقیقت اسکا کوئی وجود ہے بھی یا نہیں ؟

حقیقت یہ ہے کہ نہیں ہے -

ثانیاً ' یہ ظاہر ہے کہ قریش میں خلافت ہونے کی نسبت جو کچھ فرمایا گیا ' وہ محض آیندہ کی پیشتر سے اطلاع تھی - یعنی پیشین گوئی تھی - اور پیشین گوئیوں کا یہ حال ہے کہ جب تک انکا ظہور کامل طور پر نہ ہو جائے ' انکے معانی و مطالب کی نسبت کسی قطعی رائے کا اختیار کرنا مشکل ہوتا ہے - اجتہاد و قیاس کیلیے کسی چیز میں اتنی وسعت نہیں جسقدر پیشین گوئیوں میں ہوتی ہے - علی الخصوص جبکہ عموماً پیشین گوئیوں کا ایک خاص مبہم انداز بیان ہوتا ہے ' اور نہایت اجمال و اختصار کے ساتھ محض اشارات کیے جاتے ہیں - جب تک انکا ظہور نہ ہو جائے ' اشارات کی تفصیل اور اوصاف کے انطباق میں طرح طرح کی لغزشیں پیش آجاسکتی ہیں -

ظہور دجال کی پیشینگوئی اس معاملہ کیلیے ایک واضح مثال ہے - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کے تمام غیر معمولی اوصاف بیان کردیے تھے - تا ایں ہمہ خود صحابۂ کرام میں اختلاف ہوا ' اور اپنے عہد کے مختلف اشخاص کو

محض رضا کے اشارات ہی رضا سے دجال سمجھتے رہے - آنحضرۃ کے زمانے ہی میں ابن صیاد کی نسبت حضرۃ عمر کو خیال ہوا تھا - حتی کہ اسکو قتل کرنا چاہا جیسا کہ امام بخاری کی روایت ابن عمر مندرجہ کتاب الجنائز میں موجود ہے - اور ایک دوسری روایت مندرجہ کتاب الاعتصام بالسنۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرۃ عمر کو اسپر اسدرجہ یقین تھا کہ قسم کھا کر کہتے تھے - یہی دجال ہے - اور اسی لیے ابن جابر کو بھی اسپر پورا یقین تھا " روایت جابر بن عبد اللہ یحلف باللہ ان ابن الصیاد الدجال " اسی طرح ابو داؤد کی روایت نافع میں حضرۃ عبد اللہ بن عمر کی نسبت روی ہے کہ قسم کھا کر کہتے تھے " واللہ ما أشک ان المسیح الدجال ھو ابن صیاد " ایک دیگر صحابہ کو اس سے اختلاف ہے - ابو سعید خدری سے جب ابن صیاد کی صحبت ہوئی تو انکا شک دور ہوگیا حتی کہ معذرت کرنے کیلیے آمادہ ہوگئے (کما فی المسلم) اور مسلم میں قصہ تمیم داری موجود ہے جسکی بنا پر لوگوں کو ابن صیاد کے دجال ہونے سے انکار تھا -

پس چونکہ یہ بدیہی کوئی تھی ' اسلیے مشکل تھا کہ جب تک تمام واقعات پوری پوری طرح ظاہر نہ ہو جائیں ' انکا ٹھیک ٹھیک مطلب متعین کیا جا سکے - خلافت کا یہ حال رہا کہ گو ابتدا سے بہت مدعی تھے ' مگر فی الجملہ پورے صدی ہجری تک قریش ہی میں رہی ' اور اسی بات کی احادیث میں خبر بھی دی گئی تھی - جس علماء کی رائے پیش کی جاتی ہے ' وہ سب وہی ہیں جنکا ظہور ساتویں صدی اور اُس سے پیشتر یعنی عہد خلافت قریش میں ہوا - پس ضرور تھا کہ معاملۂ خلافت کو ابتدا سے قریش ہی میں محدود دیکھکر یہ خیال پیدا ہو جاتا کہ خلافت اسی خاندان سے شرعاً بھی مخصوص ہے ' اور یہی مطلب تمام احادیث کا ہے - اگر وہ بعد کا حال دیکھتے تو معلوم کرجاتے کہ مقصود تشریع و حکم نہ تھا - محض خبر دی گئی تھی - وہ ان حدیثوں کا مطلب صرف اپنے وقت تک کے حالات کی روشنی ہی میں دیکھ رہے تھے ' اور اسکے لیے معذور و معذور تھے -

حافظ نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں " و قد ظہر ما قالہ صلعم - فمن رمدہ الی الآن الخلافۃ فی قریش من غیر مزاحمۃ لہم فیہا ' و بقی کذالک ما بقی منہم اثنان " (جلد ۲ : ۱۲۹) یعنی جیسا فرمایا تھا ' ویسا ہی

ہوا - آنحضرت صلعم کے زمانے سے ابتک خلافت بعد کسی وقت کے قریش ہی میں رہی - اور آئندہ بھی ہمیشہ اُنہی میں رہیگی جبتک دو قرشی بھی دنیا میں باقی رہینگے -

حافظ نووی کا سال وفات سنہ ۶۷۶ھ ہے - اور سال پیدایش سنہ ۶۳۱ - اس سے بھی پہلے - آخری خلیفۂ بغداد المستعصم کو ہلاکو نے سنہ ۶۵۶ میں قتل کیا - پس گو اُنکی وفات سنہ ۶۷۶ کے بعد ہوئی ' لیکن تصنیف و تالیف کا زمانہ مستعصم کی خلافت ہی کا زمانہ ہے - اگر شرح مسلم وغیرہ بالکل آخری عمر کی تصنیف ثابت ہوجائے تو پھر خلفاء عباسیۂ مصر کا زمانہ ہوگا کہ فی الجملہ قریش کی خلافت قائم تھی - پس وہ اپنے زمانے تک خلافۂ کو صرف قریش ہی میں قائم دیکھکر احادیث باب کے اسی مطلب پر قانع اور جمے ہوئے ہیں ' اور اسی لیے " ما بقی منہم اثنان " کا بھی یہی مطلب سمجھتے ہیں کہ جب تک خاندان قریش کے دو انسان بھی دنیا میں باقی رہینگے ' خلافت اُنہی میں رہیگی -

لیکن اگر اُنکو اپنے بعد کا حال معلوم ہوتا تو کیا ایسا دعوا کرسکتے تھے ؟ کیا اُس صورت میں اپنی تمام رائے پر نظر ثانی نہ کرتے ؟ وہ کیا جانتے تھے کہ عنقریب صفحۂ اُلٹنے والا ہے ' اور خلافت نہ صرف قریش سے ' بلکہ عرب ہی سے رخصت ہو جانے والی ہے -

اس سے بھی زیادہ بہتر مثال حافظ سیوطی کی ہے - حافظ موصوف عباسیۂ مصر کے آخری عہد میں تاریخ الخلفاء اور حسن المحاضرہ لکھہ رہے ہیں - یعنی ہزارویں صدی کے اوائل میں - چونکہ اسوقت تک مصر میں عباسی خاندان منصب خلافت پر ممتاز تھا ' اور گو عالم اسلامی بہت سی نئی عجمی حکومتوں میں بٹ چکا تھا ' تاہم لقب خلافۃ بجز عباسیۂ مصر کے اور کسی کے قبضہ میں نہ تھا ' اسلیے انہوں نے تاریخ الخلفاء کے ابتدا میں ایک باب باندھا ہے " احادیث المبشرۃ بخلافۃ بنی العباس " اسمیں وہ تمام روایتیں جمع کی ہیں جنمیں عباسیہ کو خلافت پانے کی بشارت دی ہے ' اور کہا ہے کہ تمہاری خلافت حضرۃ عیسی کے نزول تک رہیگی - چنانچہ ابو نعیم کی روایت میں ہے - جب حضرۃ عبد اللہ بن عباس پیدا ہوئے تو آنحضرۃ نے فرمایا "ھو ابو الخلفاء حتی یکون منہم السفاح حتی یکون منہم المہدی ' حتی یکون منہم من یصلی بعیسی بن مریم "

یعنی آپنے فرمایا عبد اللہ بن عباس خلفاء کا باپ ہے یہانتک کہ انہی خلفاء میں سے سفاح ہوگا ' اور انہی میں سے مہدی ہوگا ' اور انہی میں وہ ہوگا جو حضرت عیسی کے ساتھہ نماز پڑھیگا -

اگرچہ یہ تمام روایتیں قطعاً جھوٹی ہیں - ابو مسلم خراسانی وغیرہ عباسی داعیوں کی بنائی ہوئی ہیں ' اور تمام ائمۂ حدیث و نظرے انکے جزافات و وضعی ہونے پر اتفاق کیا ہے - لیکن چونکہ اُسوقت تک عباسیوں میں خلافت کا التباس باقی تھا ' اور واقعات کی بنا پر اس پیشین گوئی کی تکذیب نہیں ہو سکتی تھی - نیز عباسی خلافت کا حاکمانہ اثر ان روایات کی مقبولیت کا باعث ہورہا تھا ' اسلیے حافظ سیوطی انکے لیے ایک خاص باب قائم کرے ہیں' اور اگر کسی روایت کو سنبھالنے کا ذرا سا بھی موقعہ ملجاتا ہے تو نہیں چوکتے- چنانچہ ابو نعیم اور دیلمی کی روایات سے کچھہ تعرض نہیں کیا ہے ' حالانکہ حافظ مزی ' ابن دقیق العید ' ابن کثیر ' وغیرہم نے صحت انکار کیا ہے ' اور ابن جوزی کتاب الموضوعات میں لائے ہیں- اس سے بھی بڑھکر یہ کہ دیباچہ میں تنویر کی خلافت پر بحث کرتے ہوئے ان احادیث سے یقین کے لہجہ میں استدلال کرتے ہیں " ان الحدیث ورد بان ھذا الامر اذا وصل الی بنی العباس لا یخرج عنھم حتی یسلمون الی عیسی بن مریم او المھدی " (تاریخ الخلفا ۸۰) یعنی یہ بات حدیث میں آچکی ہے کہ جب خلافت آل عباس تک پہنچیگی تو پھر اُنہی کے قبضہ میں رہیگی - یہانتک کہ وہ حضرت عیسی یا امام مہدی کے سپرد کردیں -

لیکن اگر حافظ سیوطی پچیس برس اور زندہ رہتے اور دیکھہ لیتے کہ خلافت و حکومت کا نام و نشان تک عباسیہ میں باقی نہ رہا ' تو پھر اُنکو پورا پورا یقین ہوجاتا کہ عباسیہ کو آخر عہد تک خلافت و بادشاہت کی کوئی بشارت نہیں دی گئی ہے ' اور یقیناً یہ تمام حدیثیں وضعی ہیں جیسا کہ ائمۂ اثر فیصلہ کرچکے ہیں -

چنانچہ یہ بات صاف صاف تتبع و نظر سے واضح ہوجاتی ہے کہ خلافت عباسیۂ بغداد کے تنزل اور عجمی حکومت کے ظہور و عروج کے ساتھہ ہی علماء کی آراء میں بھی تدریجی تغیر شروع ہوگیا تھا ' اور اشتراط قرشیہ میں وہ زور باقی نہ رہا تھا ' جو قاضی عیاض وغیرہ کی مصنفات میں پایا جاتا ہے - اکثر

علماء نے جب دیکھا کہ " ما اوصوا بدین " کی شرط کا ضرور شروع ہوگیا ہے اور حکومت فرنس کے قبضہ سے نکل گئی ہے ' تو انکی رائے بدل گئی ' اور قاضی عیاض والے اجماع کے دعوے میں داخل کرنے لگے - علامہ ابن خلدون (المتوفی سنہ ۷۳۲) مقدمۂ تاریخ میں شرط قرشیہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں : " لما ضعف امر قریش ' وتلاشت عصبیتهم لما نالهم من الترف والنعم ولما انقسمهم الدولة في سائر اقطار الارض ' عجزوا عن حمل الخلافة ' وتغلبت عليهم الاعاجم وصار الحل والعقد بهم ' فاشتد ذلک علی کثیر من المحققین ' حتی ذهبوا الی نفی اشتراط القرشیة وعولوا علی ظواهر في ذلک مثل قوله صلعم اسمعوا واطیعوا وان امر علیکم عبد حبشی ما اقام فیکم کتاب الله " یعنی جب قریش کی قوت کمزور ہوگئی - عیش پرستیوں میں پڑکر اپنی عصبیت مٹا دی - خلافت کا بوجھ اٹھانے سے عاجز ہوگئے ' تو عجمیوں نے اُنپر غلبہ حاصل کرلیا ' اور خلافت کا فیصلہ اُنہی کے ہاتھوں میں چلا گیا - یہ انقلاب دیکھکر بہت سے محققین کے نزدیک قرشیہ کی شرط مشتبہ ہوگئی - یہانتک کہ انہوں نے اس شرط سے انکار کردیا - انتہی -

اشاعرہ کے امام الائمہ قاضی ابوبکر باقلانی نے بھی یہی مذہب اختیار کیا تھا کہ قرشیہ کی شرط ضروری نہیں - یہی ابن خلدون لکھتے ہیں " ومن القائلین بنفي اشتراط القرشیة ' القاضی ابوبکر الباقلانی "

عباسیہ بغداد کے انقراض کے بعد مصر میں عباسی خلافت کا دوسرا دور شروع ہوا ' اسلئے اس عہد کے علماء مصر نے (مثلاً حافظ ابن حجر ' قاضی عبدی ' جلال الدین سیوطی وغیرہم) قرشی خلافت کو فی الجملہ قائم پایا - لیکن جب یہ نقش بھی مٹ گیا ' اور وہ زمانہ آیا جسکی خبر دیدی گئی تھی کہ " بعث الله علیکم من یلحاکم کما یلحی القضیب " تو جو اہل نظر اس انقلاب کے بعد پیدا ہوئے ' انہوں نے صاف صاف لکھدیا کہ اشتراط قرشیۃ کا کوئی ثبوت نہیں ' اور نہ خلافت قریش کا وہ مطلب ہے جو ابتک سمجھا جاتا تھا - چنانچہ تیرھویں صدی کے مشہور مجدد فقہ وحدیث امام شوکانی یمنی نیل الغمام میں شرط قرشیۃ کے دلائل نقل کرکے لکھتے ہیں " لاریب ان فی بعض هذه الالفاظ ما یدل علی الحصر ' ولکن قد خصص مفهوم الحصر احادیث وجوب الطاعة لغیر القرشي " الی ان قال " والاخبار منه صلعم بان الائمة

من قریش ' هو کالاخذ من بنی عدنان فی الحدیث و القضاء فی الارد ' و ما هو الجواب عن هذا ' فهو الجواب عن ذلک - و تخصیص کون الائمة من قریش بعض بطونهم ' لا یتم الا بدلیل ' و الاخذ بما وقع علیه الاجماع لا شک انه احوط ' و اما انه یحتم المصیر الیه ' فلیس بواضح ' و لو صح ذلک ' لزم بطلان اکثر ما ذکروه من المسائل و المقام و المراکز ' و ما احقه بان لا یکون کذلک " یعنی اگرچہ امامت قریش کی روایات میں ایسے الفاظ نہیں جیسے قریش کی خصوصیت معلوم ہوتی ہے ' لیکن وجوب طاعت امام کے عام احکام کتاب و سنہ میں موجود ہیں - وہ دلالت کرتے ہیں کہ غیر قرشی کی بھی اطاعت امیر قرشی ہی کی طرح واجب ہے - باقی رہی یہ بات کہ آنحضرت نے قریش میں امامت کی حد دی ' تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپکے سوا کوئی دوسرا امام ہو ہی نہیں سکتا - یہ ویسی ہی حد ہے جیسی اس بارے میں حد دی کہ اذان کا کام اہل حبش میں ہے اور قضاء اردنیوں میں - جس طرح ان روایتوں سے یہ بات نہیں نکلتی کہ مؤذن اور قاضی صرف حبشی اور اردنی ہی ہونے چاہئیں ' اسی طرح یہ بات بھی ثابت نہیں ہوتی کہ امام صرف قرشی ہی ہوسکتا ہے - جو جواب انکا دیا جائیگا ' وہی اسکا ہوگا -

یہ واضح رہے کہ جن جن علماء حدیث و کلام کے اقوال سے یہ اجماع ثابت کیا جاتا ہے ' وہ سب کے سب اسی عہد کے ہیں جبکہ خلافت عباسی قائم تھی - بعد والوں نے جو کچھہ لیا ہے ' انہی سے لیا ہے - سب سے زیادہ اعتماد اس بارے میں قاضی عیاض کے بیان پر کیا جاتا ہے جنکا قول نواوی نے شرح مسلم اور منہاج میں نقل کیا ہے - انکا سال وفات سنہ ۵۴۴ ہجری ہے -

پھر یہ بھی واضح رہے کہ اجماع کے دعوے نے عام طور پر جو وسعت اختیار کرلی ہے ' اور جس طرح بتدریج اس لفظ کا استعمال اپنے لغوی و اصولی معنی سے ہٹ کر مختلف مصطلحہ معنوں میں ہونے لگا ہے ' اسکو فراموش نہیں کرنا چاہیے - علی الخصوص فقہاء مذاہب کے استعمالات متکلمین اور ارباب اصول کے مصطلحہ اجماع سے بالکل مختلف ہیں - ہر مذہب کے فقہا بلا تامل اپنے مسلک کو " جمہور " اور " اجماع " کے لفظ سے تعبیر کر دیتے ہیں - اسمیں کسی کا مطلب کچھہ ہوتا ہے کسی کا کچھہ - صاحب ہدایہ وغیرہ کے نزدیک عدم وجوب قرأۃ فاتحہ خلف امام اور

وصیت اسفار جمہور کا قول ہے - بعضوں نے جمع کیا کہدیا - بعض سوقع و محدثین کہتے ہیں کہ قرآن و سنت ہی جمہور کا مذہب ہے اور اسی پر جماہیر علماء کا اتفاق ہے - اسی حافظ نووی کی (جو اشتراط قرشیہ کو جمہور کا مذہب بتلاتے ہیں) شرح مسلم دیکھی جائے - کس طرح شافعیہ کا ہر مذہب انکے نزدیک "جمہور" کا مذہب ہے ' اور مخالف کا ہر قول شاذ - شافعیہ اور حنفیہ کی خلافات میں بعضاً دو تہائی مسائل تو ضرور ایسے ہونگے جنکی نسبت ہر جگہ شرح مسلم میں پاؤگے " ھذا مذھب الشافعی و الجماھیر ' و خالف فیہ ابو حنیفۃ " یعنی امام شافعی اور جمہور کا مذہب یہی ہے مگر امام ابو حنیفہ نے اس سے خلاف کیا - اگر ہمارے علماء احناف حافظ نووی کی ان تمام جمہوریات و اجماعیات کو تسلیم کرلینے کیلیے طیار ہیں ' تو خبر ' اشتراط قرشیہ کا ایک اجماع اور سہی - لیکن یاد رہے کہ یہ وہی بات ہوگی '

گو مشت خاک ما ہم برباد رفتہ باشد !

ثانیاً ' ہمارا خیال ہے کہ یہ بات بھی اور بے شمار باتوں کی طرح وقت کے سیاسی اثرات کا نتیجہ تھی - یہ ظاہر ہے کہ معاملۂ خلافت ابتدا سے سخت کشمکش و تزاحم میں رہا - جو خاندان قابض ہوا ' اسکو رقیبوں اور دعویداروں کی طرف سے ہمیشہ کھٹکا لگا رہا - پس جبکہ خلافت اہل عرب کے ہاتھ میں تھی ' تو وہ کیسے گوارا کرسکتے تھے کہ عجمیوں کے زلزلوں کی اس بارے میں جرأت افزائی کی جائے ؟ اور عرب میں سے بھی جب خاص خاندان قریش میں تھی جو ہر طرح سیادۃ و بزرگی رکھتا تھا ' تو وہ کیونکر پسند کرسکتے تھے کہ غیر قرشی خلافت کا وجود تسلیم کرکے غیر قرشیوں کو ہمتیں دلائی جائیں اور مادی طاقت کے ساتھ شریعت کی حمایت کا سہارا بھی انہیں حاصل ہوجائے ؟ بخاری کی روایت میں پڑھچکے ہو کہ امیر معاویہ نے قحطانی پادشاہ کے ظہور کی روایت سنی تو کس درجہ مضطرب اور غضب ناک ہوئے ؟ اور کسطرح فوراً قرشی والی روایت کا اعلان کردیا تاکہ پہلے ہی سے سد باب ہوجائے ؟ جن علماء کے اقوال پر متاخرین فقہاء و متکلمین کا اعتماد ہے ' وہ سب کے سب وہی ہیں جنکا ظہور آخر عہد عباسیہ میں ہوا ہے جب قرشی خلافت قائم تھی - مثلاً قاضی عیاض و امام نووی و غیرہم - پس وقت کی حکومت کا جو پولیٹکل اثر سب پر پڑ رہا تھا ' وہ بھی یہی تھا کہ خلافت کو حکمران خاندان کی قوم اور

حالات ن سے مخصوص سمجھا جائے اور تمام ایسی باتوں میں جس میں اجتہاد رائے کو دخل ہو ' مکرر و قیاس کا میدان قدرتی طور پر اُسی جانب ہو جائے - علی الخصوص جبکہ اسکے لئے کسی غلط بیانی یا تحریف احکام کی ضرورت نہ تھی - واقعی احادیث موجود تھیں - صرف مفہوم کی تعیین میں اجتہاد کو کام کرنا تھا - اس مسئلہ پر موقوف نہیں ' وقت کے پولیٹکل اثرات کے شمار چیزوں میں اندر ہی اندر کام کرچکے ہیں ' اور آج اُنکا پتہ لگانا بہت دشوار ہوگیا ہے - ساتویں صدی ہجری میں جب خلافت بغداد کا خاتمہ ہوگیا ' تو آہستہ آہستہ اس اثر سے انکار خالی ہونے لگے ' اور بتدریج بحث و نظر کی صورت دوسری ہوگئی - حافظ عسقلانی اور قاضی عینی جو آٹھویں صدی میں یا نویں کے اوائل میں بخاری کی شرح لکھ رہے ہیں ' اُنکے مباحث پڑھو تو قاضی عیاض اور دواری سے اُنکا رنگ مختلف نظر آئیگا -

قاضی عینی بخاری کی حدیث معاویہ " ما اقاموا الدین " کی شرح میں لکھتے ہیں " ای مدة اقامتهم امور الدین - قیل یحتمل ان یکون مفهومه واذا لم یفعلوه لا یسمع لهم " یعنی یہ جو حدیث میں ہے کہ " جب تک دین قائم رکھینگے " تو اسکا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ جب وہ وقت آجائے کہ قریش اقامت دین نہ کریں تو اُنکی بات نہیں سنی جائیگی - حافظ عسقلانی گو اشتراط قرشیۃ سے صاف صاف انکار نہیں کرتے - لیکن طرز بحث و نظر کے اضطراب و ضعف نے خود بخود مسئلہ کا مخالف پہلو دریافت کردیا ہے اور یہ یک نظر واضح ہوجاتا ہے کہ وہ اس بارے میں کوئی مضبوط رائے نہیں رکھتے اور اگر مائل ہیں تو انکار کی طرف - اشتراط قرشیۃ کے مویدین کے جس قدر دلائل ہیں ' اُن میں سے کوئی دلیل ایسی نہیں جس پر اُنھوں نے سنگین اعتراضات نہ کیے ہوں اور وہ مجروح ہوکر نہ رہگئی ہو - جو صاحب مزید بصیرت حاصل کرنی چاہیں ' فتح الباری جلد ۳ - کتاب الاحکام کے ابواب " الامراء من قریش " اور " السمع و الطاعة للامام " ملاحظہ فرمائیں -

غرضکہ جہاں تک تمام احادیث و دلائل پر نظر ڈالی جاتی ہے ' اشتراط قرشیہ کیلیے کوئی نص موجود نہیں ' اگرچہ بصورت اشتراط بھی موجودہ مسئلۂ خلافت پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا - موجودہ مسئلہ انتخاب امام کا نہیں ہے - امام قائم و نافذ کی امامت و اطاعت کا ہے -

باب

خدوم آل عثمان

فصل

(حدود لمحات تاریخیہ)

اب بہتر ہوگا کہ تھوڑی دیر کیلیے ہم آگے بڑھنے سے رک جائیں ' اور گذشتہ تیرہ صدیوں کی طرف مڑ کے دیکھیں کہ خلافت اسلامیہ کے مختلف دوروں کا کیا حال رہا ہے ؟

" الخلافۃ بعدی ثلاثون سنۃ " (میرے بعد خلافۃ خاصہ ۳۰ برس تک رہیگی) کی خبر کے مطابق خلفاء راشدین کا دور ۳۰ - برس تک رہا - سنہ ۱۱ - ھجری سے شروع ہوا اور ٹھیک سنہ ۴۱ - تک باقی رہا - اسی سنہ سے بنو امیہ کی خلافت کا دور شروع ہوتا ہے اور سنہ ۴۱ - ھ سے سنہ ۱۳۲ - ھ تک قائم رہتا ہے - اسکے بعد خلافت نے ایک نیا ورق الٹا ' اور خاندان عباسیہ کا سلسلہ شروع ہوا - خلافت کا سب سے بڑا سلسلہ یہی ہے جو سنہ ۱۳۲ - سے ۹۵۲ - ھ تک قائم رہا - چونکہ کامل پانچ صدیوں تک حکمرانی ایک ہی گھرانے میں رہی ' اسلیے وہ تمام ذہنی و جسمانی اور اجتماعی و مدنی فسادات کمال درجہ تک پیدا ہوگئے ' جو ہمیشہ امتداد سلطنت اور عروج تمدن کے لازمی نتائج رہے ہیں - قریش کی نسبت فرمایا تھا " ما اقاموا الدین " جب تک وہ دین قائم رکھینگے ' حکومت انہی میں رہیگی - سو اب ٹھیک ٹھیک وہ وقت آگیا تھا - قریش و عرب میں دین قائم رکھنے کی صلاحیت مفقود ہوگئی تھی - قدام دین کا کام دوسری قومیں اور طاقتیں انجام دے رہی تھیں - پس وہی ہوا جو تاریخ عالم کے ہر ایسے دور میں ہوتا آیا ہے - سنہ ۶۵۶ - میں ہلاکو خان تاتاری نے بغداد پر حملہ کیا اور آخری خلیفۂ عباسی المستعصم

بالله کے خون نے بہکر همیشه کیلیے عربی و قرشی حکومت کے خاتمه کا اعلان کردیا - مستعصم کا قتل فی الحقیقت عربی خلافت کا قتل تها : (۱)

وما کان قیس هلکه هلك واحد
ولکنه بنیان قوم تهدما !

یه سب کچهه هوچکا ' مگر ابهی پیشین گوئی کی ایک آخری سطر باقی تهی - یعنی " ما نفی صنهم انسان " قریش سے حکومت نکل جائیگی - پر نکل جانے پر بهی اُنکی عظمت رفته کا یه اثر باقی رهیگا که اگر یه قرشی بهی کسی گوشه میں نکل آئینگے تو لوگ خلافت کا اُنهی کو مستحق مانینگے - بغداد میں قرشی خلافت مٹی ' لیکن مٹتے مٹتے بهی ایک آخری نقش چهوڑ گئی - وه بغداد کی خون آلود خاک سے اُٹهرا اور بدن سو برس تک کیلیے مصر میں جاکر جم گیا - البته یه جماعۂ قرشی حکومت کا جماڑ نه تها - محض اس کے نقش قدم کا تها :

گو که هم صفحهٔ هستی په یے اک حرف غلط
لیکن اُٹهے بهی تو اک نقش بنها کے اُٹهے !

---

(۱) فتنهٔ تاتار کا ظهور مسلمانوں کیلیے وهی معامله تها جو بنی اسرائیل کے لیے بخت نصر کے ظهور میں تها - ثم رددنا لکم الکرة علیهم وامددناکم باموال وبنین وجعلناکم اکثر نفیرا - ان احسنتم احسنتم لانفسکم وان اسأتم فلها فاذا جاء وعد الآخرة لیسؤا وجوهکم ولیدخلوا المسجد کما دخلوه اول مرة ولیتبروا ما علوا تتبیرا - عسی ربکم ان یرحمکم وان عدتم عدنا وجعلنا جهنم للکافرین حصیرا - ان هذا القرآن یهدی للتی هی اقوم ویبشر المؤمنین الذین یعملون الصالحات ان لهم اجرا کبیرا - وان الذین لا یؤمنون بالآخرة اعتدنا لهم عذابا الیما - ویدع الانسان بالشر دعاءه بالخیر وکان الانسان عجولا - وجعلنا اللیل والنهار آیتین فمحونا آیة اللیل وجعلنا آیة النهار مبصرة لتبتغوا فضلا من ربکم ولتعلموا عدد السنین والحساب وکل شیء فصلناه تفصیلا - وکل انسان الزمناه طائره فی عنقه ونخرج له یوم القیامة کتابا یلقاه منشورا - اقرأ کتابک کفی بنفسک الیوم علیک حسیبا - من اهتدی فانما یهتدی لنفسه ومن ضل فانما یضل علیها ولا تزر وازرة وزر اخری وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا - واذا اردنا ان نهلک قریة امرنا مترفیها ففسقوا فیها فحق علیها القول فدمرناها تدمیرا - وکم اهلکنا من القرون من بعد نوح وکفی بربک بذنوب عبادة خبیرا بصیرا - من کان یرید العاجلة عجلنا له فیها ما نشاء لمن نرید ثم جعلنا له جهنم یصلاها مذموما مدحورا - ومن اراد الآخرة وسعی لها سعیها وهو مؤمن فاولئک کان سعیهم مشکورا - کلا نمد هؤلاء وهؤلاء من عطاء ربک وما کان عطاء ربک محظورا - انظر کیف فضلنا بعضهم علی بعض وللآخرة اکبر درجات واکبر تفضیلا - لا تجعل مع الله الها آخر فتقعد مذموما مخذولا - وقضی ربک الا تعبدوا الا ایاه وبالوالدین احسانا اما یبلغن عندک الکبر احدهما او کلاهما فلا تقل لهما اف ولا تنهرهما وقل لهما قولا کریما - واخفض لهما جناح الذل من الرحمة وقل رب ارحمهما کما ربیانی صغیرا - ربکم اعلم بما فی نفوسکم ان تکونوا صالحین فانه کان للاوابین غفورا - وآت ذا القربی حقه والمسکین وابن السبیل ولا تبذر تبذیرا - ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین وکان الشیطان لربه کفورا - واما تعرضن عنهم ابتغاء رحمة من ربک ترجوها فقل لهم قولا میسورا - ولا تجعل یدک مغلولة الی عنقک ولا تبسطها کل البسط فتقعد ملوما محسورا - ان ربک یبسط الرزق لمن یشاء ویقدر انه کان بعبادة خبیرا بصیرا - ولا تقتلوا اولادکم خشیة املاق نحن نرزقهم وایاکم ان قتلهم کان خطئا کبیرا - ولا تقربوا الزنی انه کان فاحشة وساء سبیلا - ولا تقتلوا النفس التی حرم الله الا بالحق ومن قتل مظلوما فقد جعلنا لولیه سلطانا فلا یسرف فی القتل انه کان منصورا - ولا تقربوا مال الیتیم الا بالتی هی احسن حتی یبلغ اشده واوفوا بالعهد ان العهد کان مسئولا - واوفوا الکیل اذا کلتم وزنوا بالقسطاس المستقیم ذلک خیر واحسن تأویلا - ولا تقف ما لیس لک به علم ان السمع والبصر والفؤاد کل اولئک کان عنه مسئولا - ولا تمش فی الارض مرحا انک لن تخرق الارض ولن تبلغ الجبال طولا - کل ذلک کان سیئه عند ربک مکروها - ذلک مما اوحی الیک ربک من الحکمة ولا تجعل مع الله الها آخر فتلقی فی جهنم ملوما مدحورا - افأصفاکم ربکم بالبنین واتخذ من الملائکة اناثا انکم لتقولون قولا عظیما - ولقد صرفنا فی هذا القرآن لیذکروا وما یزیدهم الا نفورا - قل لو کان معه آلهة کما یقولون اذا لابتغوا الی ذی العرش سبیلا - سبحانه وتعالی عما یقولون علوا کبیرا - تسبح له السموات السبع والارض ومن فیهن وان من شیء الا یسبح بحمده ولکن لا تفقهون تسبیحهم انه کان حلیما غفورا - واذا قرأت القرآن جعلنا بینک وبین الذین لا یؤمنون بالآخرة حجابا مستورا - وجعلنا علی قلوبهم اکنة ان یفقهوه وفی آذانهم وقرا واذا ذکرت ربک فی القرآن وحده ولوا علی ادبارهم نفورا - نحن اعلم بما یستمعون به اذ یستمعون الیک واذ هم نجوی اذ یقول الظالمون ان تتبعون الا رجلا مسحورا - انظر کیف ضربوا لک الامثال فضلوا فلا یستطیعون سبیلا - وقالوا ءاذا کنا عظاما ورفاتا ءانا لمبعوثون خلقا جدیدا - قل کونوا حجارة او حدیدا - او خلقا مما یکبر فی صدورکم فسیقولون من یعیدنا قل الذی فطرکم اول مرة فسینغضون الیک رؤسهم ویقولون متی هو قل عسی ان یکون قریبا - یوم یدعوکم فتستجیبون بحمده وتظنون ان لبثتم الا قلیلا - وقل لعبادی یقولوا التی هی احسن ان الشیطان ینزغ بینهم ان الشیطان کان للانسان عدوا مبینا - ربکم اعلم بکم ان یشأ یرحمکم او ان یشأ یعذبکم وما ارسلناک علیهم وکیلا - وربک اعلم بمن فی السموات والارض ولقد فضلنا بعض النبیین علی بعض وآتینا داود زبورا - قل ادعوا الذین زعمتم من دونه فلا یملکون کشف الضر عنکم ولا تحویلا - اولئک الذین یدعون یبتغون الی ربهم الوسیلة ایهم اقرب ویرجون رحمته ویخافون عذابه ان عذاب ربک کان محذورا - وان من قریة الا نحن مهلکوها قبل یوم القیامة او معذبوها عذابا شدیدا - کان ذلک فی الکتاب مسطورا - وما منعنا ان نرسل بالآیات الا ان کذب بها الاولون وآتینا ثمود الناقة مبصرة فظلموا بها وما نرسل بالآیات الا تخویفا - واذ قلنا لک ان ربک احاط بالناس وما جعلنا الرؤیا التی اریناک الا فتنة للناس والشجرة الملعونة فی القرآن ونخوفهم فما یزیدهم الا طغیانا کبیرا - واذ قلنا للملائکة اسجدوا لآدم فسجدوا الا ابلیس قال ءاسجد لمن خلقت طینا - قال ارأیتک هذا الذی کرمت علی لئن اخرتن الی یوم القیامة لاحتنکن ذریته الا قلیلا - قال اذهب فمن تبعک منهم فان جهنم جزاؤکم جزاء موفورا - واستفزز من استطعت منهم بصوتک واجلب علیهم بخیلک ورجلک وشارکهم فی الاموال والاولاد وعدهم وما یعدهم الشیطان الا غرورا - ان عبادی لیس لک علیهم سلطان وکفی بربک وکیلا - ربکم الذی یزجی لکم الفلک فی البحر لتبتغوا من فضله انه کان بکم رحیما - واذا مسکم الضر فی البحر ضل من تدعون الا ایاه فلما نجاکم الی البر اعرضتم وکان الانسان کفورا - افأمنتم ان یخسف بکم جانب البر او یرسل علیکم حاصبا ثم لا تجدوا لکم وکیلا - او امنتم ان یعیدکم فیه تارة اخری فیرسل علیکم قاصفا من الریح فیغرقکم بما کفرتم ثم لا تجدوا لکم علینا به تبیعا - ولقد کرمنا بنی آدم وحملناهم فی البر والبحر ورزقناهم من الطیبات وفضلناهم علی کثیر ممن خلقنا تفضیلا - یوم ندعوا کل اناس بامامهم فمن اوتی کتابه بیمینه فاولئک یقرءون کتابهم ولا یظلمون فتیلا - ومن کان فی هذه اعمی فهو فی الآخرة اعمی واضل سبیلا - وان کادوا لیفتنونک عن الذی اوحینا الیک لتفتری علینا غیره واذا لاتخذوک خلیلا - ولولا ان ثبتناک لقد کدت ترکن الیهم شیئا قلیلا - اذا لاذقناک ضعف الحیوة وضعف الممات ثم لا تجد لک علینا نصیرا - وان کادوا لیستفزونک من الارض لیخرجوک منها واذا لا یلبثون خلافک الا قلیلا - سنة من قد ارسلنا قبلک من رسلنا ولا تجد لسنتنا تحویلا - اقم الصلوة لدلوک الشمس الی غسق اللیل وقرآن الفجر ان قرآن الفجر کان مشهودا - ومن اللیل فتهجد به نافلة لک عسی ان یبعثک ربک مقاما محمودا - وقل رب ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنک سلطانا نصیرا - وقل جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل کان زهوقا - وننزل من القرآن ما هو شفاء ورحمة للمؤمنین ولا یزید الظالمین الا خسارا - واذا انعمنا علی الانسان اعرض ونأی بجانبه واذا مسه الشر کان یئوسا - قل کل یعمل علی شاکلته فربکم اعلم بمن هو اهدی سبیلا - ویسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی وما اوتیتم من العلم الا قلیلا - ولئن شئنا لنذهبن بالذی اوحینا الیک ثم لا تجد لک به علینا وکیلا - الا رحمة من ربک ان فضله کان علیک کبیرا - قل لئن اجتمعت الانس والجن علی ان یأتوا بمثل هذا القرآن لا یأتون بمثله ولو کان بعضهم لبعض ظهیرا - ولقد صرفنا للناس فی هذا القرآن من کل مثل فأبی اکثر الناس الا کفورا - وقالوا لن نؤمن لک حتی تفجر لنا من الارض ینبوعا - او تکون لک جنة من نخیل وعنب فتفجر الانهار خلالها تفجیرا - او تسقط السماء کما زعمت علینا کسفا او تأتی بالله والملائکة قبیلا - او یکون لک بیت من زخرف او ترقی فی السماء ولن نؤمن لرقیک حتی تنزل علینا کتابا نقرؤه قل سبحان ربی هل کنت الا بشرا رسولا - وما منع الناس ان یؤمنوا اذ جاءهم الهدی الا ان قالوا ابعث الله بشرا رسولا - قل لو کان فی الارض ملائکة یمشون مطمئنین لنزلنا علیهم من السماء ملکا رسولا - قل کفی بالله شهیدا بینی وبینکم انه کان بعباده خبیرا بصیرا - ومن یهد الله فهو المهتدی ومن یضلل فلن تجد لهم اولیاء من دونه ونحشرهم یوم القیامة علی وجوههم عمیا وبکما وصما مأواهم جهنم کلما خبت زدناهم سعیرا - ذلک جزاؤهم بانهم کفروا بآیاتنا وقالوا ءاذا کنا عظاما ورفاتا ءانا لمبعوثون خلقا جدیدا - اولم یروا ان الله الذی خلق السموات والارض قادر علی ان یخلق مثلهم وجعل لهم اجلا لا ریب فیه فأبی الظالمون الا کفورا - قل لو انتم تملکون خزائن رحمة ربی اذا لامسکتم خشیة الانفاق وکان الانسان قتورا - ولقد آتینا موسی تسع آیات بینات فاسئل بنی اسرائیل اذ جاءهم فقال له فرعون انی لاظنک یا موسی مسحورا - قال لقد علمت ما انزل هؤلاء الا رب السموات والارض بصائر وانی لاظنک یا فرعون مثبورا - فأراد ان یستفزهم من الارض فأغرقناه ومن معه جمیعا - وقلنا من بعده لبنی اسرائیل اسکنوا الارض فاذا جاء وعد الآخرة جئنا بکم لفیفا - وبالحق انزلناه وبالحق نزل وما ارسلناک الا مبشرا ونذیرا - وقرآنا فرقناه لتقرأه علی الناس علی مکث ونزلناه تنزیلا - قل آمنوا به او لا تؤمنوا ان الذین اوتوا العلم من قبله اذا یتلی علیهم یخرون للاذقان سجدا - ویقولون سبحان ربنا ان کان وعد ربنا لمفعولا - ویخرون للاذقان یبکون ویزیدهم خشوعا - قل ادعوا الله او ادعوا الرحمن ایا ما تدعوا فله الاسماء الحسنی ولا تجهر بصلاتک ولا تخافت بها وابتغ بین ذلک سبیلا - وقل الحمد لله الذی لم یتخذ ولدا ولم یکن له شریک فی الملک ولم یکن له ولی من الذل وکبره تکبیرا - (بنی اسرائیل ۱۷)

(۱) فتنهٔ تاتار کا ظهور مسلمانوں کیلیے وهی معامله تها جو بنی اسرائیل کے لیے بخت نصر کے ظهور میں تها - ثم رددنا لکم الکرة علیهم وامددناکم باموال وبنین وجعلناکم اکثر نفیرا - ان احسنتم احسنتم لانفسکم وان اسأتم فلها فاذا جاء وعد الآخرة لیسؤا وجوهکم ولیدخلوا المسجد کما دخلوه اول مرة ولیتبروا ما علوا تتبیرا - عسی ربکم ان یرحمکم وان عدتم عدنا وجعلنا جهنم للکافرین حصیرا - (بنی اسرائیل ۱۷ : ۶) بحکم " یأتی علی امتی ما اتی علی بنی اسرائیل حذو النعل بالنعل " (صحیحین) اس اُمت پر بهی وه سب کچهه گذرنے والا هے جو بنی اسرائیل پر گزر چکا - بنی اسرائیل پر غفلت و ضلالت کے دور سب سے بڑے دور آئے - اس لیے دور هی مرتبه عام تربادی بهی چهائی اور اُنکی تعذیب کیلیے دو جابر و قاهر قومیں مسلط هوئیں : وقضینا الی بنی اسرائیل فی الکتاب لتفسدن فی الارض مرتین ولتعلن علوا کبیرا (۱۷ : ۵) پهلی بربادی بخت نصر کے هاتهوں هوئی : عبادا لنا اولی باس شدید - اور دوسری ٹیٹس قیصر روم کے هاتهوں - معلوم هوتا هے که اسی طرح اس امت پر بهی طغیان و عصیان کے دو بڑے وقت آنے والے تهے ' اور اُنکے نتائج دو معذب قوموں کی شکل میں ظاهر هوے - قوم تاتار اور اقوام یورپ - بنی اسرائیل کی پهلی بربادی خود ایشیاء هی کی ایک قوم کے هاتهوں هوئی - یعنی اهل بابل کے هاتهوں - اور دوسری کا ظهور یورپ سے هوا - یعنی روم سے - ٹهیک اسی طرح اُس امت کیلیے بهی پهلا فتنه ایشیاء کا تها ' دوسرا یورپ کا - پهلا هوچکا - دوسرا هو رها هے -

عباسی خاندان کے دو چار آدمی بغداد کے قتل عام سے بچکر نکل گئے تھے - اُنہی میں مستعصم کا چچا احمد بن طاہر عباسی بھی تھا - وہ سنہ ۶۶۰ میں مصر پہنچا - وہاں ایوبی خاندان کے ممالیک کی حکومت قائم تھی اور ملک ظاہر بیبرس حکمراں تھا - اُسکو احمد کے خاندان کا حال معلوم ہوا تو منصب خلافت کا حقدار تسلیم کر لیا اور اُس کے ہاتھہ پر بیعت کرلی -

احمد بن طاہر نے المستنصر باللہ کا لقب اختیار کیا اور بیبرس کی مدد و اعانت حاصل کرنے کوشش کی کہ دار الخلافہ بغداد کو تاتاریوں کے تسلط سے نجات دلائے - لیکن کامیابی نہوئی اور لڑائی میں شہید ہوا -

اب پھر وہ وقت آگیا تھا کہ فرانس سے خلافت کا اندراس بالکل معدوم ہو جائے ' لیکن " ما بقی مدم اثبات " کی پیشین گوئی آخر تک اپنے عجائب دکھلانے والی تھی - قتل عام بغداد سے ایک اور عباسی شہزادہ ابو العباس احمد بن علی بچکر نکل گیا تھا اور حلب میں مخفی تھا - اُس کا حال بیبرس کو معلوم ہوا تو بڑے اعزاز و اکرام سے مصر لایا اور اس کے ہاتھہ پر بیعت کرلی - حاکم بامر اللہ کے لقب سے وہ مشہور ہوا - اسی کی نسل میں مصر کی عباسی خلافت ۲۹۱ برس تک قائم رہی - یعنی سنہ ۶۶۰ ھ سے سنہ ۹۲۳ ھجری تک -

اس عرصہ میں عالم اسلامی دو صدیوں تک طرح طرح کے انقلابات وحوادث سے تہہ و بالا ہوکر بالآخر ایک نئے دور میں منتقل ہوچکا تھا - عثمانی ترکوں کی حکومت قسطنطنیہ میں قائم ہوکر یورپ و ایشیا کے اندر ہر طرف پھیل رہی تھی - سنہ ۹۲۳ - ھ (۱۵۱۷ - مسیحی) میں سلطان سلیم خاں اول نے مصر و شام پر قبضہ کیا ' اور آخری عباسی خلیفہ المتوکل نے اُسکے ہاتھہ پر بیعت کرکے تمام حقوق و اختیارات خلافت سپرد کردیے - حقوق خلافت کے علاوہ جو چیزیں اس سلسلہ میں سلطان سلیم کو دی گئیں ' اُن میں سب سے بڑی چیز مقامات مقدسہ و حرمین کی کنجیاں تھیں ' اور بعض آثار نبویہ - مثلاً آنحضرۃ صلی اللہ علیہ و سلم کی تلوار - جھنڈا - ایک چادر - یہ آثار اسوقت تک قسطنطنیہ میں بطور سند خلافت کے موجود ہیں - اسی تاریخ سے عثمانی سلاطین نمایاں طور پر " خلیفہ " کے لقب سے دنیا میں مشہور ہوئے ' اور حجاز اور مصر و شام کے منبروں پر اُنکا ذکر بہ حیثیت امیر المومنین کے ہونے لگا - حج کی امارت بھی اُنہی کے قبضہ میں آگئی جو شرعاً خلافت کے اہم ترین فرائض میں سے ہے -

سلسلۂ خلافت کي وہ ایک مجمل تاریخ ھے - بالفرض خلیفۂ متوکل عباسي نے سلطان سلیم کے ھاتھہ پر بیعت نہ کی ھوتی ' جب بھي آئندہ پیش آنے والے واقعات کا قدرتی نتیجہ یہی تھا کہ تمام عالم اسلامی کی خلافت کا منصب عثمانی سلاطین ھی کے قبضہ میں آجاے - وقت کی جو اسلامي سلطنت سب سے بڑی اور سب سے زیادہ شرع و ملت کی حفاظت کی طاقت رکھتی ھو ' وھی شرعاً خلافت کا منصب رکھہ سکتی ھے - گذشتہ چار صدیوں کے اندر اسلامی حکومتوں کے انقلابات کا جو حال رھا ھے ' اُنکو دیکھتے ھوے کون کہہ سکتا ھے کہ نہ حق تعالی اس سلطنت کے اور کسی سلطنت کو ملسکتا تھا ؟ خود ھندوستان میں سلاطین مغلیہ کی حکومت قائم تھی - وہ ھندوستان کے اندر اپنے ھي کو امام سمجھتے تھے ' لیکن عالم اسلامي کي خلافت عظمی کا دعوی کبھی اُنکے وھم و خیال میں بھي نہیں گزرا ' اور اگر گزرتا تو دنیا مانتے کیلئے طیار نہ تھی - ابتدا سے لیکر آخر تک مقام خلافت کی جو اھم و مشترک خصوصیات رھي ھیں اور جنکو تمام دنیا کے مسلمانوں نے عملاً بطور اسناد خلافت کے تسلیم کرلیا ھے ' وہ خلفاء عباسیہ کے بعد صرف عثماني سلاطین ھی کو حاصل ھوئیں - کوئی دوسري اسلامی حکومت اس عام اقتدار و اختیارات کے ساتھہ قائم نہ ھوسکي -

فصل

(خلافت و امامت سلاطین عثمانیہ)

اس عارضي وقفہ کے بعد اب ھم پھر آگے بڑھتے ھیں - سلطان سلیم خان اول کے عہد سے لیکر آجتک بلا نزاع سلاطین عثمانیۂ ترک تمام مسلمانان عالم کے خلیفۂ و امام ھیں - ان چار صدیوں کے اندر ایک مدعي خلافت بھي اُنکے مقابلہ میں نہیں اُٹھا - بنو امیہ اور عباسیہ کے عہدوں میں بے شمار رقیبوں اور دعویداروں کی کشمکش نظر آتي ھے ' لیکن سلاطین عثمانیہ کی خلافت کی پوري تاریخ میں کسی ایک مدعي خلافت کا نام بھی ڈھونڈھکر نہیں نکالا جا سکتا - حکومت کے دعویدار سیکڑوں اُٹھے ھوں ' مگر اسلام کي مرکزی خلافت کا دعوی کوئی نہ کرسکا -

صدیوں سے اسلام و بلاد اسلام کی حفاظت کی تلوار صرف اُنہی کے ہاتھوں میں ہے - صدیوں سے صرف اُنہی کا سینہ اسلام کی راہ میں زخمی ہے ' صرف اُنہی کی لاشیں اسلام کیلئے خاک و خون میں تڑپتی ہیں ' اور صرف اُنہی کی ذمہ داری پر تمام کرۂ ارضی کے مسلمانوں نے اسلام کی مرکزی حفاظت کا کارو بار چھوڑ رکھا ہے - دنیا کے خواہ کسی گوشے میں کوئی مسلمان ہو ' اگر وہ حقیقت ایک مسلمان کے اسلام کا چوتھا رکن حج ادا کرنے کیلیے نکلتا ہے ' تو عرفات کے میدان میں کھڑے ہوکر اسکو عثمانی امامت کی دینی ریاست قبول کرنی پڑتی ہے اور حج کا فریضہ عثمانی خلیفہ ہی کے بھیجے ہوئے نائب کے ماتحت انجام دیتا ہے - شریف حسین نے غیر مسلم محاربین کا ساتھ دیکر اگر بغاوت کی اور حجاز کو قسطنطنیہ کے اقتدار حکومت سے الگ کرلیا ' تو یہ فساد و عدوان کی ایک عارضی حالت ہے جو شرعاً معتبر نہیں - حجاز حکماً اب بھی خلیفۂ قسطنطنیہ کی حکومت ہی کا ایک جزء ہے - اور تمام مسلمانان عالم کا شرعاً فرض ہے کہ حرمین کو باغیوں کے تصرف سے نکالنے کی کوشش کریں ' اور اسوقت تک کرتے رہیں جب تک بغاوت اور باغیوں کا بالکل استیصال نہو جائے - اگر ایسا نہ کرینگے تو ہر مسلمان اسکے لیے عند اللہ جوابدہ ہوگا -

تمام کرۂ ارضی کے مسلمان آرام و عیش کے دن بسر کرنے اور فارغ البالی کے بستر پر سوئے کیلیے ہیں ' لیکن صرف وہی ایک ہیں جو سارے مسلمانوں کی عزت و زندگی کے بچاؤ کیلیے صدیوں سے تلواروں کے سایے تلے زندگی کے دن کاٹ رہے ہیں ' اور چاروں طرف سے دشمنوں کی زد میں ہیں - کامل پانچ صدیوں سے یورپ اور ایشیا کا سب سے بڑا رقبہ انکے خون سے رنگین ہورہا ہے - ایک چوتھائی صدی بھی آجتک ایسی نہیں گزری کہ دشمنوں کی تلواروں نے اُنہیں مہلت دی ہو - اُنکا جرم اسکے سوا کچھ نہیں کہ جب اسلام کا محافظ دنیا میں کوئی نہ رہا - ساری تلواریں ٹوٹ گئیں - سارے بازو شل ہوگئے - تو پانچ صدیوں سے وہ کیوں اسلام کے بچاؤ کیلیے باقی ہیں ؟ اور کیوں وہ وقت آنے نہیں دیتے جب اسلام کی پولیٹکل طاقت کا بالکل خاتمہ ہو جائے ؟

بدوستی تو خصمند عالمے بامن
هزار دشمن و یک دوست مشکل افتاد است !

دس تیرہ سو برس کے متفقہ عقیدۂ و عمل کے مطابق وہی آج تمام مسلمانان عالم کے خلیفۂ و امام اور "اولو الامر" ہیں - اُنکی اطاعت و حمایت اللہ اور اُسکے رسول کی اطاعت و حمایت ہے - اُنسے پھرنا اور انکو اپنے جان و مال سے مدد نہ دینا ' اللہ اور اُسکے رسول سے پھرنا ہے اور اللہ اور اسکے رسول کو اپنی جان و مال کی طرف سے صاف جواب دیدینا ہے - جو اُنکی اطاعت سے باہر ہوا ' اگرچہ صرف بالشت بھر باہر ہوا ہو ' اور اسی حالت میں مرگیا ' اُسکی موت اسلامی زندگی کی موت نہوگی - جاہلیۃ کی موت ہوگی - اگرچہ نماز پڑھتا ہو ' اگرچہ روزہ رکھتا ہو ' اگرچہ اپنے زعم باطل میں اپنے تئیں مسلمان سمجھتا ہو - جس نے اُنکے مقابلہ میں تلوار اُٹھائی ' وہ مسلمانوں میں سے نہیں اگرچہ دنیا اُسکو مسلمانوں میں سے سمجھتی ہو - اللہ اور اللہ کے رسول کی شہادت ' اُسکی شریعت کی اَن گنت اور بے شمار دلیلیں ' ایک ہزار تین سو برس سے مانا ہوا اسلام کا حکم و عقیدہ ' اسلام کی سیکڑوں نسلوں اور لا تعداد گھرانوں کا تعامل و اجماع ' اور سورج کی کرنوں کی طرح تقینی اور قطعی حقیقت ' یہی بتلا رہی ہے اور ہر مسلمان کے دل در تعش ہے - ایک مسلمان کیلیے (بشرطیکہ وہ ساری باتوں سے مقدم اپنے اسلامی تعلق کو سمجھتا ہو ' اور دنیا سے ایک مومن اعتقاد و عمل ساتھ لے جانا چاہتا ہو) اس میں کسی طرح کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں - جاہل سے لیکر عالم تک ' مزدور سے لیکر نظام دکن تک ' کوئی نہیں جس کا دل اس اعتقاد سے خالی ہو - زندگی کا عشق اور نفس کی پرستش جس انسان سے جوری کرالیتی ہے ' ڈاکے ڈلواتی ہے ' قتل کراتی ہے ' اُس انسان سے کیا بعید ہے کہ آج کسی طمع یا خوف سے عثمانی خلافت کا انکار کردے ' یا عثمانی خلیفہ کی اطاعت و حمایت کے نام سے کانوں پر ہاتھ دھرنے لگے ؟ دنیا کی پوری تاریخ انسانی کمزوریوں کی درد انگیز مثالوں سے لبریز ہے - پس یہ کوئی عجیب واقعہ نہ ہوگا اگر آج چند نئی مثالوں کا مزید اضافہ ہوجاے - لیکن حقیقت ہر حال میں حقیقت ہے - اُس سے انکار کیا جا سکتا ہے لیکن اُس کو چھپایا نہیں جاسکتا - اُس سے اغماض کیا جاسکتا ہے ' لیکن اُس کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا - اُس سے آنکھیں بند کرلی جاسکتی ہیں لیکن اُس کی زبان بند نہیں کی جا سکتی !

هم یہاں قصداً ترکوں کی سیاسی و تمدنی کارگزاریوں کی بحث نہیں چھیڑینگے - هم کو معلوم هے کہ مسلمانوں کی تمام حکمراں جماعتوں میں ترکوں هی کی جماعت وہ بد قسمت جماعت هے' جسکے لیے کوئی یوروپین دماغ منصف نہیں هوسکتا - یورپ کا پچھلا مورخ هو' خواہ موجودہ عہد کا مدبر' وہ گذشتہ عہد کے بدتر سے بدتر مسلمانوں کی مدح و توصیف کرسکتا هے جو اب موجود نہیں هیں' لیکن اُن ترکوں کی نہیں کرسکتا' جنکی تلواریں پانچ صدیوں سے یورپ کے دل و جگر میں پیوست هونے کیسے چمکتی رهی هیں - وہ خلافت بنو امیہ کی ایک بہتر تاریخ لکھہ سکتا هے - عباسیہ کے دور علم و تمدن کی مدحت سرائی کرسکتا هے - صلاح الدین ایوبی تک کو ایک بت کی طرح پوج سکتا هے - لیکن وہ اُن ترکوں کیلیے کیونکر انصاف کرسکتا هے جو نہ تو عرب پر قانع هوے' نہ ایران و عراق پر - نہ شام و فلسطین کی حکومت اُنکو خوش کرسکی' نہ وسط ایشیا کی' بلکہ تمام مشرق سے بے پروا هوکر یورپ کی طرف بڑھے' اسکے عین قلب (قسطنطنیہ) کو مسخر کرلیا' اور اُسکی اندرونی آبادیوں تک میں سمندر کی موجوں کی طرح در آے - حتی کہ دار الحکومت استریا کی دیواریں اُنکے جولان قدم کی ترکتازیوں سے بارہا گرتے گرتے بچ گئیں !

ترکوں کا یہ وہ جرم هے جو یورپ کبھی معاف نہیں کرسکتا - مسلمانوں کا کوئی موجودہ حکمران خاندان اس جرم (فتح یورپ) میں انکا شریک نہیں هے - اسلیے هر حکمران مسلمان اچھا تھا جو یورپ کی طرف متوجہ نہوسکا' مگر هر ترک وحشی و خونخوار هے - اسلیے کہ یورپ کا طلسم سطوت اُسکی شمشیر بے پناہ سے ٹوٹ گیا -

ترکوں نے پانچ صدیوں تک جس آزادی و فیاضی کے ساتھہ حکومت کی هے' اُسکا ثبوت اس سے بڑھکر کیا هوسکتا هے کہ چار صدیوں کی متصل حکمرانی کے بعد بھی محکوم عیسائیوں کی مذهبی و قومی عصبیت ویسی هی زندہ و توانا رهی' جیسی کسی متعصب سے متعصب مسیحی حکومت کے ماتحت رهسکتی تھی - حتی کہ وہ ترکوں کی کمزوری کے ساتھہ هی آزاد و خود مختار هوگئے' اور آج ایک حریف و مقابل کی طرح لڑ رهے هیں-

هندوستان میں برٹش گورنمنٹ کے پورے تسلط کو ابھی پورے سو سال بھی نہیں هوے - اتنے هی عرصہ کی حکومت نے قومی عظمت

رعصبة کے جذبات ان لوگوں کے دلوں سے بھی اسطرح اُترے ہیں جیسے آباؤ اجداد ساٹھہ ستر برس سے اسی سرزمین میں حکمراں تھے - صرف یہی ایک چیز یورپ کے طرز حکومت ' اور ترکوں کے طرز حکومت کا فرق واضح کر دینے کیلیے کافی ہے '

ترکوں کے وہم و خیال میں نہی ظلم و خونخواری کی وہ ہیبت ناک صورتیں اور قومی تعصب و نفرت کی وہ وحشت ناک ہلاکتیں نہیں آسکتیں ' جو یورپ کے تمدن و تہذیب کا معروف بنے عین اُنیسویں اور بیسویں صدی کے سورج کی روشنی میں ایشیاؤ افریقہ کے اندر کر چکا ہے - ان دو صدیوں کے اندر جنگل کے درندے آرام کی نیند سوے ' اور سانپوں کو اُنکی غاروں سے باہر نہیں نکالا گیا ' لیکن ایشیاؤ افریقہ میں یورپ کے ہاتھوں زمین کا ایک ٹکڑہ بھی ایسا نہ بچ سکا جسکو وہانکی بد بخت مخلوق ابدی زمین کہہ سکے ' اور جہاں ایک مالک و مختار کی طرح امن و عزت کی زندگی بسر کرسکے !

خود اسی آخری جنگ میں یورپ کے ہر درندے نے دوسرے درندے کو جس طرح پھاڑا ' اور ہر سفید بھیڑیے نے دوسرے سفید بھیڑیے پر جس طرح پنجہ مارا ' نہ صرف ترکوں کی تاریخ میں بلکہ تمام ایشیا کی خونریزیوں کی مجموعی تاریخ میں اُسکی کوئی مثال نہیں ملسکتی -

با ایں ہمہ ترک خونخوار اور وحشی ہیں ' اور یورپ تہذیب و تمدن اور امن و رحم کا پیغمبر ہے ! علی الخصوص برطانیہ کے مقدس جزیرہ میں یہ جس قدر فرشتے بستے ہیں ' وہ صرف انسانی آزادی کی حفاظت اور چھوٹی قوموں کی حمایت ہی کیلیے آسمان سے اُتارے گئے ہیں !

یہ کرۂ ارضی کی تاریخ میں حق و باطل کا سب سے بڑا مقابلہ ہے - آج اسکی فتح و شکست کا اصلی فیصلہ نہیں ہوسکتا - زمین فوجوں کے بوجھہ سے دبی ہوئی ہے - فضاء ہوائی جہازوں کی قطاروں سے بھری ہوئی - اسکا فیصلہ کل ہوگا جب خدا کا دائمی قانون نتائج و عواقب کی زبان میں حقیقت کا اعلان کریگا ' اور مورخ کا قلم لکھے گا کہ یہ طاقت اور گھمنڈ کا سب سے بڑا چیلنج تھا جو سچائی کو دیا جاسکتا ہے - تاہم سچائی ہی سب سے بڑی طاقت ہے - اور بالآخر فیصلہ اُسی کا فیصلہ ہے - سنۃ اللہ فی الذین خلوا من قبل ' و لن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا (۳۳ . ۲۲)

بہرحال ہماری صحت سے یہ موضوع باہر ہے - ترکوں کی حکمرانی جیسی کچھ بھی رہی ہو - ہر ایک سلطان حاجی ابن یوسف اور خالد قسمی جیسے اشرار اور اُمت سے بھی بدتر کیوں نہ رہا ہو (۱) لیکن مسلمانوں کو اپنے مسلمان حاکموں کی اطاعت کا ہر حال میں حکم دیا گیا ہے - اور اُنکا اور روے شرع یہی عقیدہ ہے کہ وہ خلیفۂ اسلام ہیں - اسمیں کسی دوسرے کو دخل دینے کا حق نہیں

---

(۱) آج ترکوں کی وحشت و تمدن کا فیصلہ علم و تحقیق کے ہاتھ میں نہیں ہے - حریف حکومتوں کے سفیر و وزراء کے فیصلہ میں ہے جو میدان جنگ سے واپس آکر اپنے ایک جنگی دشمن کی قسمت کا فیصلہ کرنے بیٹھے ہیں - اس امید نہیں کہ ڈریپر (Draper) جیسے زمانہ حال کے مورخوں کی شہادت اس بارے میں سنی جائے - یہ امریکن مصنف اپنی مشہور کتاب History of The Conflict Between Religiuon And Seince میں لکھتا ہے کہ انصاف و عدالت اور مذہبی بے تعصبی میں اپنے عہد کی تمام عیسائی دنیا پر ترکوں کو وہی فوقیت رہی ہے جو چھٹی صدی عیسوی میں عربوں کو نزول یافتہ بیزنطائن پر حاصل تھی - ایڈورڈ گریسی نے تاریخ روم میں ترکوں کو تہذیب و تمدن اور علمی ایجادات و اختراعات کے لحاظ سے پندرھویں اور سولھویں صدی کے تمام یورپ میں سب سے برتر قوم تسلیم کیا ہے - وہ کہتا ہے کہ انسائیکلو پیڈیا کے قسم کی کتابیں لکھنے کا ترکوں ہی کی تقلید سے یورپ میں رواج ہوا - یورپ کی زبانوں میں سب سے پہلی انسائیکلو پیڈیا ڈالامبرٹ (Dalambert) نے لکھی - لیکن اُسکو ایک ترک مصنف کلمی بے کی قاموس العلوم ہی کے مطالعہ سے رہنمائی ملی تھی - کمسریت ' رسد رسانی ' اور فوجی شفا خانوں کا با قاعدہ انتظام ' ترکوں ہی سے یورپ نے سیکھا - قلعہ کی تعمیرات میں امام یورپ ترکوں کا شاگرد ہے - فوجی باجا تمام یورپ نے ترکوں سے حاصل کیا - چیچک کے ٹیکہ کا اصلی موجد ایک ترک تھا - یہ ڈریپر ' گریسی ' گبگڈم ' کلفرڈ ' وغیرہ مورخوں کی تحقیق ہے جنھوں نے اپنے کتب خانوں میں بیٹھکر ترکوں کے اعمال پر نظر ڈالی تھی - قدرتی طور پر مسٹر ایسکوئتھ اور مسٹر لائڈ جارج کی راے اس سے مختلف ہونی چاہیے جو ابھی ابھی گیلی پولی اور عمارہ میں ترکوں کی تلوار کا کاری زخم کھا کر نکلے ہیں ' اور کتب خانوں کی جگہ نظارت خانوں کے اندر فیصلہ کرنے بیٹھے ہیں !

نمی دانم ز منع گریه مطلب چیست نامسع را ؟
دل از من، دیده از من، آستین از من، کنار از من !

فصل

(مسلمانان هند اور خلافت سلاطین عثمانیه)

جب تک بغداد کی خلافت باقی رهی ، هندوستان کے تمام حکمران خاندان اُسی کے زیر اثر اور فرمانبردار رهے - عباسیۂ بغداد کی خلافت جب مٹ گئی ، اور سنه ۶۶۰ ھ میں مصر کی عباسی خلافت کا سلسله شروع هوا ، تو اگرچه یه عباسیه کے کاروان رفته کا محض ایک نمود عبار تها ، تاهم تمام سلاطین هند اسکی حلقه بگوشی و غلامی کو اپنے لیے موجب فخر و امتیاز سمجھتے رهے ، اور مرکزی خلافت کی عظمت دبدبی نے مجبور کیا که اپنی حکومت کو شرعی طور پر مساویدیے کیلیے مقام خلافت سے پروانۂ نیابت حاصل کرنے رهیں - سلطان محمد بن تغلق شاه کے عروج حکومت کا یه حال تها که مشهور مورخ ضیاء الدین برنی اسکو " همت فرعونی و نمرودی " سے تعبیر کرنا چاهتا هے - تاهم اس معامله میں زیاده سے زیاده غرور جو وہ کرسکا ، یهی تها که اپنے تئیں خلیفۂ مصر کا سب سے بڑا فرمانبردار غلام اور چاکر ظاهر کرے ، اور رعایا کو یقین دلاے که بلا اسکے حکم کے میں تم پر حکومت نهیں کرتا - تاریخ برنی میں هے :

" امیر المومنین خلیفه را بنده ترین همه بندگان بود ، و بے امر و بے فرمان او دست در امور اولو الامری نه زد " (مطبوعه ایشیاٹک سوسیٹی - صفحه - ۴۶۰)

برنی نے سلطان فیروز شاه کے فضائل و سوانح کیلیے گیاره مقدمے ترتیب دیے هیں - اُن میں نوواں مقدمه یه هے :

" مقدمه نهم در آنکه در کرت از حضرت امیر المؤمنین خلعت اولو الامری و منشور اذن و لواء شاهی بر سلطان عصر فیروز شاه رسیده ، و بادشاهی و اولو الامری خداوند عالم بدان استحکام گرفته "

پهر اسی مقدمه میں لکھتا هے :

" در مدت شش سال دوکرت از امیر المومنین منشور ارتو الامری و خلعت شاهی و لواء سلطنت بدو رسید ' و حق جل و علی پادشاه دین پرور ما را درعزت داشت منشور و خلعت و فرستادگان توفیق بخشید ' و شرائط حرمت مراحم امیر المؤمنین بالغ ما بلغ بجا آورد ' و هم چنین دانست که منشور و خلعت امیر المؤمنین از آسمان منزل شده ' و از درگاه مصطفی صلعم رسیده - عرضداشتے با تحفه و هدایا در نهایت تواضع بندگی امیر المؤمنین روان کرد " الخ (صفحه - ۵۹۸)

یعنی سلطان فیروز شاہ کے فضائل و مفاخر میں سے ایک بڑی بات یہ سمجھی گئی کہ خلیفۂ مصر نے امارت حکومت کا پروانہ اور لواء و خلعت بھیجا ' اور پادشاہ کو اسکی اطاعت و خدمت کی توفیق ملی - فیروز شاہ نے اس بات کی اس درجہ قدر کی - گویا آسمان سے یہ عزت نازل ہوئی ہے ' اور خود بارگاہ حضرت محمد الرسول اللہ صلعم سے اُسکو قبولیت کی سند ملگئی ہے !

شمس الدین سراج عفیف نے تاریخ فیروز شاہی میں یہ واقعہ زیادہ تفصیل سے لکھا ہے - جب خلیفہ کے سفراء شہر کے قریب پہنچے تو فیروز شاہ خود استقبال کیلئے پیدل نکلا - فرمان خلافت کو دونوں ہاتھوں میں لےلیا - پھر بوسہ دیکر سر پر رکھا ' اور اسی طرح سر پر دھرے ہوے دربار حکومت تک واپس آیا -

غورکرو ! مقام خلافت کی عظمت و حضرت کا اثر کس درجہ عالمگیر رہا ہے ؟ خلافت بغداد کے مٹنے کے بعد بھی خلافت کی صرف برائے نام نسبت اسدرجہ ہیبت و حضرت رکھتی تھی کہ ہندوستان جیسے بعید گوشہ میں ایک عظیم الشان فرمان روائے اقلیم ' اذن و اجازت حاصل ہوجانے پر فخر کرتا ہے - اور مٹنے پر بھی اس مقام کی عظمت تمام عالم اسلامی پر اسطرح چھائی ہوئی ہے کہ وہاں کا فرمان آسمانی فرمان ' اور وہاں کا حکم بارگاہ نبوت کا حکم سمجھا جاتا ہے !

مغلیہ سلطنت خلفاء مصر کے آخری عہد میں قائم ہوئی - ہندوستان میں بابر شاہ کی قسمت آزمائیوں کا زمانہ تھا جب سلطان سلیم خاں کے ہاتھ پر خلیفۂ متوکل عباسی نے بیعت کی اور حجاز و شام میں سلاطین عثمانیہ کی خلافت کا اعلان ہوا - شاہان مغلیہ اگرچہ ہندوستان میں خود اپنے ہی کو

امام سمجھتے تھے ' اور ناعندار حکومت کے یہ حق اُنہیں حاصل بھی تھا - تاہم عام اسلامی خلافت کا انہوں نے کبھی دعوا نہ کیا - ہمیشہ عرب و شام کے مسلمہ خلفاء ہی کو خلیفہ تسلیم کرتے رہے - شہنشاہ اکبر اور شاہجہاں بھی اگر حج کیلئے جاتے ' تو اُنکو قسطنطنیہ کے خلیفہ ہی کی امارت میں حج ادا کرنا پڑتا - میدان عرفات میں وہ خود خطیب نہ ہوتے - قسطنطنیہ کا نائب السلطان خطبہ دیتا - وہ کھڑے ہوکر اُسی طرح سنتے ' جس طرح ایک عام مسلمان اُنکے نعل میں کھڑا سن رہا ہوتا - شرعاً و عقلاً تسلیم خلافت کیلئے اس سے زیادہ اور کونسی بات ہوسکتی ہے ؟

بعض یوروپین اخبارات کے مشرقی نامہ نگاروں نے بار بار یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ترکی حکومت سے باہر ترکی خلافت کا اعتقاد زیادہ تر سلطان عبد الحمید خاں مرحوم کی سعی سے پیدا ہوا ' اور اُنکا مقصود اس سے یہ تھا کہ نام نہاد " پان اسلامزم " تحریک کو تمام مسلمانان عالم میں پھیلایا جائے - یہاں ہم تورک کے متحدلۂ و متوھمہ " پان اسلامزم " کی حقیقت سے بحث کرنا نہیں چاہتے - " پان اسلامزم " سے اگر مقصود مسلمانوں کی بلا امتیاز وطن و قومیت باہمی برادری ہے ' تو اسکی تاریخ سلطان عبد الحمید کے زمانے سے نہیں بلکہ نزول قرآن و ظہور اسلام سے شروع ہوتی ہے - لیکن عثمانی خلافت کے عالمگیر اسلامی اعتقاد کو سلطان عبد الحمید سے منسوب کرنا ایک ایسی بات ہے جو یا تو حد درجہ جہل کا نتیجہ ہے یا حد درجہ دروغ گوئی کا - اور ہم نہیں جانتے کہ دونوں میں سے کس چیز کو محققین تورک کیلئے پسند کریں ؟ سنہ ۹۲۳ھ میں جب بعہد سلطان سلیم خاں سلاطین عثمانیہ خلیفۃ المسلمین تسلیم کیے گئے ' تو اسوقت عالم اسلامی کا یہ حال تھا کہ ایران میں سلاطین صفویہ کی حکومت تھی ' ہندوستان میں معلدہ کی ' اندرون یمن میں آئمۂ زیدیہ کی ' اور اندرون عرب میں خود مختار قبائل اور بعض شیوخ کی - پس جہاں جہاں اسلامی حکومتیں موجود نہیں ' وہاں کے مسلمانوں کی اطاعت و انقیاد کا محل و مرکز خود مقامی اسلامی حکومت ہوگئی تھی ' اور احکام شرعیہ کے نفاذ و اجراء کیلئے بھی وہ کسی بیرونی حکومت کے محتاج نہ تھے - اس بنا پر ظاہر ہے کہ ان ممالک میں مرکزی خلافت کا تعلق کسی نمایاں شکل میں یکایک ظاہر نہیں ہوسکتا تھا - سلطنت کے رقیبانہ جذبات بھی اپنی انتہائی حالت میں سب پر چھائے ہوئے تھے -

صدیوں پہلے سے تفرقہ و انتشار کی وجہ سے مختلف مصالح اور عام اسلامی کو ٹکڑے ٹکڑے کر چکی تھی - لیکن ان ممالک کے علاوہ جہاں کہیں بھی مسلمان آباد تھے اور اپنی مقامی اسلامی حکومت نہیں رکھتے تھے ' وہ گو کہ دوسری حکومت سے کتنے ہی دور دراز گوشوں میں واقع ہوں ' لیکن عثمانی سلاطین ہی کو اسلام کی مرکزی خلافت عظمیٰ کو فائض و متصرف تسلیم کرتے تھے ' اور اسی لئے جمعہ و عیدین کے خطبوں میں انکے لئے خاص طور پر دعا مانگنا اپنا فرض سمجھتے تھے - جزر ہندوستان کے قرب و جوار اور بحر چین کے جزائر میں مسلمانوں کا ایک ایک فرد خلیفۂ قسطنطنیہ کی اس حیثیت دینی کا پورا پورا اعتقاد رکھتا تھا -

جزائر سیلون ہندوستان ہی کا ایک بحری گوشہ ہیں - سنہ ۱۱۷۵ھ (سنہ ۱۷۶۱ع) میں دکن کے ایک مشہور عالم سید عمر الدین اورنگ آبادی حج سے واپسی میں کولمبو پہنچے اور وہاں کی سیر کی - میر غلام علی آزاد بلگرامی انکے معاصر ہیں - اپنی کتاب سبحۃ المرجان میں انکی زبانی نقل کرتے ہیں کہ ساحلی مقامات میں قیصر کی حکومت ہے - اندرونی جزائر میں ہندو راجہ ہے - کولمبو میں مسلمانوں کے دو محلے ہیں - جمعہ کی نماز میں مرتبہ سید موصوف نے وہاں پڑھی - خطبہ میں امام نے پادشاہ ہند اور سلطان روم کیلیے دعا مانگی تھی " لکونہ خادما للحرمین الشریفین " یعنی اسلیے کہ وہ خادم حرمین ہیں - (سبحۃ المرجان مطبوعہ بمبئی صفحہ ۲۳)

یہ اب سے ڈیڑھ سو برس پیشتر کا واقعہ ہے - سیلون کے جزیروں میں اگر مسلمان ایک غیر مسلم حاکم کے ماتحت رہکر شاہ ہند کا ذکر کرتے تھے ' تو یہ کوئی غیر معمولی بات نہ تھی - ہندوستان بالکل انسے متصل تھا - لیکن قسطنطنیہ کے سلطان کیلیے دعا مانگنا جو بحر ہند سے اسقدر بعید فاصلہ پر واقع ہے ' کیا معنی رکھتا ہے ؟ کیا اسکے سوا کوئی معنی ہوسکتے ہیں کہ تمام عالم اسلامی میں وہی خلیفۃ المسلمین ہے ' اور اسلیے گو اور بھی بہت سی اسلامی حکومتیں موجود ہوں ' مگر ہر گوشۂ عالم کے مسلمانوں کے دلی تعلق و اطاعت کا اصلی مرکز صرف وہی ہوسکتا ہے ؟

صاحب تحفۃ العالم چین کوچک کے ایک سیاح سے اپنی ملاقات کا حال لکھتے ہیں جس نے عجیب عجیب جزیروں اور وہاں کے رسم و رواج کا مشاہدہ کیا تھا - " چین کوچک " سے مقصود بحر چین کے جزائر سماٹرا '

ملایا ' جاوا ' وغیرہ ہیں - سیاح مذکور کہتا ہے کہ اکثر جزائر میں مسلمان آباد ہیں اور مسجدیں معمور ہیں - جمعہ کے خطبوں میں سلطان روم کیلیے دعا مانگتے ہیں اور وہاں کے حالات سے اچھی طرح باخبر ہیں - یہ واقعہ بھی بارھویں صدی ہجری کے اوائل کا ہے -

باقی رہا یہ خیال کہ ہندوستان کے مسلمانوں میں سلاطین عثمانیہ کی خلافت کا اعتقاد حال کی یادگار ہے ' تو یہ بھی صحیح نہیں - یہ ظاہر ہے کہ جب تک خود ہندوستان میں اسلامی حکومت قائم تھی ' کسی بیرونی اسلامی حکومت سے مسلمانوں کو بلا واسطہ تعلق رکھنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئی - البتہ سلطنت معلیہ کے انقراض کے بعد وہ مجبور ہوگئے کہ بلا واسطہ خلافت قسطنطنیہ سے اپنا رشتۂ انقیاد و عقیدت قائم کرلیں - تاہم اسلام کی مرکزی خلافت پر سلاطین عثمانیہ کا قابض ہونا ایک ایسی مسلم و معروف بات ہے جو ہمیشہ علماء ہند کے علم و اعتقاد میں رہی ہے - حضرۃ شاہ ولی اللہ کا سال وفات سنہ ۱۱۷۴ - ہجری ہے - اُنکا زمانہ احمد شاہ ابدالی کی آمد و رفت کا زمانہ تھا اور ہندوستان میں اسلامی حکومت ابھی قائم تھی - انھوں نے تفہیمات الاہیہ میں دو جگہ سلاطین روم کا ذکر کیا ہے - ایک جگہ لکھتے ہیں :

" از زمان سلطان سلیم خان کہ در اوائل سنہ الف بود ' اکثر بلاد عرب و مصر و شام تحت تصرف سلاطین روم اند ' و خدمت حرمین الشریفین زاد ہما اللہ شرفاً وکرامۃ ' و امارت موسم ' و ریاست حجاج ' و اہتمام محامل و قوافل بر ایشان استقرار یافت ' و بہ ہمین جہت بر منابر عرب و شام خصوصاً حرمین شریفین ہر یکے از ایشان بہ لقب امیر المومنین مذکور ست "

یمن میں اگرچہ آئمۂ زیدیہ سلاطین عثمانیہ کے رقیب و حریف تھے ' اور انھوں نے اندرون ملک میں کبھی اُنکی حکومت جمنے نہ دی - با این ہمہ گیارھویں سے تیرھویں صدی تک کے علماء یمن کی مصنفات کا جن لوگوں نے مطالعہ کیا ہے ' اُن سے پوشیدہ نہیں کہ اکثروں نے سلاطین عثمانیہ کی مرکزی حیثیت تسلیم کی ہے جس کے معنی بجز خلافت اسلامیہ کے اور کچھ نہیں ہوسکتے - علامۂ صالح مقبلی صاحب العلم الشامخ المتولد سنہ ۱۰۴۷ ' علامۂ فلانی صاحب ایقاظ الہمم ' شیخ عبد الخالق زبیدی صاحب صفوۃ الاخبار وغیرہم اپنی کتابوں میں جا بجا ترکی گورنروں کے جبر و ستم کی شکایتیں

کرتے ہیں ' مگر یہ بھی سلاطین عثمانیہ کی [illegible] جس سے اُنکی اسلامی خدمت و اطاعت کا مسلمہ ثبوت ملتا ہے - مثلاً سلطان کو مخاطب کرکے یہ کہا کہ ہر شخص جو روئے زمین پر تمام مسلمانوں کا خلیفہ و امام کہلائے ' اس کے گورنر اس طرح رعایا کے ساتھ سلوک کریں ؟ جسکے صاف معنی یہی ہیں کہ سلاطین عثمانیہ تمام مسلمانان عالم کے خلیفہ و امام تسلیم کیے جاتے تھے -

یہ موقعہ مزید اطناب و تفصیل کا نہیں ہے - سلاطین عثمانیہ کی خدمت کا زمانہ ہزار صدی کے بعد شروع ہوتا ہے - پس اگر اسکا ذکر ملسکتا ہے تو پچھلی تین صدیوں کی مصنفات میں - چونکہ ان عہدوں کی تصنیفات عام طور پر علماء ہند کے مطالعہ میں نہیں آئی ہیں ' اسلیے مسئلہ کے تاریخی شواہد سے عموماً لوگ بے خبر ہیں - تلاش کیا جائے تو ایک بڑا ذخیرہ فراہم ہوجا سکتا ہے -

خود یورپین حکومتیں علی الخصوص برٹش گورنمنٹ سلطان عثمانی کی اس دینی حیثیت کا ہمیشہ اقرار کرتی آئی ہے ' اور جب کبھی ضرورت ہوئی ہے ' قسطنطنیہ کی طاقت سے بہ حیثیت خلیفۂ اسلام کے کام لیا گیا ہے - عیسوی سنہ ۵۷ کے موقعہ پر سلطان عبد المجید سے جو فرمان مسلمانان ہند کے نام حاصل کیا گیا تھا اور جسمیں انکو انگریزی حکومت کے ساتھ بہتر سلوک کرنے کی ہدایت کی تھی ' اُسکی بنا بھی یہی تھی کہ سلطان قسطنطنیہ کو بہ حیثیت خلیفۂ اسلام مسلمانان ہند کی ارشاد و ہدایت کا حق حاصل ہے - کوئین وکٹوریا کے عہد میں بارہا حج اور حاجیوں کی مشکلات کا سوال گورنمنٹ آف انڈیا کی طرف سے اُٹھایا گیا ' اور پھر امپیریل گورنمنٹ نے باب عالی کو اس احتجاج کے ساتھ توجہ دلائی کہ بہ حیثیت خلیفۂ اسلام ہونے کے حجاج کی تکالیف دور کرنا اُنکا مذہبی فرض ہے - فرانس اور روس کی جانب سے بھی سلطان عبد الحمید خان کے زمانے میں متعدد مرتبہ ایسے اظہارات و اعترافات ہو چکے ہیں -

فصل

(دور متوسطہ و اخیرہ میں مرکزی حکمرانی)

ہم نے جو بجا " اسلام کی مرکزی حکمرانی " اور " خلافت عظمیٰ " کا لفظ استعمال کیا ہے - تصریح اس احتمال کی نہ ہے کہ اسلام کے تمام احکام کا محور و اساس مسئلۂ " توحید " ہے - " توحید " کے معنی نہ ہیں کہ ایک ہونا - صرف اللہ کی ذات و صفات ہی میں نہ حقیقت محدود نہ تھی جیسا کہ دو قسمتی سے لوگوں نے سمجھ رکھا ہے ' بلکہ عقائد و اعمال کی ہر شاخ اور ہر شکل میں اسلام کا اصل الاصول توحید ہی ہے - وہ مسلمانوں کی تمام اُن باتوں میں جو فرد و اجتماع سے تعلق رکھتی ہیں ' ایک کامل توحیدی حالت پیدا کردینی چاہتا ہے - جس طرح خدا کی ذات کی طرح اُس کی خلقت اور قوانین خلقت میں بھی ہر چیز پر اور ہر جگہ یگانگی و یک عملی اور وحدت و واحدیۃ کار فرما ہے - ما تری فی خلق الرحمن من تفاوت - فارجع البصر ' ھل تری من فطور؟ (ملک)

اس بنا پر اسلام نے جس طرح مسلمانوں کی ساری باتیں ایک قرار دی تھیں - اُنکی شریعت ' اُنکا قانون ' اُنکی کتاب ' اُنکا نام ' اُنکی زبان ' اُنکی قومیت ' اُنکا قبلہ ' اُنکا کعبہ ' اُنکا مرکز اجتماع ' مرکز ارض ' اُسی طرح اُنکی حکومت بھی ایک ہی قرار دی تھی - یعنی تمام روئے زمین پر مسلمانوں کا صرف ایک ہی فرمانروا و خلیفہ ہو - لیکن جہاں ساری باتوں میں انحراف اور تفرقۂ و انتشار ہوا ' وہاں یہ بات بھی جاتی رہی - خلفاء راشدین کے بعد صرف بنو امیہ کے ابتدائی عہد تک وحدت حکومت نظر آتی ہے - اُسکے بعد کوئی زمانہ ایسا نہ آیا جب تمام عالم اسلامی کی حکومت کسی ایک طاقت میں جمع رہی ہو - مختلف گوشوں میں مختلف دعویدار اُٹھے ' اور جسکا قدم جہاں جم گیا ' خود مختارانہ فرمانروائی کرنے لگا -

با ایں ہمہ ایک خاص مرکزی اقتدار ہر زمانے میں نمایاں طور پر نظر آتا ہے اور مورخ کی بصیرۃ محسوس کرلیتی ہے کہ اس تفرقۂ و انتشار کی عام سطح میں ایک مرکزی قوت اُبھری ہوئی ہے - اسلامی حکومتیں ہر

گوشۂ عالم میں قائم ہوگئی یہاں ' مگر عہد [illegible] تک [illegible] عالم اسلام [illegible] رہا
جہاں کی حکمرانی دنیا کی تمام اسلامی حکومتوں میں ایک مرکزی اقتدار
کی حیثیت رکھتی تھی - دوسرے مقامات کے فرمانروا اپنے دائرۂ حکومت سے
باہر کوئی اثر نہیں رکھتے تھے ' لیکن وہاں کا حکمران تمام دنیا کے مسلمانوں کے
لئے ایک خاص کشش و دعوت اپنے اندر رکھتا تھا - یہ بلاد شام و عراق
اور عرب و حجاز کی حکومت تھی - عرب اسلام کا اصلی سرچشمہ و مرکز ہے -
حجاز اسلامی قومیت کا دائمی مرکز اور اسلام کے رکن حج کا گہوارہ ہے - شریعت
نے عرب ہی کو یہ شرعی خصوصیت دی ہے کہ ہمیشہ غیر مسلم اقوام کے اثر
سے محفوظ رکھی جائے - شریعت کے اس حکم کی تعمیل بغیر حکومت کے
ممکن نہیں - جو حکومت اس پر قابض ہوگئی ' وہی اس شرعی حکم کی
تعمیل و نفاذ کی ذمہ دار اور اقامۂ حج کی بھی کفیل ہوگئی - پس قدرتی
طور پر یہ بات ہوئی کہ یہاں کی حکومت کو تمام اسلامی حکومتوں میں
مرکزی اقتدار اور تمام مسلمانان عالم کے قلوب کیلئے ایک انجذابی
اثر حاصل ہوجائے - اسلام کے ازمنۂ متوسطۂ و اخیرہ میں یہی مرکزی اقتدار
خلافت عظمیٰ کا قائم مقام تھا - خلافت بغداد کے مٹنے کے بعد بھی ان
مقامات کی حکومت خلفاء مصر ہی کے قبضہ میں رہی -

" مرکزی حکومت " سے مقصود یہی مرکزی اقتدار ہے - خلفاء مصر
کے بعد جب سلاطین عثمانیہ تمام بلاد عرب و حجاز اور مصر و شام پر قابض
ہوگئے تو اسلامی خلافت عظمیٰ کا مرکزی اقتدار بلا نزاع انہی کو حاصل ہوگیا -
یہی وجہ ہے کہ ہزار صدی کے بعد سے تیرھویں صدی کے اوائل تک اگرچہ
بڑی بڑی اسلامی حکومتیں دنیا میں قائم رہیں ' لیکن خلافت عظمیٰ کے
اعتقاد کے ساتھ جب کبھی کسی مسلمان کی نظر اٹھتی تو وہ صرف
قسطنطنیہ ہی کی طرف دیکھ سکتا تھا -

فصل

(ترکان عثمانی اور عالم اسلامی)

اب ہم چاہتے ہیں کہ اس پوری تاریخ سے قطع نظر کرلیں - صرف اس
اعتبار سے مسئلہ پر ایک آخری نظر ڈالیں کہ احکام شرعیہ کی بنا پر سلاطین

عثمانیہ کے عمل خلافت کا کیا حال رہا ہے ؟ بحث کا یہ سب سے زیادہ علمی اور سب سے زیادہ سہل فیصلہ ہوگا -

اسلام نے خلیفہ کے نصب و تعزیر کے خاص مقاصد قرار دیے ہیں - پچھلی پانچ صدیوں کے اندر متعدد اسلامی حکومتیں دنیا میں موجود تھیں اور بعض ابتک موجود ہیں - قوم و جماعت کے اعتبار سے متعدد مسلمان قوموں میں حکومت رہی اور بعض حکمراں قومیں اب بھی باقی ہیں - سوال یہ ہے کہ ان تمام حکمراں جماعتوں میں کونسی حکومت ایسی ہے جسنے شریعت کے ٹھہرائے ہوئے مقاصد خلافت انجام دیے ؟ اور جو عرض شرعی خلیفہ کے قیام اور بحکم " الذین ان مکنا ھم فی الارض " الخ تمکین فی الارض سے تھی ' وہ اُنکے ہاتھوں پوری ہوئی ؟ جس حکومت اور جس حکمراں قوم نے ایسا کیا ہو ' صرف وہی حکومت اور قوم تمام مسلمانان عالم کی خلافت و امامت کا دعوا کر سکتی ہے -

اس اہم سوال کا فیصلہ چند سطروں میں ہو جا سکتا ہے - " خلافت اسلامیہ " کا مقصد شرعی پچھلی صحیفوں میں صاف ہوچکا ہے - سب سے پہلا مقصد اس کا یہ ہے کہ ایک ایسی طاقتور حکومت قائم ہو جو دشمنوں کے حملوں سے اسلامی ممالک اور مسلمانوں کی حفاظت کرسکے - اسلام و ملت کے دشمنوں کا استیصال و انسداد ہو - کلمۂ حق دنیا میں بلند اور دور دور تک جاری و نافذ ہو جائے - کلمۂ کفر و فساد کو خسران و ناکامی نصیب ہو - یہی مقصد پہلا مقصد ہے - باقی سب فروع و توابع ہیں -

یہی وجہ ہے کہ تمام کتب عقائد و اصول میں خلافت کی تعریف کرتے ہوئے " اقامۃ الدین باقامۃ ارکان الاسلام ' و القیام بالجہاد ' و حفظ حدود الاسلام ' و ما یتعلق بہ من ترتیب الجیوش و الفرض للمقاتلہ " کے جملے سب سے پہلے ملتے ہیں - یعنی وہ مسلمانوں کی ایسی حکومت ہے جو ارکان اسلام کو قائم رکھے ' جہاد کا سلسلہ و نظام درست کرے ' اسلامی ملکوں کو دشمنوں کے حملوں سے بچائے ' اور ان کاموں کیلیے فوجی قوت کی ترتیب اور لڑائی کا سامان وغیرہ جو کچھ مطلوب ہو ' اُسکا انتظام کرے - مختصر یہ کہ اسلام کا خلیفہ وہ حکمراں ہوسکتا ہے جو اسلام و ملت کیلیے دفاع و جہاد کی خدمت انجام دیسکے - ساری باتیں ان دو لفظوں میں آ گئیں -

اب فیصلہ کرلو کہ گذشتہ چار صدیوں کے اندر کس حکومت اور کس قوم نے دفاع و جہاد کی خدمت انجام دی ہے ؟ -

اسلام کا جب ظہور ہوا ' تو دشمنوں کی دہلی جماعت قریش مکہ کی جماعت تھی - آپکے مٹ جانے کے بعد اس پوری سرحدیوں میں صرف عیسائی قومیں ہی مسلمانوں کی دائمی حریف رہی ہیں - دوسری غیر مسلم قومیں ایسی کوئی قوم ایسی نہ تھی جس میں اسلام اور مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کا داعیہ ہو - اور اگر کسی محسوسی قوت کا ابتدا ہی میں خاتمہ ہوگیا تھا - یہودیوں کی کوئی پولیٹکل قوت نہ تھی - ہندوستان کے ہندوؤں اور بدھ مذہب کے پیروؤں نے ہندوستان سے نکل کر کبھی مسلمانوں پر حملہ نہیں کیا اور نہ ان میں کوئی داعیانہ قوت تھی - جنکے ذاری آئے اور نہ شدہ سب سے بڑی ہلاکت کا باعث ہوئے لیکن بالآخر خود اسلام کے محکوم ہوگئے - یعنے ایک صدی کے اندر ہی اندر مسلمان ہوگئے -

پس تمام روئے زمین پر بجز مسیحی اقوام کے اور کوئی حملہ آور حریف اسلام کا نہ تھا - نہ ہے - مشرقی عیسائیوں کی قوت ابتدا ہی میں شکست ہوگئی تھی - صرف یورپ کی حکومتیں اور قومیں تھیں جنکو خواہ مسیحیت کے نام سے موسوم کرو خواہ یورپ کے نام سے - یہی آخری چار صدیاں ہیں جن میں بتدریج یورپ کی طاقت ترقی کرتی گئی ' اور اُسکی ترقی کا دوسرا رخ یہ تھا کہ اسلام کی پولیٹکل طاقت کو روز افزوں تنزل ہوا -

تمام کرۂ ارضی کے مسلمانوں میں سے کونسی قوم ہے جس نے اِن چار صدیوں کے اندر یورپ کا مقابلہ کیا ہے ' اور دفاع و جہاد جاری رکھکر اسلام اور مسلمانوں کی اُس کے سب سے بڑے حریف کے مقابلے میں حفاظت کی ہے ؟ سولھویں صدی عیسوی ہی میں یورپ کی اُن تمام طاقتوں نے جو مشرقی ممالک کے دروازوں سے قریب تھیں ' بتدریج قدم بڑھانا شروع کردیا تھا - اگر کوئی طاقتور اور مضبوط روک موجود نہ ہوتی تو ایسے دو صدی پیشتر ہی تمام وسط ایشیا ' شام ' عرب ' اور اسلامی افریقہ یورپ کے استیلاء سے پامال ہوچکا تھا -

پھر وہ کونسی نا قابل تسخیر فوجی قوت تھی جس نے پہلے تو اپنے پے درپے حملوں سے تمام یورپ کو اس طرح پامال کردیا کہ پوری دو صدیوں تک سنبھلنے اور قدم اُٹھانے کی مہلت ہی نہ دی ' اور پھر تمام ایشیا ؤ

بلاد اسلامی کے عین دروازہ پر معرکہ مدافعت کی ایک آہنی دیوار قائم کردی ' اور اس طرح حکم جہاد کے دونوں فرض بہ یک وقت تن تنہا انجام دیے - ہجوم بھی - اور دفاع بھی ؟

کیا ہندوستان کی سلطنت مغلیہ نے جس نے اپنی پوری تاریخ میں ایک بار بھی ہندوستان سے قدم باہر نہ نکالا ؟ اور جسکی تلوار پانچ صدیوں کے اندر ایک مرتبہ بھی کسی حریف ملت کے خون سے رنگین نہ ہوئی ؟ عین اکبر اعظم کے زمانے میں ہندوستان کے حاجیوں کو پرتگالیوں اور ڈچوں کے حرگے ساحل ہند کے سامنے لوٹ رہے تھے اور وہ اُنکے انسداد سے عاجز تھا !

کیا ایران کے سلاطین نے ' جنکے عقلی حملوں نے ہمیشہ سلاطین عثمانیہ کو مجبور کیا کہ یورپ کا وسیع مندانہ اقدام ترک کرکے انتباہ کی طرف متوجہ ہوجائیں - جسکی وجہ سے یکایک یورپ کو ترکی تلواروں سے مہلت ملگئی اور تمام وسط یورپ فتح ہوتے ہوتے رہگیا ؟

کیا یمن کے خود مختار قبائل اور عرب آئمہ نے ' جنکو اسلام کے اس سب سے بڑے حریف کا شاید حال بھی معلوم نہ تھا ؟

ہر انسان جو دور اور دور کو صرف چار ہی کہنا چاہتا ہو ' اسکا اقرار کریگا کہ بجز سلاطین عثمانیہ اور ترکوں کے مسلمانوں کی کوئی حکومت اور قوم نہیں ہے جس نے قرون اخیرہ میں حفظ اسلام و ملت کی یہ خدمت انجام دی ہو - اور جو فرض تمام مسلمانان عالم کے ذمے عائد ہوتا تھا ' اُسکو سب کی طرف سے تن تنہا اُٹھا لیا ہو ؟

حقیقت یہ ہے کہ ترکوں کا یہ وہ عظیم الشان کارنامہ ہے جسکی نظیر قرون اولیٰ کے بعد مسلمانوں کی کسی حکمراں قوم کی تاریخ پیش نہیں کرسکتی - صرف صلاح الدین ایوبی کی دعوۃ اس سے مستثنیٰ ہے جس نے تمام یورپ کے متحدہ مسیحی جہاد کو شکست دی - تاہم وہ بھی ایک محدود زمانے کا دفاع تھا - مسلسل تین چار صدیوں تک صرف ترکوں ہی کی اسلامی مدافعت قائم رہی ہے - ان پوری چار صدیوں میں تمام روے زمین کے مسلمان اپنے سب سے بڑے قومی فرض سے غافل رہے - کسی قوم نے ایک زخم بھی اس مقدس راہ میں نہیں کھایا - کسی پادشاہ نے ایک قدم بھی اسکے لیے نہیں اُٹھایا - صرف تن تنہا ترک ہی دنیا بھر کے

مسلمانوں کی جانب سے یہ نور کام انجام دیتے رہے - انہوں نے تمام مسلمانوں عام کو عیش و راحت کے بستروں پر چھوڑ دیا - خود اپنے لئے خاک و خون کی دنیی زندگی پسند کی - ان قرون اخیرہ میں اگر ترکوں کی جانفروش و سرفروش جماعت تن تنہا اس فرض کو نہ سنبھال لیتی ' تو نہیں معلوم آج جغرافیۂ عالم میں مسلمانوں کی آبادیوں کا کیا حال ہوتا ؟ اور جو مصیبت اسوقت درپیش ہے ' وہ کب کی آچکی اور مسلمانوں پر سے گزر چکی ہوتی ؟ تمام دنیا کے مسلمانوں پر ترکوں کا یہ وہ احسان عظیم ہے کہ اگر اسکے معاوضہ میں مسلمانان عالم اپنا سب کچھ اُن پر سے قربان کردیں ' جب بھی اُنکے بار احسان سے سبکدوش نہیں ہوسکتے - اگر گذشتہ صدیوں میں مسلمانوں نے بادشاہتیں کی ہیں تو صرف اُنہی کی بدولت ' اور اگر آج بادشاہتیں کھوکر بھی کچھ نہ کچھ عزت کی پونجی اپنے ساتھ رکھتے ہیں تو صرف اُنہی کی بدولت - مسلمان خواہ دنیا کے کسی حصہ میں بستا ہو ' چین میں ہو یا افریقہ کے بعید گوشوں میں ' لیکن صدیوں سے اُسکی قومی زندگی ' قومی عزت ' قومی عیش و آرام ' اور وہ سب کچھ جو ایک قوم کیلئے ہے اور ہوسکتا ہے ' صرف ترکوں ہی کے طفیل ہے اور اُنہی کا بخشا ہوا -

یہی وجہ ہے کہ تمام دنیا کے مسلمانوں کا فرض ہوا کہ ترکوں کی مدد کریں - لیکن ترکوں کیلئے یہ کچھ ضروری نہیں کہ وہ ہندوستان یا افریقہ میں بانٹنے کیلیے روپیہ بھیجتے رہیں - وہ چار صدیوں سے وہ کام انجام دے رہے ہیں جسکے تصور سے بھی ہم مسلمانان ہند کے دل کانپ اُٹھتے اور جسکے وہم ہی سے ہم پر موت طاری ہوجاتی ہے - یعنے اپنی جانیں اسلام کی حفاظت کی راہ میں قربان کررہے ہیں - اس سے بڑھکر اور کونسا کام ہے جو اسلام اور مسلمانوں کیلیے کیا جاسکتا ہے ؟ اور اسکے بعد کیا رہگیا جسکی طلب اور سوال ہو ؟ بہت ممکن ہے کہ کسی دوسرے حصے کے مسلمانوں نے ترکوں سے زیادہ نمازیں پڑھی ہوں ' لیکن نماز کے قیام کی راہ میں اُنسے زیادہ اپنا خون کسی نے نہیں بہایا - بہت ممکن ہے کہ عرب اور ہندوستان کے مسلمانوں کی زبانوں نے انسے زیادہ قرآن کی تلاوت کی ہو ' لیکن قرآن کی حفاظت کی راہ میں چار سو برس سے زخم صرف اُنہی کے سینے کھا رہے ہیں - اگر اللہ کی شریعت حق ہے ' اگر قرآن و سنت کا فیصلہ باطل نہیں ' تو ہمیں یقین کرنا چاہیے کہ دوسرے ملکوں کے ہزاروں عابد و زاہد

مسلمانوں سے جنکے دلوں میں کبھی جہاد فی سبیل اللہ کا حصرہ بھی نہیں گذرا ' ترکوں کا ایک گناہگار و معصیت آلود فرد بھی اللہ کے آگے کہیں زیادہ فضیلت و محبوبیت رکھتا ہے - ہماری مدۃ العمر کی عبادتیں بھی اُنکے سینے کے ایک جوانچکان زخم اور اس سے بہنے والے ایک قطرۂ خون کی عظمت نہیں پاسکتیں - حدیث ہے کہ " حرس ليلة في سبيل الله افضل من الف ليلة يقام ليلها و يصام نهارها " (۱) جہاد فی سبیل اللہ کی ایک رات ہزار دنوں کے روزوں اور ہزار راتوں کی عبادت سے بھی افضل ہے ! حضرت عبد اللہ بن مبارک نے حضرۃ فضیل بن عیاض کو ایک مرتبہ یہ اشعار لکھکر بھیجے تھے

یا عابد الحرمین لو ابصرتنا * لعلمت انک فی العبادۃ تلعب !
من کان یخضب خدہ بدموعہ * فنحورنا بدمائنا تتخضب !
ریح العبیر لکم ' و نحن عبیرنا * رہج السنابک والغبار الاطیب (۲)

جو مسلمان یورپ کے مسیحی و سیاسی اثر سے مختل ہوکر ترکوں پر اعتراض کیا کرتے ہیں ' اُنکو چاہیے کہ پہلے اپنے گریبان میں منہ ڈالکر دیکھیں کہ صدیوں سے اُنکی منافقانہ غفلت و اعراض کا کیا حال رہا ہے ؟ علی الخصوص ہندوستان کے مسلمانوں کو (جو تعداد میں ہر جگہ کے مسلمانوں سے زیادہ ہیں) غور کرنا چاہیے کہ جس اولین فرض دینی کیلیے ترک چار سو برس

---

(۱) اخرجہ الامام احمد عن مصعب بن زبیر -

(۲) حافظ ابن عساکر نے امام موصوف کے ترجمہ میں یہ اشعار نقل کیے ہیں - امام موصوف ایک سال درس حدیث دیتے ' ایک سال تجارت کرتے ' ایک سال جہاد میں شرکت فرماتے - حضرۃ فضیل اُس عہد کے مشہور عباد و زہاد میں سے ہیں - حاصل ان اشعار کا یہ ہے " اے حرمین کے گوشہ نشین عابد ! اگر تو نے ہمارا حال دیکھا ہوتا تو معلوم کر لیتا کہ جس زہد و عبادت میں مشغول رہتا ہے وہ تو ایک طرح کا کھیل ہے - جو شخص اپنے رخسار آنسوؤں سے (عبادت میں) تر کرتا ہے ' اُسے معلوم ہونا چاہیے کہ ہماری عبادت وہ ہے جسمیں رخسار آنسوؤں سے نہیں بلکہ گردنیں خون سے رنگین ہوا کرتی ہیں " ! حضرۃ فضیل نے جب یہ اشعار پڑھے تو اُنکی آنکھیں اشکبار ہوگئیں اور فرمایا " صدق ابو عبد الرحمن " عبد اللہ بن مبارک نے سچ کہا !

سے ابدا خوں بہہ رہے ہیں ' نہوں نے اسکے سوا کیا کیا ؟ زیادہ سے زیادہ یہ کہ
کبھی کبھار چند لاکھ سے ترک رعیتوں کی موجود تھی کیلئے بھیجدیے جو ایک
ترک بلوہ کی مصیبت اور ایک ترک یلغار کے آنسوؤں کی قیمت سی نہیں ہوسکتے ؟
لہذا ایسے لوگوں کو جو اپنی رائیں وارج الدائی کے نسخوں پر از رہی آراء دینے کی
جھوٹوں کے اچھے مشیر کرتے ہوں ' یہ حق پہنچتا ہے کہ ان لوگوں پر زبان طعن
کھولیں جو چار سو برس سے اپنی آنکھیں جانب و چوں میں بند رہے ہیں ؟

بہرحال منصب خلافت کا یہ مقصد قائم دفاع و جہاد ہے - رہ پچھلی
چار صدیوں میں بحر ترکوں کے اور کسی اسلامی حکومت نے انجام نہیں دیا -
پس اگر اور دلائل و شواہد نہ ہوتے ' جب بھی صرف یہی ایک بات
سلاطین عثمانیہ کی خلافت و امامت کیلئے کفایت کرتی تھی -

اور اسپر یہ بھی واضح رہے کہ یہ تمام مباحث اس سوال سے تعلق رکھتا
تھا کہ گذشتہ صدیوں میں متعدد اسلامی حکومتوں کے رہتے ہوئے سلاطین
عثمانیہ ہی کیوں خلافت عظمیٰ کے حقدار تسلیم کیے گئے ؟ لیکن موجودہ
زمانے میں جبکہ تمام اسلامی حکومتیں مٹ چکی ہیں ' مسلمانان عالم
کیلئے بجز سلطان عثمانی کے کسی دوسری خلافت کا وجود ہی نہیں رہا -

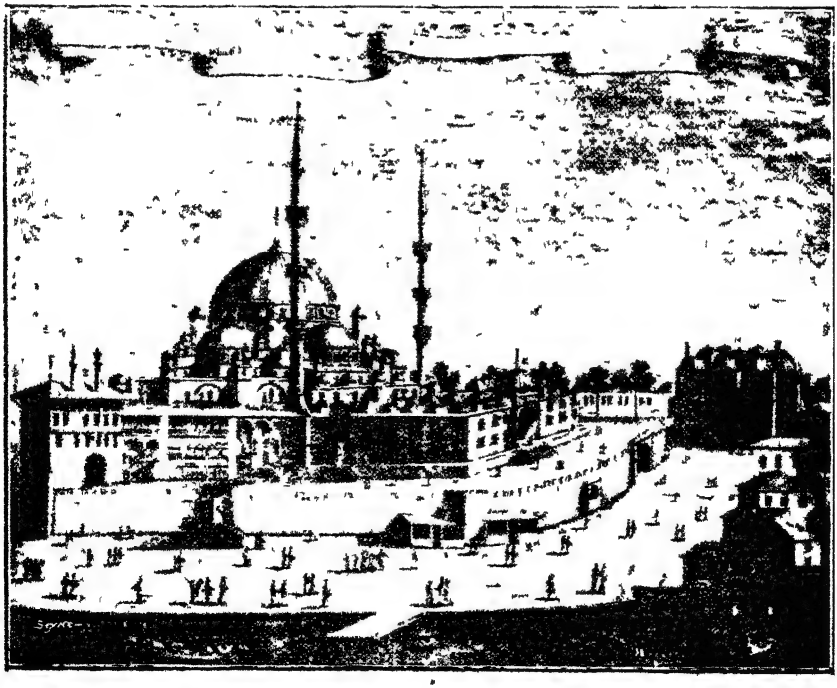

ایڈریا نوپل کی جامع سلیم کا بیرونی منظر!

باب

(فریضۂ عظیمۂ دفاع)

فصل

(حقیقت حکم دفاع)

اسلام کے شرعی واجبات و فرائض میں ایک نہایت اہم اور اثر حالتوں میں ایمان و کفر تک کا فیصلہ کردینے والا فرض " دفاع " ہے -

تشریح اسکی یہ ہے کہ جب کبھی کسی مسلمان حکومت یا کسی مسلمان آبادی پر کوئی غیر مسلم گروہ حملہ کرے ' تو یکے بعد دیگرے تمام دنیا کے مسلمانوں پر شرعاً فرض ہوجاتا ہے کہ دفاع (ڈیفنس - Difence) کیلیے اُٹھہ کھڑے ہوں' اس حکومت اور آبادی کو غیر مسلم قبضہ سے لڑکر بچائیں ' اگر فوری قبضہ ہوگیا ہے تو اس سے نجات دلائیں ' اور اس کام کیلیے اپنی ساری قوتیں اور ہر طرح کی ممکن کوششیں وقف کردیں - اس بارے میں قرآن و حدیث کے احکام اس کثرت سے موجود ہیں ' اور اسلامی فرائض میں یہ اسدرجہ مشہور فرض ہے ' کہ شاید ہی دنیا میں کوئی مسلمان اس سے ناواقف نکلے - یہی باہمی مددگاری و یاوری اور دفاع اعداء کا قانون ہے جس پر اسلام نے شریعت و امت کی حفاظت کی ساری بنیادیں استوار کی ہیں - لڑائی لڑنے کی نسبت سب سے پہلی آیۃ جو نازل ہوئی وہ سورۂ حج میں ہے :

ان اللہ یدافع عن الذین آمنوا ' ان اللہ لا یحب کل خوان کفور ' اُذن للذین یقاتلون بانہم ظلموا ' و ان اللہ علی نصرہم لقدیر ' الذین اخرجوا من دیارہم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ -
(۲۲ : ۴۲)

اللہ تعالی مومنوں پر سے اُنکے دشمنوں کو ہٹاتا رہتا ہے - وہ اُن لوگوں کا ساتھی نہیں جو اُسکی بخشی ہوئی طاقت کے امانت دار نہیں ہیں ' اور شکرگزاری کی جگہہ کفران نعمت میں سرشار ہیں - جن مسلمانوں سے کافر لڑ رہے ہیں ' اب اُن مسلمانوں کو بھی کافروں سے لڑنے کی اجازت دی جاتی

ہے کیونکہ اُن پر ظلم ہو رہا ہے ' اور اللہ مظلوموں کی مدد پر قادر ہے - یہ وہ لوگ ہیں کہ بلا کسی حق کے اپنی آبادیوں سے نکال دیے گئے - انکا کوئی قصور نہ تھا - صرف یہ کہ اپنے پروردگار کے ماننے والے ہیں - (۱)

لیکن بعض مفسرین نے سورۂ بقرہ کی حسب ذیل آیت کو اذن قتال کا پہلا حکم قرار دیا ہے :

و قاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ' و لا تعتدوا - ان اللہ لا یحب المعتدین - و اقتلوھم حیث ثقفتموھم ' و أخرجوھم من حیث أخرجوکم - والفتنۃ اشد من القتل - (۲ : ۱۸۷)	اللہ کی راہ میں اُن لوگوں سے لڑو جو مسلمانوں سے لڑائی لڑ رہے ہیں - مگر زیادتی نہ کرو - اللہ حد سے گزر جانے والوں کو پسند نہیں کرتا - اور ایسا کرو کہ جہاں کہیں بھی وہ جمے ہوئے ملیں ' قتل کردو - اور جہاں کہیں سے انہوں نے مسلمانوں کو نکالا ہے ' تم بھی نکال باہر کرو - ایسا کرنا اگرچہ خونریزی ہے ' مگر خونریزی کی برائی سے بھی بڑھکر ظلم و فساد کی برائی ہے -

امام ابن جریر نے ابو العالیہ کا قول نقل کیا ہے کہ جنگ کی نسبت بھی پہلی آیت ہے جو نازل ہوئی " انہا اول آیت نزلت فی القتال بالمدینہ فلما نزلت کان رسول اللہ صلعم یقاتل من قاتلہ و یکف عمن کف عنہ ' حتی نزلت سورۃ براۃ " پس اذن قتال کی پہلی آیت یا سورۂ حج کی ہے یا بقرہ کی -

ان دونوں آیتوں اور انکی ہم مطلب آیات میں قرآن حکیم نے حکم قتال کے اُس حصہ کو صاف صاف مسلمانوں پر فرض کردیا ہے جسکا مقصد دفاع (ڈیفنس) ہے (۲) - یعنی جب کبھی غیر مسلموں کی کوئی جماعت

---

(۱) روی الحاکم من حدیث الاعمش عن ابن عباس - قال : لما خرج رسول اللہ صلعم من مکۃ قال ابو بکر " اخرجوا نبیھم - انا للہ و انا الیہ راجعون - لیھلکن " فانزل اللہ اذن للذین یقاتلون الخ و ھی اول آیۃ نزلت فی القتال - اسنادہ علی شرط الصحیحین -

(۲) یعنی حکم جہاد کی مختلف قسموں اور صورتوں میں سے ایک قسم قتال ہے - پھر قتال کی بھی دو قسمیں ہیں - دفاع اور ہجوم - ان آیات میں دفاع کا حکم ہے - ہجوم کا حکم دوسری آیتوں میں ہے اور اسکے مواقع و بواعث اور شرائط دوسرے ہیں -

مسلمانوں کی کسی حکومت یا آبادی پر حملہ کرے ، یا اُس پر خود قابض ہو جانا چاہے ، تو مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اپنے بھائیوں کی مدد کیلئے اُٹھ کھڑے ہوں - جس طرح حملہ آوروں نے حملہ کیا ہے ، وہ بھی کریں - قتل و جنگ کی جو جو حال وہ چلے ہیں ، وہ بھی چلیں - البتہ یہ جائز نہیں کہ اس بارے میں رحم و عدل کے جو حدود شریعت نے باندھدئے ہیں (مثلاً ضعیفوں ، بوڑھوں ، بچوں ، عورتوں ، راہبوں ، مذہبی عبادتگاہوں وغیرہ سے تعرض نہ کرنا) اُنسے قدم باہر نکالیں - پھر اُس حکم کی علت بھی بتلادی کہ الفتنۃ اشد من القتل - بلاشبہ یہ جنگ بدل ہے اور انسانی قتل بہت بڑی برائی ہے ، لیکن اس برائی سے بھی بڑھکر برائی یہ ہے کہ لوگ اپنی آبادیوں اور حکومتوں پر قابض نہیں رہتے - دوسروں کے حقوق آزادی و حکومت چھیننا چاہتے ہیں - توحید کی جگہ کفر و شرک کے مابعث مسلمانوں کو لانا چاہتے ہیں ، قوموں کا قدرتی حق حریت پامال کر رہے ہیں - اگر اسکے دفع کا انتظام نہ کیا جائے ، تو پھر دنیا میں کوئی قوم زندہ و باقی نہیں رہسکتی - پس بڑی برائی کے دور کرنے کیلئے چھوٹی برائی اختیار کرلینی چاہیئے - یہ خود نیچر کا عالمگیر قانون اور کارخانۂ حیات کا دائمی عمل ہے - اگر ایسا نہ ہوتا تو خدا کبھی جنگ کا حکم نہ دیتا -

سورۂ محمد (ص) میں قرآن نے حکم قتال اور جواز جنگ کی اصلی علت بھی بتلادی ہے :

حتی تضع الحرب — لڑتے رہو ، یہانتک کہ لڑائی موقوف اوزارہا - (۴۷ : ۶) — ہو جائے -

یعنی اسلام کا اصلی مقصد یہ ہے کہ دنیا میں عالمگیر صلح و امن قائم ہو جائے - ساری دنیا ایک قوم ، اور تمام نوع انسانی ایک گھرانے کی طرح زندگی بسر کریں - لیکن جب تک جنگ کرنے والی ظالم و حریص قوتیں باقی ہیں ، یہ مقصد حاصل نہیں ہوسکتا - پس پہلے مفسد و جابر قوتوں کا مقابلہ کرنا اور اُنکو فنا کردینا ضروری ہوا - مضبوط اور مستقل امن اُسی وقت قائم ہوگا ، جب پہلے امن کی خاطر اچھی طرح جنگ کرلی جائے

حتی اذا اثخنتموھم — یہانتک لڑو کہ جنگ آزما دشمن چور چور ہو جائیں - (۴۷ : ۵)

قاتلوں کا جب تک خون نہ بہایا جائیگا ، مقتولوں کا خون بہنا بند نہ ہوگا :

ولکم فی القصاص حیاۃ یا اولی الالباب - (۲ ۱۷۹)

تمہارے لیے قصاص کی صورت میں امن کی زندگی پوشیدہ ہے '

لہذا حکم دیا کہ جب تک دنیا جنگ اور دوسرے جنگ سے باز نہ آجائے ' جنگ کرتے رہو - کبھی اس سے نہ تھکو - یہانتک کہ دنیا میں جنگ کا نام و نشان ہی باقی نہ رہے " نضع الحرب اوزارھا " جنگ اپنے ہتھیار ڈالدے - یعنی جنگ بالکل موقوف ہوجائے - فساد و بطلان کی جو قوتیں ہی باقی نہ رہیں جو خدا کی زمین کو ہمیشہ انسانی خون سے رنگتی رہتی ہیں - قرآن کا دعوا ہے کہ عالمگیر امن کا یہ وقت دنیا پر ضرور آئیگا - مگر اُسی وقت آئیگا جب تمام دنیا اسلام کی دعوت امن و اخوت کے آگے جھک جائیگی : ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون (۹ . ۶۱)

فصل

(وضائل دفاع)

اسلامی احکام میں یہ حکم " دفاع " جو اہمیت رکھتا ہے ' وہ عقائد ضروریہ کے بعد کسی حکم ' کسی فرض ' کسی رکن ' کسی عبادت کو حاصل نہیں - قرآن و حدیث میں بار بار یہ بات بتلائی گئی ہے کہ قومی زندگی اسی عمل کے بقاء پر موقوف ہے - جب تک مسلمانوں میں یہ جذبہ باقی رہیگا اور اس کام کی راہ میں ہر فرد اپنی زندگی اور اپنا مال قربان کردینے کیلیے طیار رہیگا ' اُسوقت تک دنیا کی کوئی قوم اُنپر غالب نہ آسکیگی - جسدن یہ جذبہ مردہ ہوجائیگا - اُسی دن سے مسلمانوں کی قومی موت بھی شروع ہوجائیگی - چنانچہ قرآن نے مثال میں یہودیوں کی تاریخ پیش کی ہے - جب تک یہودیوں میں اعتقاداً و عملاً یہ جذبہ باقی رہا ' حکومت و عزت اُنہی کیلیے تھی - جب چند گھڑیوں کے عیش و راحت کا عشق قومی زندگی و عزت کے دائمی عیش کی طلب پر غالب آگیا ' اور اس چیز کو چھوڑ بیٹھے ' ذلت و محکومی کا داغ ہر یہودی کی پیشانی پر لگ گیا ' اور ہمیشہ کیلیے خوار و ذلیل ہوکر رہگئے : ضربت علیھم الذلۃ والمسکنۃ و باؤا بغضب من اللہ !

الم تر الی الملاء من بني اسرائیل من بعد موسی ؟ اذ قالوا لنبي لهم " ابعث لنا ملکا نقاتل فی سبیل الله " قال " هل عسیتم ان کتب علیکم القتال ان لا تقاتلوا " قالوا " وما لنا ان لا نقاتل فی سبیل الله وقد اخرجنا من دیارنا وابنائنا ؟ " فلما کتب علیهم القتال ' تولوا الا قلیلاً منهم ' والله علیم بالظالمین - (۲ : ۱۲۲)

کیا نبی اسرائیل کا حال نہیں دیکھتے کہ موسی کے بعد کیا ہوا ؟ پہلے تو خود ہی اپنے عہد کے نبی سے درخواست کی " کسی کو ہم پر بادشاہ بنادو کہ اُسکے ماتحت اللہ کی راہ میں لڑیں " نبی نے کہا " اگرچہ تم ایسا کہتے ہو لیکن امید نہیں کہ وقت پر پورے اُترو - اگر تم کو لڑائی کا حکم دیا گیا تو بزدلی دکھلا کے نافرمانی کرجاؤگے " ان لوگوں نے جواب دیا " نہیں ایسا نہیں ہوسکتا - ہمکو کیا ہوگیا ہے کہ حق کی راہ میں ظالموں سے جنگ نہ کریں ؟ حالانکہ انہوں نے ہم کو اور ہماری اولاد کو ہمارے شہروں سے نکال دیا ہے " لیکن دیکھو ' جب لڑائی کا حکم دیا گیا تو بجز چند حق پرستوں کے سب اپنے قول و قرار سے پھر گئے - وقت پر اُنکا دعوا سچا ثابت نہ ہوا -

سنن ابو داؤد میں ہے " اذا ضن الناس بالدینار والدرهم و تبایعوا بالعین واتبعوا اذناب بقر ' و ترکوا الجهاد فی سبیل الله ' انزل الله بهم بلاء ' فلم یرفعه حتی یراجعوا " یعنی جب کوئی جماعت جہاد فی سبیل اللہ ترک کردیتی ہے تو اسپر بلائیں نازل ہوتی ہیں جو کبھی دور نہیں ہوسکتیں - الا یہ کہ وہ اس معصیت سے باز آئیں -

چونکہ شریعت و ملت کے قیام کی اصلی بنیاد یہی چیز تھی ' اسلیے ہر حیثیت اور ہر اعتبار سے اس پر زور دیا گیا ' اور سارے عملوں اور نیکیوں سے جو ایک مسلمان دنیا میں کرسکتا ہے ' اس عمل کا مرتبہ و اجر افضل و اعلی ٹھہرایا - جس عمل میں جسقدر زیادہ ایثار و قربانی ہوگی ' اُتنا ہی زیادہ اُسکا اجر و ثواب بھی ہوگا - ظاہر ہے کہ اس عمل سے بڑھکر اور کس عمل میں مال و جان کا ایثار ہوسکتا ہے ؟

کوئی خاص وقت اور عہد اسکے لیے مخصوص نہیں - ہر حال اور ہر زمانے میں ایک مسلم و مومن زندگی کے ایمان و صداقت کی بنیاد بھی چیز اور اسی کا سچا عشق و ولولہ ہے - یہی سنام دین ہے - یہی عماد ملت

ہے - یہی اساس شرع ہے - یہی ملاک اسلام ہے - یہی ایمان و نفاق کی اصلی کسوٹی ہے - یہی مومن کو منافق سے الگ کردینے کیلیے اصلی پہچان ہے - نماز اسی سے ہے - روزہ اسی ہے - حج اسی سے ہے - زکوٰۃ کا سب سے پہلا اور افضل مصرف یہی ہے - سب اسکے لیے ملتزمی ہو جاسکتے ہیں - اسکو کسی کی خاطر نہیں چھوڑا جا سکتا - یہ دین کا ستون ہے اور روزہ برائیوں سے بچنے کی ڈھال ' لیکن یہ دین کی بنیاد ہے اور برائیوں کو معدوم کردینے والی تلوار - پس اسکی فضیلت کو نہ نماز پہنچ سکتی ہے نہ روزہ - نہ اس سے بڑھکر کوئی دوسرا عمل ہے جو اللہ کی نظروں میں محبوب ہو اور کرنے والے کو اسکی دائمی محبوبیت سے سرفراز کردے - ہزاروں نمازیں اور ہزاروں روزے بھی اُس ایک قطرۂ خون کی فضیلت و تقدس نہیں پا سکتے جو اس راہ میں بہایا گیا ' اور عمر بھر کی صدقات و خیرات بھی اُس ایک درہم کے اجر کا مقابلہ نہیں کرسکتیں جو اس راہ میں خرچ کیا گیا - حتیٰ کہ یہی عمل اسلام و ایمان کی اصلی پہچان قرار پایا - جس مسلمان کا دل اس کے ولولۂ و طلب سے خالی ہوا ' وہ ایمان و اسلام کی روشنی سے محروم ہوگیا - نفاق کی ظلمت اُسپر چھا گئی - صحیح مسلم میں ہے :

من مات ولم یغزو	جو مسلمان اس حالت میں دنیا سے گیا
ولم یحدث نفسہ بہ ' مات	کہ نہ تو کبھی اللہ کی راہ میں لڑائی لڑی '
علی شعبۃ من النفاق -	اور نہ اُسکے دل میں اس بات کی طلب
(عن ابی ہریرہ)	رہی ' اُسکی موت ایسی حالت میں

ہوئی جو نفاق کی شاخوں میں سے ایک شاخ ہے -

قرطبی نے اسکی شرح میں کہا " فیہ دلیل علی وجوب العزم " اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جہاد کا عزم اور ارادہ ہر مسلمان پر واجب ہے - اسکے عزم اور طلب سے بھی اگر دل خالی ہوگیا تو وہ مومن نہیں ہے ' منافق ہے - اگر ہندوستان کے مسلمان چاہیں تو اس فرمان رسول کو سامنے رکھکر اپنے ایمان و نفاق کا فیصلہ کر لے سکتے ہیں !

ترمذی میں ہے - ایک مرتبہ صحابہ کی ایک جماعت میں اس بات کا چرچا ہوا " ای الاعمال احب الی اللہ " ؟ ساری نیکیوں اور عبادتوں میں

سب سے زیادہ کونسا عمل اللہ کے نزدیک محبوب و مقبول ہے ؟ اسپر سورۂ صف نازل ہوئی (۱)

ان اللہ یحب الذین یقاتلون فی سبیلہ صفا کانہم بنیان مرصوص ! — اللہ تعالی تو اُن لوگوں کو محبوب رکھتا ہے جو اُسکی راہ میں صف باندھکر اس استقامت اور جماؤ سے لڑتے ہیں، گویا ایک دیوار ہے جو تلواروں کے سامنے کھڑی کردی گئی ہے، اور دیوار بھی کیسی ؟ ایسی جسکی ہر اینٹ دوسری اینٹ سے سیسہ ڈالکر جوڑ دی گئی ہو !

پھر اسی سورۃ میں آگے چلکر فرمایا - یہی وہ عمل ہے جسکے کرنے کے بعد تمام گناہ بخشدیے جاتے ہیں - کوئی خطا، کوئی معصیت، کوئی برائی باقی نہیں رہتی - ابدی نجات کا دروازہ ہمیشہ کیلئے کھل جاتا ہے :

یا ایہا الذین آمنوا ! ھل ادلکم علی تجارۃ تنجیکم من عذاب الیم ؟ تؤمنون باللہ و رسولہ ، و تجاھدون فی سبیل اللہ باموالکم و انفسکم ، ذلکم خیر لکم ان کنتم تعلمون - یغفر لکم ذنوبکم ، و یدخلکم جنات تجری من تحتھا الانہار، و مساکن طیبۃ فی جنات عدن - ذلک الفوز العظیم !

بخاری و مسلم میں حضرۃ ابو ہریرۃ سے مروی ہے - آنحضرۃ سے سوال کیا گیا - " ای العمل افضل " ؟ کونسا عمل سب سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے ؟ فرمایا " ایمان باللہ و رسولہ " اللہ اور اسکے رسول پر ایمان لانا - پوچھا " ثم ماذا " ؟ اس کے بعد ؟ - فرمایا " الجہاد فی سبیل اللہ " - اللہ کی راہ میں جہاد !

بخاری میں ابوسعید خدری سے ہے " قیل ای الناس افضل ؟ فقال مومن یجاھد فی سبیل اللہ بنفسہ و مالہ " آپ سے پوچھا گیا - سب سے زیادہ افضل آدمی کون ہے ؟ فرمایا وہ مومن جو اللہ کی راہ میں اپنی جان و مال سے جہاد کرتا ہے -

اور فرمایا " لغدوۃ فی سبیل اللہ أو روحۃ خیر من الدنیا و ما فیھا " اور " خیر مما تطلع علیہ الشمس و تغرب " (بخاری) جہاد فی سبیل اللہ

---

(۱) و اخرجہ ایضا امام احمد عن عبد اللہ بن سلام ، و ابن ابی حاتم و ابن حبان ، و الحاکم و قال صحیح علی شرط الصحیحین ، و البیہقی فی شعب الایمان و السنن ، و الطبری فی التفسیر -

کی ایک صبح یا شام تمام دنیا اور اُسکی نعمتوں سے بہتر ہے اور اُن ساری چیزوں سے افضل ہے جن پر سورج نکلتا اور ڈوبتا ہے ۔

بخاری میں در حدیثیں ہیں " ما من عبد یموت له عند الله خیر یسره أن یرجع الی الدنیا و أن له الدنیا و ما فیها " الا الشهید - لما یری من فضل الشهادة فانه یسره أن یرجع الی الدنیا فیقتل مرة أخری " اور روایت انس " ما احد یدخل الجنة یحب أن یرجع الی الدنیا و له ما علی الارض من شیء " الا الشهید " یتمنی أن یرجع الی الدنیا فیقتل عشر مرات لما یری من الکرامة " حاصل دونوں کا یہ ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ دنیا میں آنے کی کسی کو آرزو نہیں ہوسکتی مگر اُس کو جو اللہ کی راہ میں شہید ہوا - جب وہ شہادت کا اجر و ثواب دیکھتا ہے تو تمنا کرتا ہے - کاش پھر دنیا میں جاسکوں اور دس مرتبہ اِسی طرح اللہ کی راہ میں مارا جاؤں - اور ہر مرتبہ شہادت کی عزت و کرامت حاصل کروں !

حد ہوگئی کہ جن لوگوں نے جنگ بدر میں جان نثاریاں کی تھیں ' اگر کبھی ایسے کوئی لغزش ہوئی اور معصیت میں مبتلا ہوگئے ' تو آپ نے سزا دینے سے انکار کردیا اور فرمایا " لعل الله اطلع علی اهل بدر فقال اعملوا ما شئتم " یہ وہ جاں نثار حق ہیں جنھوں نے جنگ بدر میں شرکت کی ہے - عجب نہیں کہ اس ایک عمل کے صلہ میں اللہ نے انکی ساری پچھلی اور آئندہ خطائیں بخشدی ہوں اور کہدیا ہو کہ جو جی میں آئے کرو !

طبرانی نے عمران بن حصین سے روایت کی ہے کہ جب شام کے رومیوں کی طیاریوں کی خبر پہنچی تو مدینہ میں مسلمانوں کی حالت نہایت نازک اور کمزور تھی - کسی طرح کا سازوسامان میسر نہ تھا - حضرة عثمان نے یہ حال دیکھا تو اپنا پورا تجارتی قافلہ آنحضرة کیخدمت میں پیش کردیا جو شام جانے کیلئے طیار ہوا تھا - اسمیں دو سو اونٹ مال و اسباب سے لدے ہوئے تھے ' اور دو سو اوقیہ سونا تھا - آنحضرة نے فرمایا " لا یضر عثمان ما عمل بعدها " آج کے دن کے بعد سے عثمان خواہ کچھ ہی کرے لیکن کوئی عمل اسکو نقصان نہیں پہنچا سکتا - (اخرجه الترمذی و الحاکم ایضاً من حدیث عبد الرحمن بن حباب نحوه)

سبحان اللہ اس عمل عظیم کی برکت و بخشش ! اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عمل دفاع کیلئے اپنا مال و متاع قربان کرنا خدا و رسول کی

نظر میں ایسا معجوب و محترم کام ہے ' جسکے بعد کوئی برائی بھی صاحب عمل کو نقصان نہیں پہنچا سکتی - کسی عمل کسی طاعت ' کسی عبادت کو بھی یہ فضیلت نصیب نہ ہوئی !

ترمذی میں ہے " من رابط لیلۃ فی سبیل اللہ ' کانت لہ کالف لیلۃ صیامہا و قیامہا " جس مسلمان نے ایک رات بھی جہاد کرتے ہوے دشمن کے انتظار میں کاٹی ' اسکے لیے ایسا اجر ہے ' گویا ہزار دنوں کا روزہ اور ہزار راتوں کی عبادت !

اور فرمایا " مقام احدکم فی سبیل اللہ خیر من عبادۃ احدکم فی اھلہ ستین سنۃ " (ترمذی) ساٹھ برس تک اپنے گھر میں عبادت کرنے سے بھی یہ افضل ہے کہ جہاد کے میدان میں کھڑے نظر آؤ -

اور فرمایا " حرس لیلۃ فی سبیل اللہ ' افضل لہ من الف لیلۃ ' یقام لیلہا و یصام نہارہا " (رواہ احمد) جہاد کی ایک رات اس سے افضل ہے کہ ہزار راتیں عبادت میں اور ہزار دن روزہ میں بسر کیے جائیں !

اور فرمایا " حرمت النار علی عین دمعت من خشیۃ اللہ ' و حرمت النار علی عین سہرت فی سبیل اللہ " (ایضاً) جو آنکھ اللہ کے خوف سے اشکبار ہوئی ' یا جہاد میں کام کرتے ہوے جاگی ' اسپر دوزخ کی آگ حرام ہے !

ایک شخص نے پوچھا - یا رسول اللہ ! کوئی ایسا عمل بتلادیجیے کہ مجاہدین کا ثواب حاصل ہو - فرمایا " ھل تستطیع ان تصلی ولا تفتر ' و تصوم ولا تفطر ؟ " اسکی طاقت رکھتے ہو کہ برابر نماز پڑھتے رہو اور قضا نہو ' برابر روزہ رکھتے رہو ' اور کبھی بیچ میں افطار نہ کرو ؟ عرض کیا " انا اضعف من ان استطیع ذلک " یہ تو میری طاقت سے باہر ہے - فرمایا " فو الذی نفسی بیدہ ! لو طوقت ذلک ' ما بلغت فضل المجاھدین فی سبیل اللہ - اما علمت ان فرس المجاھد لیستن فی طولہ فیکتب لہ بذلک الحسنات ؟ " خدا کی قسم ! اگر تم ایسا کرنے کی طاقت بھی رکھتے اور کر دکھاتے ' جب بھی اُن لوگوں کی فضیلت کہاں پاسکتے تھے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں ؟ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ مجاہد کا گھوڑا لگام میں اُچھلتا ہے تو اسکے لیے بھی اسکے نامۂ اعمال میں نیکیاں درج ہوتی رہتی ہیں ؟ (رواہ احمد ' و ایضاً رواہ البخاری باختلاف یسیر)

بخاری و مسلم میں ہے - تین مرتبہ آپ سے پوچھا گیا - " ما یعدل الجہاد فی سبیل اللہ ؟ " کونسا کام ہے جو جہاد کے برابر درجۂ و فضیلت رکھتا ہو؟ تینوں مرتبہ فرمایا " لا تستطیعونہ " تم سکی طاقت نہیں رکھتے - یعنی کوئی عمل ایسا نہیں ہے جو جہاد کے برابر درجہ رکھتا ہو اور تم کرسکو- پھر فرمایا " مثل المجاہد کمثل الصائم القائم القانت بآیات اللہ لا یفتر عن صلاۃ و لا صیام حتی یرجع"

اور فرمایا " من اغبرت قدماہ فی سبیل اللہ ساعۃ من نہار" فہما حرام علی النار" (رواہ احمد) جس کے پاؤں اللہ کی راہ میں ایک گھنٹہ کیلیے بھی گرد آلودہ ہوے ' دوزخ کی آگ اُن قدموں پر حرام ہے -

امام بخاری نے اسی حدیث کو یوں روایت کیا ہے " ما اغبرت (و فی روایۃ المستملی" اغبرا " با التثنیہ) قدما عبد فی سبیل اللہ فتمسہ النار" ایسا نہیں ہو سکتا کہ جس بندے کے پاؤں جہاد کی راہ میں غبار آلودہ ہوے ہوں ' اُن کو جہنم کی آگ بھی چھو سکے - حافظ عسقلانی اس کی شرح میں لکھتے ہیں - اس حدیث سے جہاد فی سبیل اللہ کی عظمت و فضیلت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے - جب صرف غبار راہ سے قدموں کا آلودہ ہونا اتنا بڑا اجر رکھتا ہے کہ جہنم کی آگ اُن پر حرام ہوجاتی ہے ' تو جو خوش نصیب جہاد و دفاع میں کمال سعی و تدبیر کرے اور اپنی جان اور مال کو اس کے لیے وقف کردے ' اس کے اجر و ثواب کا کیا حال ہوگا ؟ اور کون ہے جو اس کا اندازہ لگا سکتا ہے ؟ و اللہ یضاعف لمن یشاء -

اور فرمایا " ما من میت یموت الا ختم عملہ ' الا من مات مرابطا فی سبیل اللہ ' فانہ ینمو لہ عملہ الی یوم القیامۃ و امن من فتنۃ القبر" (رواہ اصحاب السنن) کوئی ایسی موت نہیں جسکے ساتھ اعمال کا سلسلہ بھی ختم نہ ہو جاتا ہو ' الا وہ شخص کہ جہاد کی راہ میں دشمن کے حملے کا انتظار کرتا ہوا دنیا سے گیا - سو اُسکا عمل ایسا ہے جو مرنے کے بعد بھی قیامت تک بڑھتا رہیگا -

یعنی عمل جہاد بھی حسنات جاریہ میں سے ہے - حسنات جاریہ بموجب نص حدیث مسلم تین ہیں - اولاد صالح' علم نافع' اوقاف و تعمیرات خیریہ - مثلاً مساجد و مدارس وغیرہ جو بعد کو باقی رہیں - اس حدیث اور اسکی ہم معنی احادیث سے معلوم ہوا کہ جہاد کا ہر کام بھی اسی قسم میں داخل

ہے - عمارت اسکی بالکل واضح ہے - عمل جہاد کی بنیاد ہی یہ ہے کہ اپنے بعد کے زمانے اور آنے والی نسلوں کی حفاظت و سعادت کیلئے اپنا وجود قربان کردیا جائے - پس کوئی عمل نہیں جو اس سے زیادہ سچی اور بے لاگ انسانی خدمت اور نوع پرستی کے جذبات رکھتا ہو - اور اسی لئے ضروری ہوا کہ اسکا اجر بھی وقتی نہیں ' دائمی ہو - عمل کا اجر تو عمل کے نتائج پر موقوف ہے - جب نتائج بعد کے زمانوں اور نسلوں کو ملینگے ' تو صاحب عمل کا اجر بھی فوراً کیوں منقطع ہو جائے ؟

اس حدیث میں " مرابطاً فی سبیل اللہ " کا لفظ آیا ہے - اور دوسری حدیثوں میں بھی جا بجا " رباط " کا لفظ وارد ہے - " رباط " سے مقصود یہ ہے کہ کسی مقام میں ٹھہر کر دشمن کے حملہ کا انتظار کرنا - تاکہ جب دشمن آئے تو اللہ کی راہ میں مقابلہ کیا جائے - نہایہ میں ہے " ھو الاقامۃ فی مکان یتوقع ھجوم العدو بہ لقصد دفعہ للہ " پس " مرابطا فی سبیل اللہ " کا مطلب یہ ہوا کہ اگر لڑکر شہید ہونے کا موقعہ نہیں ملا ' اور حملہ کے انتظار ہی میں موت آگئی ' جب بھی اسکا اجر مرنے کے بعد برابر بڑھتا رہیگا - اور وہ ہزار دنوں کے روزہ و نماز سے بھی افضل ہے ! اسی بنا پر امام بخاری و امام نووی وغیرھما نے فضل الرباط فی سبیل اللہ کا باب باندھا ہے -

قرآن بھی ہر جگہ اور بار بار یہی کہتا ہے :

الذین آمنوا و ھاجروا و جاھدوا	جو لوگ ایمان لائے ' حق کی راہ میں
فی سبیل اللہ باموالھم	اپنا گھر بار چھوڑا ' اپنی جان و مال سے
و انفسھم ' اعظم درجۃ عند اللہ	جہاد کیا ' سو اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ
و اولائک ھم الفائزون -	اور اونچا درجہ انہی کا ہے - یہی لوگ
یبشرھم ربھم برحمۃ منہ	ہیں کہ دنیا اور آخرۃ میں کامیاب ہونگے -
و رضوان و جنات لھم فیھا نعیم	اللہ کی طرف سے انکے لیے بشارت ہے -
مقیم - خالدین فیھا ابدا -	اسکی رحمت ' اسکی محبت ' بہشتی
ان اللہ عندہ اجر عظیم !	زندگی کی نعمتیں ' اور انکی دائمی اور
(۹ : ۲۳)	ہمیشگی ' سب کچھ انہی کیلیے ہے -

جو لوگ خود اپنی ذات سے جہاد و دفاع میں حصہ نہ لے سکیں مگر مجاہدین کو اپنے مال و متاع سے مدد پہنچائیں ' تا اور کسی طرح کی

خدمت انجام دیں، تو اگرچہ وہ مجاہدین کا اجر و ثواب نہیں پا سکتے، لیکن اُن کے لیے بھی اجر ہے، اور ساری عبادتوں اور طاعتوں سے بڑھکر اجر ہے -

ابن ماجہ میں ہے " من ابتل بنفقة فی سبیل الله و انفق فی نفقة فله بکل درهم سبع مائة درهم، و من غزا بنفسه فی سبیل الله و انفق فی رحله ذلک فله بکل درهم سبع مائة الف درهم - ثم تلا هذه الآیة - و الله یضاعف لمن یشاء " یعنی جو مسلمان ایسے وقتوں میں گھر سے نہ نکلا، صرف اپنے روپیہ سے جہاد میں مدد دی، تو اسکو ہر ایک روپیہ کے بدلے سات سو روپیوں کا اجر ملیگا - یعنے اس انفاق میں سات سو درجہ زیادہ اجر ہے - اور جس نے روپیہ بھی لگایا اور خود بھی سریک کار ہوا، تو اسکے لیے سات ہزار درجہ زیادہ اجر ہے - پھر آپنے یہ آیت پڑھی " اللہ جس کسی کا اجر و ثواب چاہتا ہے دوگنا کردیتا ہے "

اور امام بخاری نے باب باندھا ہے " فضل من جهز غازیا " اسمیں زید بن خالد کی حدیث لائے ہیں " من جهز غازیا فی سبیل الله فقد غزا و من خلف غازیا فی سبیل الله بخیر فقد غزا " یعنی جس شخص نے مجاہد و غازی کے سامان کا انتظام کردیا تو گویا اُس نے خود جہاد کیا - اور جس نے اُسکے پیچھے اُسکے کاموں کی دیکھ بھال کی تو اسکے لیے بھی ایسا ہی اجر ہے !

اسلام نے حقوق العباد پر جسقدر زور دیا ہے، معلوم ہے - علی الخصوص والدین اور اقربا کے حقوق کو ساری نیکیوں اور ہر طرح کی عبادتوں سے مقدم ٹھہرائے گئے - لیکن صرف یہی وہ عمل عظیم ہے جسکے لیے یہ حقوق بھی روک نہیں ہوسکتے - امت اور شریعت کی حفاظت ہی پر تمام افراد کی حفاظت موقوف ہے - پس اگر امت دشمنوں کے نرغہ میں ہے، تو نیکی کا سب سے بڑا کام جو زمین پر ہوسکتا ہے مسلمانوں کے سامنے آگیا - اب اس بڑے کام کے لیے سارے چھوٹے کام چھوڑ دینے چاہئیں - ماں، باپ، بھائی، بہن، بیوی، بچے، رشتے ناتے، اپنی اپنی جگہ سب حق ہیں - سب کا حق ادا کرنا چاہیے - لیکن خدا اور اسکی سچائی کا حق سب سے بڑا حق ہے - اُسکے رشتہ کے سامنے سارے رشتے ہیچ ہیں - پس اگر اُسکے کام کا وقت آگیا تو سب کو اُسکی خاطر چھوڑ دینا پڑیگا :

قل ان کان اٰباؤکم ' و ابناؤکم ' و اخوانکم ' و ازواجکم ' و عشیرتکم ' و اموال اقترفتموھا ' و تجارۃ تخشون کسادھا ' و مساکن ترضونھا ' احب الیکم من اللہ و رسولہ و جھاد فی سبیلہ فتربصوا حتی یاتی اللہ بامرہ و اللہ لا یھدی القوم الفاسقین - (۹ : ۲۵)

مسلمانوں سے کہدو کہ تمہارے والدین ' تمہاری اولاد ' تمہارے بھائی ' تمہاری بیویاں ' تمہارا خاندان اور اسکے تمام رشتے ' یہ مال و متاع جو تم نے کمایا ہے ' یہ کاروبار و تجارت جسکے مندا پڑجانے سے تم ڈرتے ہو ' یہ تمہارے رہنے کے محل جن میں تمہارا دل اٹکا ہوا ہے ' اگر تمہیں اللہ اور اسکے رسول اور اسکی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیارے ہیں ' اور تمہارے پاؤں ان رہگزروں میں ایسے بندھگئے ہیں کہ اللہ کی پکار بھی انہیں نہیں ہلا سکتی ' تو جان لو کہ اللہ کا کام بھی تمہارا محتاج نہیں - نتائج کا انتظار کرو - یہانتک کہ اللہ کو جو کچھہ کرنا منظور ہے کر دکھائے - اللہ کا قانون ہے کہ وہ نافرمانوں پر کامیابی کی راہ نہیں کھولتا !

اگرچہ عمل کے اعتبار سے اس فرض کی تعمیل اُس وقت لازم سے الزم ہوجاتی ہے جب حملۂ اعداء کی وجہ سے خاص طور پر ضرورت پیش آجائے ' لیکن عزم و استعداد کے لحاظ سے یہ حکم کسی خاص وقت میں محدود نہیں - ہمیشہ اور ہر حال میں مسلمانوں کا فرض ہےکہ دفاع اعداء کیلیے طیار رہیں اور طیاری کرتے رہیں - اوپر حدیث گزرچکی ہے کہ جو دل اس کے عزم و طلب سے خالی ہوا ' اُس پر ایمان کی جگہ نفاق کا قبضہ ہوگیا :

واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ و من رباط الخیل ترھبون بہ عدو اللہ و عدوکم و آخرین من دونھم لا تعلمونھم (۸ : ۶۰)

جسقدر بھی تم سے ممکن ہو ' دشمنوں کے مقابلے کیلیے اپنی قوت اور سار و سامان سے طیار رہو - تا کہ تمہاری مستعدی دیکھکر اللہ اور اُسکی اُمت کے دشمنوں پر خوف اور رعب چھا جائے - تم پر حملہ کرنے کی کو جرأت ہی نہو -

فصل

(عہد نبوت کا ایک واقعہ)

یہ قرآن و سنت کے احکام ہیں - اب دیکھیں ' صاحب شریعت کا اس بارے میں میں طرز عمل کیا رہا ہے ؟

ہجرۃ کے نویں سال آنحضرۃ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ رومیوں کی فوج مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے اکٹھی ہو رہی ہے - یہ سنکر آپ نے بھی طیاری کا حکم دیدیا ' اور تیس ہزار مجاہدین کے ساتھ مدینہ سے کوچ کردیا - چونکہ یہ فوج بڑی ہی تنگدستی اور بے سر و سامانی کے حال میں نکلی تھی - اٹھارہ آدمیوں کے حصے میں صرف ایک سواری آئی تھی - جنگل کے پتے کھا کر لوگوں نے گزارہ کیا تھا ' اس لیے اس فوج کا نام " جیش العسرۃ " مشہور ہوا - الذین اتبعوہ فی ساعۃ العسرۃ (۹۹ : ۱۱۹)

آج تم خدا اور اُس کے ایمان کی جگہ لوہے اور گندھک کے سامان و اسلحہ کی پرستش کر رہے ہو - لیکن ایک وقت وہ بھی تھا ' جب بے سر و سامان مسلمانوں کی یہ بھیڑ نکلی تھی ' تا کہ کرۂ ارضی کی سب سے بڑی متمدن قوم یعنی رومیوں سے مقابلہ کرے !

حضرۃ ابوبکر (رض) نے اسی دفاع کیلیے اپنا تمام مال و متاع پیش کردیا تھا - جب اُنسے پوچھا گیا " ما ابقیت لاھلک " اپنے بیوی بچوں کے لیے کیا چھوڑ آئے ہو ؟ تو اس پیکر ایمان و مجسمۂ عشق حق نے جواب دیا تھا " ابقیت لھم اللہ و رسولہ " ! اللہ اور اُس کے رسول کو !

آنکس کہ ترا بخواست ' جانرا چہ کند ؟
فرزند و عیـــال و خانمان را چہ کند ؟
دیوانہ کنی ہر دو جہـــانش بخشی
دیوانۂ تو ہر دو جہـــان را چہ کنـــد ؟

تبوک نامی مقام پر پہنچے تو معلوم ہوا مسلمانوں کی دلیرانہ طیاریوں کا حال سنکر رومیوں کے حوصلے پست ہوگئے اور فوجیں منتشر کردی گئیں - آنحضرت نے ایک ماہ قیام فرمایا اور پھر مدینہ واپس آگئے -

اس دوام میں بجز منافقین کے تمام مسلمان شریک ہوے تھے - صرف تین شخص نہ جاسکے - کعب بن مالک - ہلال بن اُمیہ - مرارہ بن ربیع - کعب بن مالک سابقین انصار میں سے ہیں ' اور اُن ۷۳ سابقین محلصین میں سے جو عقبہ کی بیعت میں حاضر ہوے تھے - انکے ایمان و اخلاص میں کیا شبہ ہوسکتا ہے ؟ اُنکا شریک نہ ہونا کسی بری نیت سے نہ تھا - سستی اور کاہلی سے آج کل کرتے رہے اور فوج کے ساتھ ملنے کا موقعہ نکل گیا -

با ایں ہمہ یہ معاملہ اللہ اور اسکے رسول کی نظروں میں اس درجہ اہم ہے کہ انہی سستی اور کاہلی بھی ایک سخت جرم قرار پائی - معذرت کرنے کیلیے حاضر ہوے تو یونہ قبول نہ ہوئی - حکم ہوا کہ گھر میں بیٹھو اور فیصلۂ وحی کا انتظار کرو - مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ تمام تعلقات ایسے ترک کردیں - نہ کوئی بات چیت کرے - نہ ملے جلے - نہ اور کسی طرح کا واسطہ رکھے - پھر انکی بی بیوں کو حکم ملا کہ وہ بھی الگ ہوجائیں اور کوئی واسطہ نہ رکھیں - امام بخاری نے ایک طول طویل روایت خود حضرۃ کعب بن مالک کی زبانی نقل کی ہے اور اس واقعہ کیلیے خاص باب باندھا ہے - کعب کہتے ہیں - ہمارا یہ حال ہوگیا تھا کہ سارا مدینہ انسانوں سے بھرا تھا ' مگر ہمارے لیے نہ ایک آنکھ دیکھنے والی تھی نہ ایک زبان بات کرنے والی - خود عزیز و اقارب نے ملنا جلنا ترک کردیا تھا - حسرت سے ایک ایک کا منہ تکتے اور دیوانوں کی طرح پھرتے تھے - ایک دن اپنے چچیرے بھائی ابو قتادہ کے یہاں گیا - مجھے دیکھتے ہی منہ دوسرے طرف پھیر لیا - سلام کیا تو جواب نہ ملا -

اللہ اللہ ! کیا مسلمان تھے کہ انکا رشتہ تھا تو اللہ اور اسکے رسول کا رشتہ - زندگی تھی تو صرف اسی کے حکم پر ! الحب فی اللہ والبغض فی اللہ کی مجسم تصویر تھے !

غسان کے عیسائی پادشاہ نے یہ حال سنا تو خوش ہوا کہ مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کا اچھا موقعہ نکل آیا ہے - کعب کے نام اس مضمون کا خط لکھکر بھیجا کہ تمہارے آقا نے تمہاری ساری عمر کی خدمتوں کا جو معاوضہ دیا ہے وہ دیکھ چکے ہو - اب میرے پاس چلے آؤ - دیکھو یہاں تمہاری کیسی عزت ہوتی ہے ؟ کعب بن مالک کو خط ملا تو ایاجی کے سامنے آگ میں جھونک دیا اور کہا جواب میں کہدینا - ہم نے جس آقا کی چوکھٹ پر سر

رکھا ہے ' اسکی گدائیوں اور دربدریوں کا حال تمہیں یہ معلوم ؟ اسکی سے لطافی بھی دوسروں کی محبت و عزت سے ہزار درجہ زیادہ مزیدار و محسوس ہے :

اے جفا ہائے تو خوشتر ز وفائے دگراں '

ان مومنین صادقین کی یہ آزمائش پورے پچاس دن تک جاری رہی - بالآخر اللہ تعالیٰ نے توبہ قبول فرمائی اور سورۂ توبہ کی یہ آیت نازل ہوئی :

وعلی الثلثۃ الذین خلفوا ' حتی	اور وہ تین آدمی جنکا معاملہ پیچھے ہی
ضاقت علیہم الارض بما رحبت	کیئے مسلوی کردیا گیا تھا ' سو جب
وضاقت علیہم انفسہم وظنوا	انکا یہ حال ہوا کہ تمام مسلمانوں
ان لا ملجأ من اللہ الا الیہ	نے انکو چھوڑ دیا ' زمین باوجود اپنی
ثم تاب علیہم لیتوبوا - ان اللہ	وسعت کے انپر تنگ ہوگئی ' اپنی
ہوالتواب الرحیم ' (۹ : ۱۲۰)	زندگی سے بیزار ہوگئے اور انھوں نے

دیکھ لیا کہ اللہ سے پناہ نہیں ہے مگر صرف اسی کی طرف ' تو پھر اللہ نے انکی توبہ قبول کرلی - یقیناً اللہ ہی ہے جو توبہ قبول کرتا اور خطا کاروں کیلیے مہربانی رکھتا ہے '

حضرۃ کعب کو جب قبولیت توبہ کی بشارت ملی تو بے اختیار سجدہ میں گر پڑے اور اپنا سارا مال و متاع شکرانۂ قبولیت میں لٹا دیا جاتا -

اس واقعہ میں متعدد باتیں قابل غور ہیں :

(۱) رومیوں نے حملے کی طیاریاں کیں تو اسلام و اُمت کی حفاظت کیلیے دفاع کرنا ہر مسلمان پر فرض ہوگیا - موسم سخت گرمی کا تھا - سفر دور دراز کا - بے سروسامانی حد درجہ کی - مقابلہ اس حکومت سے جو نصف دنیا پر حکمراں تھی - جہاں میں فصل پک چکی تھی اور کٹائی کا اصلی وقت تھا - یہی فصل ملک کیلیے سال بھر کی خوراک تھی - اگر مشکلوں اور مجبوریوں کے عذر سے جاسکتے ہیں تو ان حالات سے بڑھکر اور کون سے حالات عذر داری کے لیے مناسب ہوسکتے ہیں ؟ مگر دفاع کا فرض ایسا سخت اور اٹل ہے کہ نہ کوئی عذر سنا گیا ' نہ کوئی مشکل رکاوٹ ہوسکی - حکم ہوا کہ سب کچھ چھوڑ دو - ساری مصیبتیں جھیل لو - مگر دشمنوں کو روکنے کے لیے نکل کھڑے ہو - سورۂ توبہ میں اس کا بڑا ہی عبرت انگیز تذکرہ ہے - یہ موقعہ تفصیل کا نہیں - قالوا لا تنفروا فی الحر - قل نار جہنم اشد حرا لو کانوا یفقہون (۹ : ۸۳)

(۱) یہ تینوں مسلمان جو شرکت دفاع سے رہگئے ' مخلص بن مومنین میں سے تھے - انکی زندگیاں اسلام کی بے شمار خدمتوں اور جان نثاریوں میں بسر ہوئی تھیں - عبادتوں اور نیکیوں کا کیا پوچھنا کہ شب و روز اللہ کے رسول کے صحبۂ تربیت میں رہتے تھے ' انہی کے پیچھے نمازیں پڑھتے تھے ' انہی کے ساتھ روزے رکھتے تھے - صحابہ کے ایک ادنیٰ فرد کی عبادت کا مقابلہ ہم اپنی پوری نسلوں اور قوموں کی عبادت گزاریاں پیش کرکے بھی نہیں کرسکتے - حضرۃ کعب بن مالک سابقـــون الاولون میں سے ہیں - جب اسلام کا کوئی ساتھی نہ تھا تو مدینہ کے انصار نے ساتھ دیا - عقبہ کی بیعت ثانیہ میں ۷۳ جان نثاروں نے بیعت کی تھی - یہ انہی عشاق اسلام میں سے ہیں - خود کہتے ہیں کہ کسی اسلامی خـدمت میں دوسروں سے پیچھے نہ رہا - ہر جنـگ میں شرکت کی - ہر موقعہ پر جان و مال نثار کیا - اس دفاع کی شرکت سے بھی جو رہگئے ' تو دل کی کمزوری اور نیت کے فساد کی وجہ سے نہیں - حملے کا پورا سامان کرلیا تھا - صرف یہ قصور ہوا کہ سستی اور کاہلی کی - پوری طرح مستعدی سے کام نہ لیا - تاہم دیکھو ' یہ سستی اور کاہلی بھی خدا کے حضور کیسا بڑا جرم قرار پائی کہ نہ تو کوئی پچھلی خدمت آڑے آسکی ' نہ مدۃ العمر کی نیکیوں اور عبادتوں ہی نے کچھ کام دیا - نہ کوئی بزرگی اور بڑائی اس معاملہ میں شفیع ہوسکی - نہ ایک ایسے پکے اور پرکھے ہوئے مخلص مسلمان کیلیے عذر و معذرت کی گنجائش نکل سکی - سخت سے سخت سزا جو دی جاسکتی تھی ' دی گئی - مسلمانوں سے اسلامی برادری کا رشتہ توڑ دیا گیا - پچاس دنوں کیلیے جماعت سے باہر کردیے گئے - یہ سارا زمانہ گریۂ و زاری اور عبادت و استغفـــار میں بسر ہوا - تب کہیں جاکر توبہ قبول کی گئی -

(۳) اسلام کے احکام کا قبولیت توبہ کے بارے میں جو حال ہے ' معلوم ہے - خدا کا دروازۂ رحمت کسی آنے والے کا اتنا انتظار نہیں کرتا ' جسقدر اس مضطرب روح کا ' جو توبہ کیلیے اُسکی طرف بڑھے - " لو اخطاتم حتیٰ تمـــلاء خطاياكم ما بين السماء و الارض ' ثم استغفرتم ' الله يغفر لكـــم " (رواہ مسلم عن ابی ہریرہ) اگر تم نے اتنے گناہ کیے ہوں کہ زمین و آسمان کا فاصلہ انسے بھر دیا جاسکے ' پھر بھی توبہ کا آنسو بہاتے ہوئے آؤ تو دروازہ

معفرت کیا پاؤ گے - اگر دیکھو امت کی حفاظت و مدافعت سے غفلت کرنا اللہ کی نظروں میں کیسا سخت جرم ہے کہ ملک ہونے ہی نہ پائی تھی صحت میں عمر نقصد کیلیے حاضر ہوگئے تھے " مگر حکم ملا کہ ابھی نہیں - انتظار کرو - پچاس دن سزاؤ عقوبت کے گذر چکے تب کہیں جاکر توبہ قبول ہوئی '

(۴) جب ان لوگوں کے اعمال ہوں کہ ایمان ایسا اور نیکیاں انکی نیکیاں - ان کے بستر جوں کے جوں ہوں کا بھی ہماری بری بری عادتیں نہ ملنے نہیں کرسکتیں " تو خدا کو بتلاؤ " ہم نیکیوں اور سیئہ کاروں کا کیا حشر ہوگا کہ نہ ایمان کی دولت ساتھ ہے نہ طاعت و حسنات کی پونجی دامن میں - زندگی یکسر برباد غفلت و معصیت ' اور عمر بکلم تاراج نفس پرستی و نافرمانی - وہاں عزم و ایمان کے ساتھ سہو و نسیان تھا مگر عذر قبول نہ ہوا - یہاں اعراض و نفاق کے ساتھ صریح نافرمانی و انکار ہے اور پھر نہ ندامت ہے نہ توبہ و انابت ' انکے ساتھ سب کچھ تھا اور کام نہ آیا - ہمارے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے - پھر کیا ہے جس نے آنے والے دن کی طرف سے بے فکر کردیا ہے اور ہمارے غافل دلوں پر بدحواسی کی موت چھا گئی ہے ؟ بتلاؤ زمین و آسمان میں کون ہے جو اس دن ہمیں بچا سکیگا جب خدا کے غضب کا بے پناہ ہاتھ ہماری طرف بڑھیگا ؟ یقول الانسان یومئذ این المفر ؟

فصل

(ایک عام غلط فہمی)

البتہ یاد رہے کہ " جہاد " کی حقیقت کی نسبت سخت غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں - بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ جہاد کے معنی صرف لڑنے کے ہیں - مخالفین اسلام بھی اسی غلط فہمی میں مبتلا ہوگئے - حالانکہ ایسا سمجھنا اس عظیم الشان مقدس حکم کی عملی وسعت کو بالکل محدود کردینا ہے -

" جہاد " کے معنی کمال درجہ کوشش کرنے کے ہیں - قرآن و سنت کی اصطلاح میں اس کمال درجہ سعی کو جو ذاتی اغراض کی جگہ حق پرستی

اور سچائی کی راہ میں کی جائے " جہاد " کے لفظ سے تعبیر کیا ہے - یہ سعی زبان سے بھی ہے ' مال سے بھی ہے ' انفاق وقت و عمر سے بھی ہے ' محنت و تکالیف برداشت کرنے سے بھی ہے ' اور دشمنوں کے مقابلے میں لڑے اور اپنا خون بہانے سے بھی ہے - جس سعی کی ضرورت ہو ' اور جو سعی جسکے امکان میں ہو ' اُسپر فرض ہے ' اور جہاد فی سبیل اللہ میں لغۃ و شرع ' دونوں اعتبار سے داخل - یہ بات نہیں ہے کہ " جہاد " سے مقصود مجرد لڑائی ہی ہو - اگر ایسا ہوتا تو جہاد کا اطلاق اعمال قلبی و لسانی پر نہ ہوتا - حالانکہ کتاب و سنت ایسے اطلاقات سے لبریز ہیں - شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا قول صاحب اقناع نے نقل کیا ہے جو حقیقت جہاد کے بارے میں قول فیصل و جامع ہے " الامر بالجہاد منہ ما یکون بالقلب ' کالعزم علیہ ' ومنہ ما یکون باللسان کالدعوۃ الی الاسلام والحجۃ و البیان ' و الرای و التدبیر فی ما فیہ نفع المسلمین - و بالبدن - ای القتال بنفسہ - فیجب الجہاد بغایۃ ما یمکنہ من ہذہ الامور " (جلد - ۱ - ۶۵۳)

دشمنوں کی فوج سے خاص وقت ہی میں مقابلہ ہوسکتا ہے ' لیکن ایک مومن انسان اپنی ساری زندگی اور زندگی کی ہر صبح و شام جہاد حق میں بسر کرتا ہے - مشہور حدیث ہے " المجاہد من جاہد نفسہ فی ذات اللہ ' و المہاجر من ہجر ما نہی اللہ عنہ "

سورۂ فرقان میں ہے فلا تطع الکافرین وجاہدہم بہ جہاداً کبیرا (۲۵ : ۵۵) یعنی کفار کے مقابلہ میں بڑے سے بڑا جہاد کرو - سورۂ فرقان بالاتفاق مکی ہے ' اور معلوم ہے کہ جہاد بالسیف یعنی لڑائی کا حکم ہجرۃ مدینہ کے بعد ہوا - پس غور کرنا چاہیے کہ مکی زندگی میں کونسا جہاد تھا جس کا اس آیت میں حکم دیا جا رہا ہے ؟ جہاد بالسیف تو ہو نہیں سکتا - یقیناً وہ حق کی استقامت اور اسکی راہ میں تمام مصیبتیں اور شدتیں جھیل لینے کا جہاد تھا - مکی زندگی میں جس طرح یہ جہاد جاری رہا ' سب کو معلوم ہے - حق کی راہ میں دنیا کی کسی جماعت نے ایسی تکلیفیں اور مصیبتیں نہ اُٹھائی ہونگی ' جیسی اللہ کے رسول اور اُسکے ساتھیوں نے مکی زندگی میں برداشت کیں - اسی پر جہاد کبیر کا اطلاق ہوا -

اسی طرح منافقوں کے ساتھ بھی جہاد کرنے کا حکم دیا گیا - جاہد الکفار و المنافقین و اغلظ علیہم (۹ : ۶۶) حالانکہ منافق تو خود اسلام کے ماتحت مقہورانہ و محکومانہ زندگی بسر کر رہے تھے - اُنسے جنگ و قتال کی ضرورت

ھی نہ تھی ' اور نہ اُن سے کبھی جنگ کی گئی - سو یہ جہاد بھی تبلیغ حق واتمام حجۃ ومقاومۃ فساد کا جہاد تھا جو قلب و زبان سے تعلق رکھتا ہے -

بخاری والی حدیث میں ہے - حضرۃ عائشہ نے پوچھا " علی النساء جہاد ؟ " کیا عورتوں کیلئے بھی جہاد ہے ؟ فرمایا " نعم جہاد ' لا قتال فیہ - الحج والعمرۃ " ہاں ' جہاد ہے مگر اسمیں لڑنا نہیں ہے - حج اور عمرہ - اس حدیث میں اُس سعی اور ترک وطن کی محنت کو جو حج و عمرہ میں پیش آتی ہے ' عورتوں کیلئے جہاد فرمایا ' اور کہا اسمیں جہاد جسمیں لڑائی نہیں - اس سے معلوم ہوا کہ لڑائی کے الگ کردینے کے بعد بھی حقیقت " جہاد " باقی رہتی ہے -

اگر اُمت کیلئے دفاع و جنگ کا وقت آ گیا ' یا کبھی جماعت مفسدین ارض پر امام کے حملہ کیا ' تو ایسے وقتوں میں بھی صرف نفس جنگ ہی نہیں بلکہ سعی و کوشش کی ساری ثانیں شریعت کے نزدیک جہاد ہیں - جسکی طاقت میں جنگ کرنا نہیں ہے اور اُس نے مال دیا تو وہ بھی مجاہد ہے - جس نے زبان سے دعوۃ و تبلیغ کی وہ بھی مجاہد ہے - جس نے اس راہ میں اور کسی طرح کی تکلیف و محنت اُٹھائی ' وہ بھی مجاہد ہے - البتہ ایسے وقتوں میں اگر کوئی مسلمان لڑائی کی طاقت رکھتا ہے اور اس سے پہلو تہی کرے ' تو اُسکا کوئی عذر نہیں سنا جائیگا - اسکا شمار مومنوں کی جگہ منافقوں میں ہوگا - جو مال دیسکتا ہے اور نہ دیا ' تو وہ بھی ایمان و اخلاص کی زندگی سے نکل گیا - زمین پر گو مسلمان کہلائے پر اللہ کے حضور منافق کہلائیگا - جس شخص کی زبان اعلان حق اور دعوۃ الی الجہاد میں کھل سکتی ہے مگر نہ کھلی ' اُس نے بھی ایمان چھوڑ کر نفاق کی راہ اختیار کرلی - گو شیطان حیل اور نفس خادع اسکو ہزاروں فریب دیتا رہے - ترمذی اور ابو داؤد میں ہے - " افضل الجہاد کلمۃ حق عند سلطان جائر " سب سے زیادہ فضیلت رکھنے والا جہاد وہ کلمۂ حق ہے جو شاہان جور و ظلم کے سامنے کے باکانہ کہا جائے -

اور پھر ان سب سے بالاتر مرتبہ اُن مجاہدین کاملین اور اصحاب عزیمۃ عمل کا ہے ' جنکی زندگی سر تا سر جہاد فی سبیل اللہ ' اور جنکا وجود یکسر خدمت حق ' و شیفتگی صدق ' و عشق دعوۃ ہے - جو اس عمل مقدس کیلئے کسی خاص صدائے نفیر اور اعلان وقت کے منتظر نہیں رہتے - بلکہ ہر صبح جو اُنپر آتی ہے ' جہاد فی سبیل اللہ کی صبح ہوتی ہے ' اور ہر شام

کي تاریکی جو اُنپر پھیلتي ھے ' وہ اسي راہ کی شام ھوتی ھے - اُنکی زندگی پر کوئی لمحہ ایسا نہیں گزرتا جو جہاد کے مرتبۂ علیا و فضیلۂ عظمیٰ کے اجر و ثواب سے خالی ھو -

کائنات ھستی کے ھر عمل کی طرح یہ عمل بھی تین عنصروں سے مرکب ھے - دل ' زبان ' اعضاؤ جوارح - سو اُنکا دل ھمیشہ عشق حق اور عزم مقصد کي آتش شوق میں پھنکتا رھتا ھے - انکی زبان ھمیشہ اعلان حق ' و دعوۃ الی اللہ میں سرگرم رھتی ھے - اُنکے ھاتھ اور اُنکے تمام جوارح کبھی اس راہ کی سعی و محنت سے نہیں تھکتے - اسکے بعد جہاد کا کونسا کام رھگیا جو انہوں نے نہیں کیا ؟ اور اس راہ کا کونسا مرتبہ رھگیا جو اُنہوں نے نہیں پایا ؟ و ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء و اللہ ذوالفضل العظیم !

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو ملگیا
ھر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں ؟

جہاد کی اس حقیقت کو سامنے رکھکر غور کرو ! انسانی اعمال کي کونسی بڑائی اور عظمت ھے جو اسکے دائرہ سے باھر رھگئی ؟ اور نوع انسانی کی ھدایت و سعادت کا کونسا عمل حق ھے جو اسکے بغیر انجام پا سکتا ھے ؟ پس یہی وجہ ھے کہ شریعت نے اسکی اھمیت و فضیلت پر اسقدر زور دیا کہ ساري نیکیاں ساری عبادتیں اس سے پیچھے رھگئیں - سب کا حکم شاخوں کا ھوا - جڑ یہي عمل قرار پایا - اس سے بڑھکر اور کیا دلیل فضیلت ھوسکتی ھے کہ خود اللہ کے رسول نے فرمایا : " والذي نفسی بیدہ ' لودت انی اقتل في سبیل اللہ ثم احیا ' ثم اقتل ثم احیا ' ثم اقتل ثم احیا ' ثم اقتل " (رواہ البخاري) خدا کي قسم ! اگر ممکن ھوتا تو میں یہ چاھتا کہ اللہ کي راہ میں قتل کیا جاؤں ' پھر زندہ ھوں - پھر قتل کیا جاؤں ' پھر زندہ ھوں - پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ ھوں - پھر قتل کیا جاؤں - تاکہ اُسکي راہ میں جان دینے کي لذت و سعادت ایک ھي مرتبہ میں ختم نہ ھوجائے !

تمنت سلیمی ان تموت بحبھا
و اھون شي عندنا ما تمنت !

فصل

(احکام قطعۂ دفاع)

غرضکہ " دفاع " اسلام کے اُن بنیادی حکموں میں سے ہے ' جنکو ایک مسلمان مسلمان رہکر کبھی ترک نہیں کرسکتا - اگر ایک مسلمان کے دل میں رائی برابر بھی ایمان کی محبت باقی رہگئی ہے ' تو اُسکی طاقت سے باہر ہے کہ اللہ کی یہ صدائے حق سنے ' اور اِس پر پا کاب نہ اُٹھے .

یا ایھا الذین آمنوا ما لکم اذا قیل لکم انفروا فی سبیل اللہ ' اثاقلتم الی الارض ؟ ارضیتم بالحیاۃ الدنیا من الآخرۃ ؟ فما متاع الحیاۃ الدنیا فی الآخرۃ الا قلیل - (۹ : ۳۹)

مسلمانوں ! تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے " اللہ کی راہ میں نکل کھڑے ہو " تو تمہارے قدموں میں حرکت نہیں ہوتی اور زمین پر ٹھہر ہوے جاتے ہو ؟ کیا تم نے آخرۃ چھوڑکر صرف دنیا ہی کی زندگی پر قناعت کرلی ؟ اگر یہی بات ہے تو یاد رکھو ' جس زندگی پر ریجھے بیٹھے ہو ' وہ آخرۃ کے مقابلہ میں بالکل ہی ہیچ ہے !

اسکے بعد فرمایا

الا تنفروا ' یعذبکم عذاباً الیما و یستبدل قوما غیرکم ' ولا تضروہ شیئا - واللہ علی کل شیٔ قدیر ! (۹ : ۳۰)

یاد رکھو ! اگر تم نے حکم الہی سے سرتابی کی ' اور وقت کے آنے پر بھی راہ حق میں کمر بستہ نہوے ' تو اللہ نہایت ہی سخت عذاب میں ڈالکر اسکی سزا دیگا ' اور تمہارے بدلے کسی دوسری قوم کو خدمت اسلام کیلیے کھڑا کردیگا - تم جہالت دیے جاؤگے - کلمۂ حق تمہارا محتاج نہیں ہے - تم ہی اپنی زندگی و نجات کیلیے اُسکے محتاج ہو !

اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت ' اُنکی حکومتوں کے مٹانے ' اور اُنکی آبادیوں اور شہروں کو آپسمیں بانٹ لینے کیلیے کفار ایک دوسرے کے ساتھی اور حامی ہیں :

والذین کفروا بعضھم اولیاء بعض -

جن لوگوں نے راہ کفر اختیار کی تو وہ ایک دوسرے کے ساتھی اور مددگار ہیں -

مسلمانوں کي مخالفت میں خزانوں کے خزانے خرچ کرڈالتے ھیں :

والذین کفروا ینفقون اموالھم لیصدوا عن سبیل اللہ - جن لوگوں نے راہ کفر اختیار کي' اور وہ حق کی مخالفت میں اپنا مال خرچ کررھے ھیں-

پس مسلمانوں کي بھي سب سے بڑي اسلامي و انسانی خصلت یہ قرار پائي کہ :

والمومنون والمومنات بعضھم اولیاء بعض - (۹ : ۷۲) مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں باھم ایک دوسرے کی رفیق اور مددگار ھیں !

اور اسی بنا پر مسلمانوں کا فرض ٹھہرا کہ اگر دنیا کے کسی ایک اسلامی حصہ پر غیر مسلم حملہ کریں اور وھاں کے مسلمان اُنکے مقابلہ کی کافی قوت نہ رکھتے ھوں ' یا بالکل مغلوب و مقہور ھوگئے ھوں ' تو تمام دوسرے حصص عالم کے مسلمانوں پر فرض ھے کہ انکی یاوري و اعانت کیلئے اُسي طرح اُٹھہ کھڑے ھوں - جس طرح خود اپني آبادیوں کی حفاظت کیلئے اُٹھتے - اور اپني جان و مال سے اُسی طرح مدد دیں ' جس طرح خود اپنے گھر بار کي حفاظت کیلئے مدد دیتے -

یہ نہ کوئی نیا مذھبی اجتہاد ھے ' نہ کوئي پولیٹکل فتوی - تمام دنیا کے مسلمان فقہ و قوانین شریعت کی جو کتابیں صدیوں سے پڑھتے پڑھاتے آئے ھیں ' اور جو چھپی ھوئی بازاروں میں ھر جگہ ملتی ھیں ' اور جن پر خود ھندوستانی عدالتوں میں عمل کیا جارھا ھے ' اُن سب میں یہ احکام موجود ھیں - اسلامی دینیات کا کوئی طالب علم ایسا نہیں ملیگا جو ان حکموں سے بے خبر ھو - اور پھر ان سب کے اوپر مسلمانوں کي کتاب اللہ ھے جو اپنے ھر پارہ اور ھر سورہ کے اندر اس حکم کا اعلان اور اس قانون کي پکار تیرہ صدیوں سے بلند کررھي ھے - نوع انساني کی کامل بیس نسلیں گزر چکیں ' اور یہ احکام اپني یکساں ' غیر مبدل ' اٹل ' اور لا انتہا طاقت کے ساتھہ مسلمانوں کے دلوں پر حکمراني کررھے ھیں !

" جہاد " کي بہت سے قسموں میں سے ایک قسم " قتال " یعني لڑائي ھے - اور اُسکي بھي دو صورتیں ھیں - " ھجوم " اور " دفاع " - یعنی افنسو (Offensive) اور ڈیفنسو (Defensive) دراصل ھجوم کي بنیاد بھی دفاع ھي ھے - یعنے جب تک دنیا میں عالم گیر صلح و امن اور عام اخوت قائم نہ ھو جاے ' ضروري ھوا کہ حریف و مفسد قوتوں سے ھمیشہ

مقابلہ جاری رکھا جائے - اگر ایسا نہ کیا جائیگا تو دشمن مسلمانوں کو جنکو سے نتھیے نہ دیدینگے اور اسلام کی اشاعت اور اسکے مشن کی تبلیغ و تکمیل میں ہمیشہ مانع ہونگے-

فقہاء کی اصطلاح میں فرائض شرعیہ کی دو قسمیں ہیں - "کفایہ" اور "عین" - یہ وہی اعمال انسانی کی قدرتی تقسیم ہے جسکو "جماعتی فرائض" اور "شخصی فرائض" کے ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے - "فرض کفایۃ" سے مقصود وہ احکام ہیں جو بہ حیثیت جماعت و اجتماع قوم پر فرض ہیں - نہ کہ بہ حیثیت فرد و انفراد - یعنے ایسے فرائض جو مسلمان جماعتوں اور آبادیوں کے لیے عائد کردیے گئے ہیں کہ اُنکا انتظام کردیں - پس انتظام ہو جانا چاہیے - یہ ضروری نہیں کہ ہر فرد بہ ذات خاص اُس میں حصہ بھی لے- اگر ایک گروہ نے ایک وقت میں انجام دیدیا تو باقی مسلمانوں پر سے اُسوقت ساقط ہوگیا - جیسے تجہیز و تکفین اموات اور نماز جنازہ - البتہ ایک مسلمان کیلیے عزیمۃ اسی میں ہوگی کہ اداء فرض کفایہ میں بھی شخصاً حصہ لے -

فروض کفایہ میں شریعت کا خطاب اشخاص سے نہیں ہے بلکہ جماعت سے ہے پس ہر مسلمان جماعت اور آبادی کو اُسکا انتظام کر دینا چاہیے - جب انتظام ہوگیا تو اس آبادی کے بقیہ افراد پر اسکا وجوب باقی نہ رہیگا -

دوسری قسم "اعیان" کی ہے - یعنے وہ فرائض جنکی فرضیت جماعت پر نہیں بلکہ فرداً فرداً ہر مسلمان پر عائد ہوتی ہے - اور ایک کے کرنے سے دوسرا بری الذمہ نہیں ہو جاسکتا - جیسے پانچ وقت کی نماز، روزہ، زکوۃ، حج -

شرعا قتال کی پہلی صورت (یعنی ہجوم و مقابلہ کا دائمی سلسلہ) فرض کفایہ ہے بحکم "وما کان المومنون لینفروا کافۃ" - ضروری نہیں کہ بہ یک وقت ہر مسلمان اسمیں حصہ لے - ہر عہد اور ہر ملک میں مسلمانوں کی ایک جماعت ضرور ایسی ہونی چاہیے جو یہ فرض انجام دیتی رہے - اگر ایک جماعت انجام دے رہی ہے تو کافی ہے - جو مسلمان شریک ہوگا، اُسکے لیے بڑا اجر ہے - جو شریک نہ ہوگا، اسکے لیے کوئی گناہ نہیں - صاحب ہدایہ (جسکا انگریزی ترجمہ بھی ہوچکا ہے اور ہندوستانی عدالتوں میں محمڈن لا کی بنیادی کتاب ہے) لکھتے ہیں :

الجهاد فرض على الكفاية - اذا قام فريق من الناس ، سقط عن الباقين * وان لم يقم به احد ، اثم جميع الناس بتركه - لان الوجوب على الكل (كتاب السير)

جہاد فرض کفایہ ہے - جب مسلمانوں کی کوئی ایک جماعت اسکے لئے کھڑی ہوگئی ، تو باقی مسلمانوں کیلیے واجب نہ رہا - لیکن اگر کوئی گروہ بھی اسکے لئے نہ اٹھا ، تو پھر تمام مسلمان جہاد ترک کردینے کی وجہ سے گناہگار ہونگے - کیونکہ فرض پوری قوم پر ہے -

ایسی جماعت سے کیا مقصود ہے ؟ تمام دنیا کے مسلمانوں کی مجموعی جماعت یا ہر ہر ملک اور اقلیم کی جماعت ؟ اسکی تشریح سعدی چلپی حاشیۂ عنایہ میں کرتے ہیں

اقول لا يبقى ان يفهم من ان الوجوب على جميع اهل الارض كافة حتى يسقط عن اهل الهند بقيام اهل الروم ، اذ لا يندفع بقيامهم الشر عن الهنود المسلمين - وان قوله تعالى قاتلوا الذين يلونكم من الكفار يدل على ان الوجوب على اهل كل قطر يقربون الكفار - (مجموعۂ فتح القدير - ۴ : ۲۸۰)

ہدایہ کی عبارت کا یہ مطلب نہ سمجھا جائے کہ اگر ایک ملک کے مسلمانوں نے یہ فرض ادا کردیا تو دوسرے ملک کے مسلمانوں پر سے بھی ساقط ہوگیا - مثلاً اگر روم کے ترکوں نے جہاد قائم رکھا تو ہندوستان کے مسلمانوں پر سے ساقط ہوگیا - کیونکہ مقصود قیام جہاد سے یہ ہے کہ مسلمانوں پر سے دشمنوں کے حملوں اور شر کو دور کیا جائے - ظاہر ہے کہ مسلمانان روم کے جہاد کرنے سے مسلمانان ہند محفوظ نہیں ہو جاسکتے - وہ تو جبھی ہونگے جب خود اپنے ملک میں اسکا انتظام کریں - پس مطلب یہ ہے کہ ہر ملک کے مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے - اگر اس ملک کے تمام مسلمانوں میں سے ایک جماعت یہ فرض انجام دیتی رہی ، تو رہانکے بقیہ مسلمانوں پر سے ساقط ہوجائیگا - لیکن دوسرے ملکوں کے مسلمانوں پر فرضیت باقی رہیگی - قرآن میں ہے : قاتلوا الذين يلونكم من الكفار - اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ ان مسلمانوں پر جو دشمنوں سے قریب ہوں ، قتال واجب ہے - انتہی -

اس سے واضح ہوگیا کہ اس فرض میں خطاب تمام مسلمانان عالم سے نہیں ہے بلکہ ہر جماعت اور ملک کے مسلمانوں سے ہے - اور علی الکفایہ ہونے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ تمام دنیائے مسلمانوں میں سے کچھ

مسلمان اسکو انجام دیتے رہیں مگر ہر ملک کے مسلمانوں میں سے کتنے مسلمانوں کو انجام دینا چاہئے جو حصول مقصد جہاد کیلئے کافی ہو - پس ایک ملک میں سلسلۂ جہاد کے بند ہونے سے دوسرے ملک کے مسلمان بری الذمہ نہیں ہوسکتے اور بدستور اسکا وجوب باقی رہیگا اور بصورت ترک وہاں کے تمام مسلمان گنہ گار ہونگے - گذشتہ دو صدیوں سے مسلمانان عالم نے اس فرض شرعی کو فراموش کردیا ہے - اور صرف کسی ایک حصے کے مسلمانوں ہی کے ذمہ اس کو منحصر کر خود فارغ الذمہ ہوکر بیٹھ رہے ہیں - اسی کا نتیجہ ہے کہ اعداء حق کو صدیوں کی صدائیں عروج و ظہور ملتے ملتے مل گئیں ' اور مسلمانوں کیلئے تمام کرۂ ارضی میں کوئی ایک گوشۂ بھی امن و سکون کا باقی نہیں رہا

وما کان اللہ لیظلمھم ولکن کانوا انفسھم یظلمون '

اور فتح الباری میں ہے " ھو فرض کفایۃ علی المشھور ' الا ان یدعو الحاجۃ الیہ " اسکے بعد کہا " وان جنس جہاد الکفار متعین علی کل مسلم ' إما بیدہ ' وإما بلسانہ ' وإما بمالہ ' وإما بقلبہ " [جلد ۶ ۲۸] یعنی جہاد کی یہ قسم فرض کفایہ ہے - باقی رہا نفس جہاد ' تو وہ ہر مسلمان پر فرض عین ہے ' کسی کیلئے ہاتھ سے ' کسی کیلئے مال سے ' کسی کیلئے دل سے - یعنی جس وقت ایک گروہ ہاتھ اور تلوار سے مشغول جہاد ہوگا تو بقیہ مسلمانوں پر دل اور زبان سے اُنکے لیے سعی و اعانت فرض ہوگی - اور مال و دولت والوں کا فرض ہوگا کہ مال سے مدد کریں -

اسی طرح اقناع میں ہے " ھو فرض کفایۃ اذا قام بہ من یکفی سقط وجوبہ عن غیرھم " ابن ادریس اُسکی شرح میں لکھتے ہیں " ومعنی الکفایۃ فی الجہاد ان یبعث اللہ قوم یکفون فی جہادھم ' إما ان یکونوا جندا لھم دواوین او یکونوا اعدوا انفسھم لہ تبرعاً و تکون فی الثغور من تدفع العدو عنھا و یبعث فی کل سنۃ جیشا یعبرون علی العدو فی بلادھم " (جلد ۱ - ۶۵۱)

یہ صورت تو اُس قتال کی ہے جسکی صورت حملۂ و ہجوم کی ہوگی ' دوسری قسم " دفاع " ہے - یعنی جب کوئی غیر مسلم جماعت مسلمانوں کی آبادیوں اور حکومتوں پر حملہ کا قصد کرے ' تو اُس حملۂ و تسلط کو ہر طرح مقابلہ کرکے روکنا ' اور اسلامی ملکوں اور آبادیوں کو غیر مسلموں کی حکومت اور ہر طرح کے قبضۂ و اثر سے محفوظ رکھنا -

یہ فرض کفایہ نہیں ہے ' بلکہ بالاتفاق مثل نماز روزہ کے ہر مسلمان پر فرض عین ہے - ایک گروہ کے دفاع کرنے سے باقی مسلمان بری الذمہ نہیں ہوجاسکتے - جسطرح ایک گروہ کے نماز پڑھ لیدے سے باقی مسلمانوں کے ذمہ نماز ساقط نہیں ہوجاتی - اسی ہدایہ میں ہے -

" الا ان یکون النفیر عاماً فحینئذ یصیر من فروض الاعیان "

نفیر " نفر " سے ہے -" نفر " کے معنی ہیں نیزی کے ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ دوڑ جانا - پس قوم کے ایسے للارے اور اجتماع پر جو لڑائی کیلیے ہو " نفیر " کا اطلاق ہوا - قرآن میں ہے - انفروا خفافا و ثقالا - اور الا تنفروا - مطلب یہ ہے کہ اگر حفظ و دفاع کی ضرورت سے عام اجتماع و عام کا وقت آ گیا ' تو پھر جنگ کرنا ہر مسلمان پر فرض عین ہوجاتا ہے -

ابن ہمام اسکی شرح میں لکھتے ہیں :

هذا اذا لم یکن النفیر عاماً ' فاذا کان النفیر عاماً بان هجموا علی بلدة من بلاد المسلمین ' فیصیر من فروض الاعیان سواء کان المستنفر عدلاً او فاسقاً - (فتح القدیر - ۴ : ۲۸۰)	فرض کفایہ کی صورت اسوقت تک ہے کہ نفیر کی حالت نہو - لیکن اگر مسلمانوں کے شہروں میں سے کسی شہر پر غیر مسلموں نے حملہ کردیا ' تو اسوقت جنگ کرنا ہر مسلمان مرد پر فرض عین ہوجائیگا - خواہ جنگ کے لیے دعوت دینے والا عادل ہو یا فاسق -

اور عنایہ میں ہے

ثم الجهاد یصیر فرض عین عند النفیر العام علی من یقرب من العدو وهو یقدر علیه - (مجموعہ فتح القدیر - ۴ : ۲۸۱)	اور اگر نفیر عام کی حالت ہو ' تو پھر جہاد کرنا ان مسلمانوں پر فرض عین ہوجائیگا جو دشمن سے قریب ہوں اور اس پر قابو رکھتے ہوں -

اسی طرح سراجیہ ' در المختار ' شامی وغیرہ تمام کتب فقہ میں ہے - " اذا جاء النفیر انما یصیر فرض عین علی من یقرب من العدو " اور " الجهاد فرض کفایة اذا لم یکن النفیر عاماً ' فاذا قام به البعض ' یسقط عن الباقین - فاذا صار النفیر عاما ' فحینئذ یصیر من فروض الاعیان " الخ -

حملۂ و ہجوم کے دائمی جہاد میں (جب قتال فرض کفایہ ہے ہوتا) بعض جماعتیں مستثنیٰ ہیں - مثلاً عورتیں اور نوکر - عورتوں کے لیے شوہر کی خدمت اور نوکر کیلیے آقا کی خدمت مقدم ہے - لیکن اگر دفاع کی صورت پیش آ گئی ہو تو اسکی فرصت ایسی ہمہ گیر اور دلاتر ہے کہ بچوں اور معذوروں کے سوا کوئی گروہ، کوئی فرد، مستثنیٰ نہیں ہوسکتا - بیوی بلا شوہر کی اجازت کے نکل کھڑی ہو - غلام بلا آقا کی اذن کے مشغول جہاد ہو جائے - ہدایہ میں ہے :

فان هجم العدو علی بلد، وجب علی جمیع الناس الدفع، تخرج المرأة بغیر اذن زوجها والعبد بغیر اذن المولی - لانه صار فرض عین، وملک الممتن ورق النکاح لا یظهر فی حق فروض الاعیان کما فی الصلوة والصوم - بخلاف ما قبل العبر، لان بعدهما مقنعا فلا ضرورة الی ابطال حق المولی والزوج - (کتاب السیر)

لیکن اگر دشمنوں نے کسی شہر پر حملہ کیا، تو پھر تمام لوگوں پر دفاع فرض ہوگیا - بیوی بلا شوہر کی اجازت کے اور غلام بلا آقا کی اذن کے دفاع میں حصہ لے - اسلیے کہ اب جہاد فرض عین ہوگیا، اور جو فرائض ایسے ہیں، اُنپر مالکیت اور زوجیۃ کے حقوق موثر نہیں ہوسکتے - جیسے نماز اور روزہ - اگر نماز کا وقت آ گیا ہے تو عورت پر نماز فرض ہوگئی - شوہر کی اذن پر موقوف نہیں - البتہ تعبیر سے پہلے یہ صورت نہ تھی - اُسوقت عورتوں اور غلاموں کی شرکت کے تعبیر بھی یہ فرض ادا ہوسکتا تھا - بس ضرورت نہ تھی کہ شوہر اور آقا کے حقوق باطل کیے جائیں -

ہم نے ہدایہ اور متداول کتب فقہ کی عبارتیں سب سے پہلے اسلیے نقل کیں کہ ان کتابوں کے نام سے ہندوستان کی سرکاری عدالتیں بھی آشنا ہیں - اور انگریزی میں محمڈن لا پر جسقدر کتابیں لکھی گئی ہیں، سب میں ان کا حوالہ موجود ہے - پس بآسانی دیکھہ لیا جاسکتا ہے کہ فی الحقیقت اسلام کے احکام شرعی یہی ہیں یا نہیں ؟ ورنہ تمام کتب تفسیر و حدیث میں بھی یہ احکام موجود ہیں - امام بخاری نے باب باندھا ہے " وجوب النفیر " یعنے جب حفظ ملت کی ضرورت پیش آ جائے تو قتال کیلیے سب کا اُٹھہ کھڑا ہونا واجب ہے - پھر آیۂ " انفروا خفافا وثقالا " اور " مالکم اذا قیل لکم انفروا " الخ سے وجوب پر استدلال کیا ہے - اسکے بعد حضرۃ ابن عباس کی روایت درج کی ہے " لا هجرة بعد الفتح

و لکن جہاد و نیۃ و اذا استنفرتم فاستنفروا " یعنی وہ جو اوائل اسلام میں ایک خاص طرح کی ہجرۃ فرض ہوئی تھی ' تو فتح مکہ کے بعد اسکی ضرورت نہیں رہی - البتہ جہاد اور عزم جہاد قیامت تک باقی ہے - تو جب جمع ہوئے کہلئے پکارے جاؤ ' جمع ہو جاؤ اور جہاد کرو -

فتح الباری میں ہے " الا ان تدعوا الحاجۃ الیہ کان یدھم العدو و یتعین علی من عینہ الامام " (جلد ۶ : ۲۸)

اور موطا امام مالک میں ہے " اذا کان الکفار مستقرین بلاد ھم ' فالجہاد فرض کفایۃ ' ان اقام بہ بعضھم سقط الحرج عن الباقین ' و اذا قصدوا بلادنا و استنفر الامام المسلمین ' و جب علی الاعیان " یعنی اگر کفار اپنے اپنے ملکوں میں ہیں - مسلمانوں پر حملہ آور نہیں ہوئے ہیں - تو اس حالت میں جہاد فرض کفایہ ہے - لیکن جب وہ ہمارے ملکوں کا قصد کریں اور امیر اسلام نفیر کا اعلان کرے تو پھر فرض عین ہو جائیگا -

چونکہ جابجا " نفیر " کا لفظ آتا ہے ' اسلئے یہ بات بھی صاف ہوجانی چاہئے کہ نفیر عام سے مقصود کیا ہے ؟ یہ مقصود ہے کہ دفاع کی ضرورت پیش آ جائے اور ہر شخص کو اسکا علم ہو جائے - یا یہ مقصود ہے کہ جب تک کوئی بلانے والا مسلمانوں کو نہ بلائیگا ' نفیر عام کی حالت پیدا نہ ہوگی ؟ اسکا جواب شاہ ولی اللہ نے موطا کی شرح میں دیدیا ہے :

" نزدیک استنفار جہاد فرض علی الاعیان می شود - استنفار را چوں منقح کنیم حاصل شود حالتی کہ مقتضای استنفار شدہ است از قصد کفار بلاد ما را ' و قیام حرب درمیان جیوش مسلمین و کافرین ' و عدم کفایۃ آں مسلمانان ' و آنچہ بداں ماند " (مسوی جلد ۲ - ۱۲۹)

شاہ صاحب کے بیان سے یہ بات واضح ہوگئی کہ نفیر کی صورت کیا ہے ؟ تو یہ ضرور نہیں کہ کوئی خاص شخص مسلمانوں کو یہ کہکر پکارے کہ آؤ جہاد کرو - مقصود یہ ہے کہ ایسی حالت پیدا ہو جائے جو مقتضائے نفیر ہے - پس جب غیر مسلموں نے اسلامی ملکوں کا قصد کیا اور مسلمانوں اور کافروں میں لڑائی شروع ہوگئی تو جہاد فرض ہوگیا ' اور جب دشمنوں کی طاقت اُن ممالک کے مسلمانوں سے زیادہ قوی ہوئی اور انکے شکست کا خوف ہوا ' تو یکے بعد دیگرے تمام مسلمانان عالم پر فرض ہوگیا - خواہ کوئی پکارے یا نہ پکارے - پکارنے والا نہیں ہے تو یہ مسلمانوں

کی بدنظمی و بدحالی ہے - انکا فرض ہوگا کہ دائمی نماز کا انتظام کریں
یہی حال تمام فرائض کا ہے - نماز کا جب وقت آجائے تو حوالہ مؤذن کی
صدائے " حی علی الصلاۃ " سنائی دے یا دے ' وقت کا آجانا وجوب
کیلئے کافی ہوتا ہے -

فصل

(ترتیب حروب دفاع)

جب دفاع کا فرض عین ہونا واضح ہوگیا ' تو اب معلوم ہونا چاہئے کہ
اس فرض کی انجام دہی کیلئے شریعت نے ایک خاص ترتیب اختیار کی
ہے - عقل و حکمت کی بنا پر ہی اس معاملہ کی قدرتی اور صحیح
ترتیب ہوسکتی تھی - صورت اسکی یہ ہے کہ جب غیر مسلموں نے کسی
اسلامی حکومت اور آبادی کا قصد کیا ' تو اس شہر کے تمام مسلمانوں
پر بہ مجرد قصد اعداء ' دفاع فرض عین ہوگیا - باقی رہے دیگر ممالک کے
مسلمان ' تو اگر وہ جنگ مقامات کے مسلمان دشمن کے مقابلہ کے لیے
کافی قوت نہیں رکھتے - دشمن بہت زیادہ قوی ہے - یا رکھتے ہیں اور
غفلت و تساہل کرنے لگے ہیں ' تو اس حالت میں یکے بعد دیگرے تمام
دنیا کے مسلمانوں پر بھی دفاع فرض عین ہوجائیگا - بالکل اسیطرح جیسے
نماز اور روزہ -

مگر صورت اس کی یوں ہوگی کہ پہلے ان مقامات سے قریب تر مقام کے
مسلمانوں پر واجب ہوگا - پھر ان سے قریب تر پر - پھر ان سے قریب تر پر -
حتی کہ مغرب و مشرق جنوب و شمال ' تمام اکناف عالم کے مسلمانوں پر
یکے بعد دیگرے وجوب عائد ہوجائیگی -

اسوقت سارے فرائض ' سارے وظائف ' سارے کام ' ملتوی کردینے
چاہیئیں - بمجرد اطلاع ہر مسلمان کو اپنی تمام قوتوں اور تمام سامانوں کے
ساتھ وقف دفاع ملت و جہاد فی سبیل اللہ ہوجانا چاہیے - اور قیام دفاع
کے لیے شرعاً جن جن رسائل و انتظامات کی ضرورت ہے ' سب کو مل جلکر
انکا انصرام کرنا چاہیے - اگر کسی آبادی میں مسلمانوں کا کوئی امام و پیشوا
نہیں ہے جو نظم و قیام اپنے ہاتھ میں لے تو سب کا فرض ہوگا کہ پہلے امام

و امور کا انتظام کردیں - پھر جن جن وسائل کی ضرورت ہو اُن کے حصول کے لیے ہر ممکن تدبیر و سعی کام میں لائیں - اگر ایسا نہ کیا گیا تو سب اللہ کے حضور جوابدہ ہونگے - سب مبتلاے معصیت و فسق ہونگے - ایسی معصیت ' ایسا فسق ' ایسا عدوان ' ایسا نفاق ' جس کے بعد صرف کفر ہی کا درجہ ہے -

اگر قیامت کا آنا حق ہے ' اور نہ جھوٹ نہیں کہ خدا کا وجود ہے ' تو مسلمانان عالم کے پاس اُسوقت کیا جواب ہوگا ' جب قیامت کے دن پوچھا جائیگا کہ تم کروروں کی تعداد میں زندۂ و سلامت موجود ہے - تمہارے جسموں سے روح کھینچ نہیں لی گئی تھی - تمہاری قوتوں کو سلب نہیں کرلیا گیا تھا - تمہارے کان تھے نہ تھے نہ ہاتھ کٹے ہوے اور پاؤں لنگڑے - پھر تمہیں کیا ہوگیا تھا کہ تمہارے سامنے تمہارے بھائیوں کی گردنوں پر دشمنوں کی تلواریں چل گئیں - وطن سے بے وطن اور گھر سے بے گھر ہوگئے - اسلام کی آبادیاں غیروں کے قبضۂ و تسلط سے پامال ہوگئیں - پر نہ تو تمہارے دلوں میں جنبش ہوئی ' نہ تمہارے قدموں میں حرکت ہوئی ' نہ تمہاری آنکھوں سے محبت و ماتم کا ایک آنسو بخشا ' اور نہ تمہارے خزانوں پر سے بخل و زر پرستی کے قفل ٹوٹے ؟ تم نے چین اور آرام کے بستروں پر لیٹ لیٹ کر بربادی ملت اور پامالی اسلام کا یہ خونین تماشہ دیکھا ' اور اُس نے درد تماشائی کی طرح بے حس و حرکت تکتے رہے جو سمندر کے کنارے کھڑے ہوکر ڈوبتے ہوے جہازوں اور بہتی ہوئی لاشوں کا نظارہ کر رہا ہو ! ارضیتم بالحیاۃ الدنیا من الاخرۃ ؟ وما حیاۃ الدنیا الا قلیل !

فتح القدیر میں ہے :

فیجب علی جمیع اھل تلک البلدۃ النفر ' وکذا من یقرب منھم ان لم یکن باھلھا کفایۃ ' وکذا من یقرب ممن یقرب ان لم یکن بمن یقرب کفایۃ ' او تکاسلوا ' او عصوا ' وھکذا الی ان یجب علی جمیع اھل الاسلام شرقاً و غرباً -	اگر غیر مسلموں نے حملہ کیا تو پھر اُس شہر کے تمام باشندوں پر دفاع کے لیے اُٹھہ کھڑا ہونا فرض عین ہوجائیگا - اور اگر دشمن زیادہ طاقتور ہیں اور مقابلہ کیلیے وہاں کے مسلمان کافی نہیں ' تو جو مسلمان اُنسے قریب ہونگے ' انپر بھی فرض عین ہو جائیگا - اور اگر وہ بھی کافی نہیں ' یا - انھوں نے سستی کی ' یا دانستہ انکار کیا ' تو پھر اُن تمام لوگوں پر جو اُن سے قریب

(جلد ۴ - صفحہ - ۸۲۰)

ہوں تو فرض عائد ہوگا - اسی طرح یکے بعد دیگرے اسکا وجوب منتقل ہوتا جائیگا - حتی کہ تمام مسلمانوں پر مشرق میں ہوں یا مغرب میں ' دفاع کے لیے اُٹھہ کھڑا ہونا فرض ہوجائیگا - انتہی -

ایسا ہی تمام کتب معتمدۂ فقہ و حدیث میں ہے - عبارتوں کے نقل و ترجمہ میں طول ہوگا - رد المحتار وغیرہ شروح میں ذخیرہ سے نقل کیا ہے :
" واما من ورائهم فيعد من العدو ' فهو فرض كفاية عليهم حتى يسعهم تركه ' اذا لم يحتاج اليهم فان عجز من كان يقرب من العدو عن المقاومة ' او لم يقدروا عليها لكثرتهم فكاسلوا ' فانه يفترض على من يليه فرض كالصلوة والصوم لا يسعهم تركه ' وثم وثم ' الى ان يفترض على جميع اهل الاسلام شرقاً وغرباً "

اور عنایہ شرح ہدایہ میں ہے " ثم الجهاد يصير فرض عين عند النفير العام على من يقرب من العدو وهو يقدر عليه ' واما من ورائهم فلا يكون فرضا عليهم الا اذا احتيج اليهم ' اما لعجز القريب واما للتكاسل ' فحينئذ يفترض على من يليهم " الخ -

اور شرح موطا میں ہے " فان لم تقع الكفاية بمن نزل بهم ' تجب على من بعد منهم من المسلمين عونهم " (جلد ۲ - ۱۲۹)

البتہ یاد رہے کہ یہ دفاع کی عام صورت ہے - لیکن درحالیں شرعاً ایسی بھی ہیں' جن میں وجوب دفاع کیلیے یکے بعد دیگرے اس ترتیب اور الاقرب فالاقرب کی ضرورت باقی نہیں رہتی - بیک وقت اور بیک دفعہ ہی تمام مسلمانان عالم پر دفاع فرض ہوجاتا ہے -

پہلی حالت یہ ہے کہ خلیفۂ وقت تمام مسلمانان عالم سے طالب اعانت ہو یا اُسکی بے بسی و بیچارگی کی حالت ایسی ہوجاے کہ بلا تمام مسلمانان عالم کی مجموعی اعانت کے مخلصی و فتح ممکن نہو -

دوسری صورت یہ ہے کہ اسلام کے عین مرکزی مقام یعنی جزیرۂ عرب پر غیر مسلم حملہ آور ہوں جنکو ہمیشہ غیر مسلم اثر سے محفوظ رکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے خواہ وہ دنیا کے کسی حصہ میں بستا ہو - تفصیل اسکی آگے آتی ہے -

باب

جزیرۂ عرب و بلاد مقدسہ

فصل

(مرکز ارضی)

کوئی قوم زندہ نہیں رہسکتی ' جب تک اس کا کوئی ارضی مرکز نہو - کوئی تعلیم باقی نہیں رہسکتی ' جب تک اُسکی ایک قائم و جاری درسگاہ نہ ہو - کوئی دریا جاری نہیں رہسکتا ' جب تک ایک محفوظ سرچشمہ سے اُس کا لگاؤ نہ ہو -

نظام شمسی کا ہر ستارہ روشنی اور حرارت صرف اپنے مرکز شمسی ہی سے حاصل کرتا ہے - اُسی کی بالا نر جاذبہ ہے جسنے نہ پورا معلق کارخانہ سنبھال رکھا ہے ! اللہ الذی رفع السمارات بغیر عمد ترونہا ' ثم استوی علی العرش ' و سخر الشمس و القمر ' کل یجری لاجل مسمی ! (۱۳ : ۲)

یہی قانون الہی ہے جسپر اُسکی شریعت کے تمام جماعتی احکام مبنی ہیں - پس جس طرح اسلام نے امت کے بقا اور حق و ہدایت کے قیام کے لیے ہر طرح کے مرکز قرار دیے ' ضرور تھا کہ ایک ارضی مرکز بھی قیامت تک کیلیے قرار دیدیا جاتا -

اُن بے شمار مصلحتوں اور حکمتوں کی بنا پر جنکی تشریح کا یہ موقعہ نہیں ' اسلام نے اس غرض سے سرزمین حجاز کو منتخب کیا - یہی ناف زمین دنیا کی آخری اور دائمی ہدایت و سعادت کے لیے مرکزی سرچشمہ اور روحانی درسگاہ قرار پائی - اور چونکہ سرزمین حجاز جزیرۂ عرب میں واقع تھی ' وہی اسلام کا اولین موطن ' وہی اس کا سب سے پہلا سرچشمہ تھا ' اسلیے ضرور تھا کہ اسلامی مرکز کے قریبی گرد وپیش کا بھی وہی حکم ہوتا جو اصل مرکز کا - لہذا یہ تمام سرزمین بھی کہ حجاز کی " وادی غیر ذی زرع " کو گھیرے ہوے ہے ' اسی حکم میں داخل ہوگئی - ذلک تقدیر العزیز العلیم !

" مرکز ارضی " سے مقصود وہ ہے کہ اسلام کی دعوۃ ایک عالمگیر اور دنیا کی بین الملی دعوۃ تھی - وہ کسی خاص ملک اور قوم میں محدود نہ تھی - مسلمانوں کی قومیت کے اجزاء تمام کرۂ ارضی میں بکھر جانے اور پھیل جانے والے تھے - پس ان بکھرے ہوے اجزاء کو ایک دائمی متحدہ قومیت کی ترکیب میں قائم رکھنے کیلیے ضروری تھا کہ کوئی ایک مقام ایسا مخصوص کردیا جاتا ' جو ان تمام متفرق و منتشر اجزاء کیلیے اتحاد و انضمام کا مرکزی نقطہ ہوتا - سارے بکھرے ہوے اجزاء وہاں پہنچکر سمٹ جائے - تمام پھیلی ہوئی شاخیں وہاں اکٹھی ہوکر جڑ جائیں - ہر شاخ کو اُس جڑ سے زندگی ملتی ' ہر نہر اُس سرچشمہ سے سیراب ہوتی - ہر ستارہ اُس سورج سے روشنی اور گرمی لیتا - ہر دوری اُس سے قرب پاتی - ہر فصل کو اُس سے مواصلت ملتی - ہر انتشار کو اُس سے اتحاد و یگانگی حاصل ہوتی -

وہی مقام تمام اُمت کی تعلیم و ہدایت کیلیے ایک وسطی درسگاہ کا کام دیتا - وہی تمام کرۂ ارضی کی پھیلی ہوئی کثرت کیلیے نقطۂ وحدت ہوتا - ساری دنیا ٹھنڈی پڑ جاتی ' پر اُسکا تنور کبھی نہ بجھتا - ساری دنیا تاریک ہوجاتی ' مگر اُسکی روشنی کبھی گل نہ ہوتی - اگر تمام دنیا اولاد آدم کے باہمی جنگ و جدال اور فتنۂ و فساد سے خون ریزی کی دوزخ بن جاتی ' پھر بھی ایک گوشۂ قدس ایسا رہتا جو ہمیشہ امن و رحمت کا بہشت ہوتا ' اور انسانی فتنۂ و فساد کی پرچھائیں بھی وہاں نہ پڑ سکتی -

اُسکا ایک ایک چپہ مقدس ہوتا ' اُسکا ایک ایک کونہ خدا کے نام پر محترم ہوجاتا ' اُسکا ایک ایک ذرہ اسکے جلال و قدوسیت کا جلوہ گاہ ہوتا - خونریز اور سرکش انسان ہر مقام کو اپنے ظلم و فساد کی نجاست سے آلودہ کر سکتا ' پر اُسکی فضاء مقدس ہمیشہ پاک و محفوظ رہتی ' اور جب زمین کے ہر گوشے میں انسانی سرکشی اپنی مجرمانہ خداوندی کا اعلان کرتی تو وہاں خدا کی سچی پادشاہت کا تخت عظمت و اجلال بچھہ جاتا ' اور اسکا ظل عاطفت تمام بندگان حق کو اپنی طرف کھینچ بلاتا -

دنیا پر کفر و شرک کے جماؤ اور اُتھان کا کیسا ہی سخت اور برا وقت آجاتا ' مگر سچی توحید اور بے میل خدا پرستی کا وہ ایک ایسا گھر ہوتا ' جہاں خدا اور اُسکی صداقت کے سوا نہ کسی خیال کی پہنچ ہوتی ' نہ کسی صدا کی گونج اُٹھہ سکتی -

وہ انسان کی پھیلی ہوئی نسل کیلیے ایک مشترک اور عالمگیر گھر ہوتا - کٹ کٹ کر قومیں وہاں جزئیں ' اور بکھر بکھر کے نسلیں وہاں سمٹتیں - نہ دیکھا جس طرح اپنے آشیانوں کی طرف اُڑتے ہیں ' اور پروانوں کو تم نے دیکھا کہ روشنی کی طرف دوڑے - ٹھیک اِسی طرح انسانوں کے گروہ اور قوموں کے قافلے اُسکی طرف دوڑے ' اور زمین کی خشکی و تری کی وہ ساری راہیں جو اُس تک پہنچ سکتیں ' ہمیشہ مسافروں اور قافلوں سے بھری رہتیں -

دنیا بھر کے زخمی دل وہاں پہنچتے اور شفا اور تندرستی کا مرہم پاتے - بیقرار و مضطر روحوں کیلیے اُسکے آغوش گرم میں آرام و سکون کی ٹھنڈک ہوتی - گناہ کی کدورتوں سے آلودہ جسم وہاں لائے جاتے ' اور محرومی و نامرادی کی مایوسیوں سے گھائل دل چنگے اور نزندے ہوے اُس کی جانب دوڑے ' تو اسکی پاک ہوا امید و مراد کی عطر بیزی سے مشکبار ہوجاتی ' اسکے پہاڑوں کی چوٹیاں خدا کی محبت و بخشش کے بادلوں میں چھپ جاتیں ' اور اُس کی مقدس فضاء میں رحمت کے فرشتے غول در غول اُتر کر اپنی معصوم مسکراہٹ اور اپنے پاک نغموں کے ساتھ مغفرت و قبولیت کی بشارتیں بانٹتے !

شاخوں کی شادابی جڑ پر موقوف ہے - درختوں کی جڑ اگر سلامت ہے تو شاخوں اور پتوں کے مرجھا جانے سے داغ اُجڑ نہیں جا سکتا - دس ٹہنیاں کاٹ دی جائینگی ' تو دس نئی نکل آئینگی - اسی طرح قوم کا مرکز ارضی اگر محفوظ ہے ' تو اسکے بکھرے ہوے ٹکڑوں کی بربادی سے قوم نہیں مٹ جاسکتی - سارے ٹکڑے مٹ جائیں ' مگر مرکز باقی ہے تو پھر نئی نئی شاخیں پھوٹینگی اور نئی نئی زندگیاں اُبھرینگی - پس جس طرح مسلمانوں کے اجتماعی دائرہ کیلیے خلیفۂ و امام کے وجود کو مرکز ٹھہرایا گیا ' اُسی طرح اُنکی ارضی وسعت و انتشار کیلیے عبادتکدۂ ابراھیمی کا کعبۃ اللہ ' اسکی سرزمین حجاز ' اور اُسکا ملک جزیرۂ عرب ' دائمی مرکز قرار پایا - یہی معنی ان آیات کریمہ کے ہیں کہ :

جعل اللہ الکعبۃ البیت الحرام قیاماً للناس (۵ : ۱۰۰)	اللہ نے کعبہ کو کہ اسکا محترم گھر ہے ' انسانوں کے بقاؤ قیام کا باعث ٹھہرایا -

و اذ جعلنا البیت مثابة للناس و امنا (۲:۱۲۵)
اور جب ایسا ہوا کہ ہم نے خانۂ کعبہ کو انسانوں کیلیے اجتماع کا مرکز اور امن کا گھر بنایا۔

اور

من دخلہ کان امنا (۳ ۹۷)
جو اسکے حدود کے اندر پہنچ گیا ' اسکے لیے کسی طرح کا خوف اور ڈر نہیں -

اور یہی علت تھی تحویل قبلہ کی - نہ وہ جو لوگوں نے سمجھی :

و حیث ما کنتم فولوا وجوھکم شطرہ (۲ ۱۵۰)
اور تم کہیں بھی ہو' لیکن چاہیے کہ اپنا رخ اسی کی جانب رکھو!

کیونکہ جب یہی مقام ارضی مرکز قرار پایا ' تو تمام افراد قوم کیلیے لازمی ہوا کہ جہاں کہیں بھی ہوں ' رخ اُنکا اسی طرف رہے - اور دن میں پانچ مرتبہ اپنے قومی مرکز کے طرف متوجہ ہوتے رہیں - اور یاد رہے کہ من جملہ بے شمار مصالح و حکم کے' ایک بڑی مصلحت فریضۂ حج میں یہ بھی ہے کہ ساری اُمت ' تمام کرۂ ارضی ' اور تمام اقوام عالم کو' اس نقطۂ مرکز سے دائمی پیوستگی بخشدی :

و اذن فی الناس بالحج یاتوک رجالا و علی کل ضامر یاتین من کل فج عمیق (۲۲ : ۲۸)
اور لوگوں میں حج کا اعلان کردو - پھر ایسا ہوگا کہ ساری دنیا کو یہ گوشۂ برکت کھینچ بلائیگا - لوگوں کے پیادے اور سوار قافلے دور دور سے یہاں پہنچیں گے !

فصل

(احکام شرعیہ)

اس مرکز کے قیام و بقاء کیلیے سب سے پہلی بات یہ تھی کہ دائمی طور پر اسکو صرف اسلام کیلیے مخصوص کردیا جاے - جبتک یہ خصوصیت قائم نہ کی جاتی ' امت کیلیے اس مرکزیت کے مطلوبہ مقاصد و مصالح حاصل نہ ہوتے -

چنانچہ اسی بنا پر مسلمانوں کو حکم دیا گیا : انما المشرکون نجس ' فلا یقربو المسجد الحرام بعد عامھم ھذا - مسجد حرام کے حدود صرف توحید کی پاکی کیلیے مخصوص ہیں - اب آیندہ کوئی غیر مسلم اس کے

قریب بھی نہ آنے پائے - یعنی نہ صرف یہ کہ وہاں غیر مسلم نہ رہیں ' بلکہ کسی حال میں داخل بھی نہ ہوں - جمہور اہل اسلام نے اتفاق کیا کہ مسجد حرام سے مقصود صرف احاطۂ کعبہ ہی نہیں ہے ' بلکہ تمام سر زمین حرم ہے - اور دلائل و مباحث اسکے اپنے مقام پر درج ہیں -

اور اسی طرح احادیث صحیحۂ و کثیرہ سے جو حضرۃ علی ' سعد بن وقاص ' انس ' جابر ' ابو ہریرہ ' عبد اللہ بن زید ' رافع بن خدیج ' سہل بن حنیف ' وغیرہم اجلۂ صحابہ سے مروی ہیں ' ثابت ہوچکا ہے کہ مدینہ کی زمین بھی مثل مکہ کے حرم ہے ' اور عیر و ثور اسکے حدود ہیں - " المدینۃ حرام ما بین عیر الی ثور " اخرجہ الشیخان - اور روایت سعد کہ " انی احرم ما بین لابتی المدینۃ ان یقطع عضاھا او یقتل صیدھا " رواہ مسلم - اور روایت انس متفق علیہ کہ " اللھم ان ابراھیم حرم مکۃ ' و انی احرم ما بین لابتیھا " (۱) خدایا ! ابراہیم نے مکہ کو حرم ٹھہرایا اور میں مدینہ کو ٹھہراتا ہوں !

یہ احکام تو خاص اس مرکز کی نسبت تھے - باقی رہا اسکا گرد و پیش ' یعنی جزیرۂ عرب ' تو گو اسکے لیے اسقدر اہتمام کی ضرورت نہ تھی ' تاہم اسکا خالص اسلامی ملک ہونا ضروری تھا - تاکہ اسلامی مرکز کا گرد و پیش اور اسکا مولد و منشاء ہمیشہ غیروں کے اثر سے محفوظ رہے -

اسلام کا جب ظہور ہوا تو علاوہ مشرکین عرب کے یہود و نصارا کی بھی ایک بڑی جماعت جزیرۂ عرب میں آباد تھی - مدینہ میں یہودیوں کے متعدد قبیلے تھے - خیبر میں انہی کی ریاست تھی - یمن میں نجران عیسائیوں کا بڑا مرکز تھا -

مدینہ کی سر زمین خود آپکی زندگی ہی میں یہودیوں سے خالی ہوگئی - آخری جماعت جو مدینہ سے خارج کی گئی ' بنو قینقاع اور بنو حاربہ کا گروہ تھا - امام مسلم نے ابن عمر کا قول نقل کیا ہے " ان یہود بنی النضیر حاربوا رسول اللہ صلعم فاجلی بنی النضیر و اقر قریظہ و من علیھم ' حتی حاربت قریظہ ' فقتل رجالھم و قسم اولادھم و نسائھم بین المسلمین

---

(۱) زیادہ مفصل بحث رسالہ " جامع الشواھد " میں لکھ چکا ہوں - اِس رسالہ کا اصل موضوع مسئلہ خلافت ہے - یہ تذکرہ ضمناً آگیا ہے - پس اشارات پر اکتفا کیا گیا -

الا بعضهم لحقوا برسول الله فامنهم واسلموا ' و اجلی یهود المدینة کلهم بني قینقاع و هم قوم عبد الله بن سلام و یهود بني حارثة ' و کل یهودي کان بالمدینة "

بخاري و مسلم میں اس آخري اخراج کا واقعه بروایت حضرة ابو هریرة مروي هے - آپ صحابه کو ساتهه لیکر یهودیوں کی تعلیم گاه میں تشریف لیگئے اور فرمایا " یا معشر الیهود ! اسلموا تسلموا " اسلام قبول کرو - نجات پاؤگے - پهر فرمایا " اعلموا ان الارض لله و رسوله و انی ارید ان اجلیکم من هذه الارض ' فمن وجد منکم بماله شیئاً فلیبعه ' و الا ' فاعلموا ان الارض لله و رسوله " میں نے ارادہ کرلیا هے که تم کو اس ملک سے خارج کردوں - پس اپنا مال و متاع فروخت کرنا چاهو تو کردو - ورنه جان رکهو که اس ملک کی حکومت صرف الله اور اُسکے رسول هي کیلیے هے -

جب آپ دنیا سے تشریف لیگئے دو دو مقام ایسے رهگئے تهے جهاں سے یهود و نصارا کا اخراج نه هوسکا تها - خیبر اور نجران - پس آپنے وصیت فرمائی که آیندہ جزیرۂ عرب صرف اسلام کیلیے مخصوص کردیا جاے - جو غیر مسلم اس ملک میں باقی رهگئے هیں ' خارج کردیے جائیں - امام بخاری نے باب باندها هے " اخراج الیهود من جزیرة العرب" اسمیں پهلی روایت یهود مدینه کے اخراج کي لاے هیں جو اوپر گزرچکی - دوسري روایت حضرت ابن عباس کي هے - آنحضرة صلعم نے مرض الموت میں تین باتوں کی وصیت فرمائي تهي - ایک یه تهی " اخرجوا المشرکین من جزیرة العرب " حافظ ابن حجر لکهتے هیں " اقتصر علی ذکر الیهود لانهم یوحدون الله تعالی الا القلیل و مع ذلك امر باخراجهم ' فیکون اخراج غیرهم من الکفار بطریق اولی " (فتح الباري - ۶ ۱۹۴) یعنی امام بخاری نے عنوان باب میں صرف یهود کا ذکر کیا - اسمیں استدلال یه هے که تمام غیر مسلم اقوام میں یهودي سب سے زیادہ توحید کے قائل هیں - انکو خارج کیا گیا تو دیگر مذاهب کے اخراج کا وجوب بدرجۂ اولی ثابت هوگیا - پس حاجت تصریح نهیں -

حضرة عمر کی روایت میں " یهود و نصاری " کا لفظ هے " لاخرجن الیهود و النصاری من جزیرة العرب حتی لا ادع الا مسلما " رواہ مسلم و احمد و الترمذي و صححه - ابو عبیدہ بن جراح سے امام احمد نے روایت کیا هے : " اخر ما تکلم به رسول الله صلعم اخرجوا یهود اهل الحجاز و اهل نجران من جزیرة العرب " حضرة عائشه کي روایت میں اسکي علت بهي واضح کردي

ہے " آخر ما عہد رسول اللہ صلعم ان قال لا یترک بجزیرۃ العرب دینان " رواہ احمد - یعنی سب سے آخری وصیت رسول اللہ کی یہ تھی کہ جزیرۂ عرب میں دو دین جمع نہ ہوں - صرف اسلام ہی کیلیے مخصوص ہوجاے - امام مالک نے موطا میں عمر بن عبد العزیز اور ابن شہاب کے مراسیل نقل کیے ہیں اور مصنوعی و غیرہم نے باب باندھا ہے " اخراج الیہود و النصاری من جزیرۃ العرب " عمر ابن عبد العزیز کی روایت میں ہے : " کان من آخر ما تکلم بہ رسول اللہ صلعم انہ قال قاتل اللہ الیہود و النصاری ' اتخذوا قبور انبیائہم مساجد - لا یبقیان دینان بارض العرب " اور ابن شہاب کا لفظ ہے " لا یجتمع دینان فی جزیرۃ العرب "

حضرۃ عمر ابن عبد العزیز نے آخر تکلم " قاتل اللہ الیہود و النصاری " جو نقل کیا ہے ' تو حضرۃ عائشہ سے صحیحین وغیرہا میں بطریق رفع بھی ثابت ہے -

حافظ نواوی نے گو امام بخاری کا اتباع کیا اور " اجـــلاء الیہـــود " کا باب استدلالاً کافی سمجھا ' لیکن حافظ منذری نے تلخیص مسلم میں " اخراج الیہود و النصاری من جزیرۃ العرب " کا الگ باب باندھکر جزیرۂ عرب والی روایتیں روایات اجلاء یہود سے الگ کردی ہیں - یہ وصیۃ نبوی علاوہ طرق بالا کے مسند امام احمد ' مسند حمیدی ' سنن بیہقی وغیرہ میں بھی مختلف طریقوں سے مروی ہے ' اور سب کا مضمون متحد اور باہمدگر اجمال و تبیین اور اعتضاد و تقویت کا حکم رکھتا ہے -

احکام شرعیہ دو قسم کے ہیں - ایک قسم اُن احکام کی ہے جنکا تعلق افراد کی اصلاح و تزکیہ سے ہوتا ہے - جیسے تمام اوامر و نواہی اور فرائض و واجبات - دوسرے وہ ہیں جنکا تعلق افراد سے نہیں بلکہ اُمت کے قومی اور اجتماعی فرائض اور ملکی سیاسیات سے ہوتا ہے - جیسے فتح ممالک اور قوانین سیاسیۂ و ملکیہ -

سنۃ الہی یوں واقع ہوئی ہے کہ پہلی قسم کے احکام خود شارع کی زندگی ہی میں تکمیل تک پہنچ جاتے ہیں ' اور وہ دنیا نہیں چھوڑتا مگر اُنکی تکمیل کا اعلان کرکے - لیکن دوسری قسم کے لیے ایسا ہونا ضروری نہیں - بسا احکام ایسے ہوتے ہیں جنکے نفاذ و وقوع کے لیے ایک خاص وقت مطلوب ہوتا ہے اور وہ شارع کے بعد بتدریج تکمیل و تنفیذ پاتے ہیں - پس

اُن کی نسبت یا تو بطریق پیشبن گوئی کے خبر دیدی جاتی ہے - یا اپنے جانشینوں کو وصیت کردی جاتی ہے -

یہ معاملہ اسی دوسری قسم میں داخل تھا - پس ضرور نہ تھا کہ اس کا پورا پورا نفاذ خود آنحضرۃ صلعم کی حیات طیبہ ہی میں ہوجاتا - آپ نے یہود مدینہ کے اخراج سے عملاً نفاذ شروع کردیا - یہود خیبر سے ابتدا ہی میں شرط کرلی تھی کہ جب ضرورت ہوگی' اس سرزمین سے خارج کردئے جاؤگے - پھر تکمیل کیلیے اپنے جانشینوں کو وصیت فرمادی - چنانچہ حضرۃ عمر (رض) کے زمانے میں تکمیل کا وقت آگیا - اور یہود خیبر نے طرح طرح کی شرارتیں اور نا فرمانیاں کرکے خود ہی اس کا موقعہ بہم پہنچادیا - پس حضرۃ عمر نے اس وصیت کی تحقیق کی ' اور جب پوری طرح تصدیق ہوگئی تو تمام صحابہ کو جمع کرکے اعلان کردیا - سب نے اتفاق کیا ' اور یہود خیبر و فدک خارج کردیے گئے - اسی طرح نجران سے بھی عیسائیوں کا اخراج عمل میں آیا - امام زہری نے ابن عتبہ سے اور امام مالک نے ابن شہاب سے روایت کیا ہے " ما زال عمر حتی وجد الثبت عن رسول اللہ انہ قال لا یجتمع بجزیرۃ العرب دینان ' فقال من کان لہ من اھل الکتابین عہد فلیات بہ ' انفذ لہ ' والا فانی مجلیکم ' فاجلا ھم " (اخرجہ ابن ابی شیبہ)

امام بخاری نے یہود خیبر کے اخراج کا واقعہ کتاب الشروط کے باب " اذا اشترط فی المزارعۃ اذا شئت اخرجتک " میں درج کیا ہے ' اور ترجمۂ باب میں استدلال ہے کہ یہود خیبر کا تقرر پہلے ہی سے عارضی و مشروط تھا - بالا استدلال یہ تھا - حافظ عسقلانی لکھتے ہیں - حضرۃ عمر کے اجلاء کردہ اہل کتاب کی تعداد چالیس ہزار مقبول ہے -

پس صاحب شریعت کے قول و عمل ' اُن کے آخرین لمحات حیات کی وصیت ' حضرۃ عمر کے تفحص و تصدیق ' تمام صحابہ کے اجماع و اتفاق سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ اسلام نے ہمیشہ کیلیے جزیرۂ عرب کو صرف اسلامی آبادی ہی کے لیے مخصوص کردیا ہے - الا یہ کہ کسی مصلحت سے خلیفۂ وقت عارضی طور پر کسی گروہ کو داخل ہونے کی اجازت دیدے - اور ظاہر ہے کہ جب وہاں غیر مسلموں کا قیام اور دو دینوں کا اجتماع شریعت کو منظور نہیں ' تو غیر مسلم کی حکومت یا حاکمانہ نگرانی و بالا دستی کو جائز رکھنا کب مسلمانوں کیلیے جائز ہوسکتا ہے ؟

فصل

(جزیرۂ عرب کی تحدید)

باقی رہا یہ مسئلہ کہ جزیرۂ عرب سے مقصود کیا ہے ؟ تو یہ بالکل صاف و واضح ہے - اس کے لیے کسی بحث و نظر کی ضرورت ہی نہیں - نص حدیث میں " جزیرۂ عرب " کا لفظ وارد ہے ' اور عقلاً و اصولاً معلوم ہے کہ جب تک کوئی سبب قوی موجود نہ ہو ' کسی لفظ کے منطوق اور عام و متعارف مدلول سے انحراف جائز نہ ہوگا - اور نہ بلا مخصص کے قیاساً تخصیص جائز - شارع نے "جزیرہ" کا لفظ کہا ' اور دنیا میں اُس وقت سے لیکر ابتک جزیرۂ عرب کا اطلاق ایک خاص ملک پر ہر انسان کر رہا اور جان رہا ہے - پس جو مطلب اسکا سمجھا جاتا تھا اور سمجھا جاتا ہے ' وہی سمجھا جائیگا -

تمام مورخین اور جغرافیہ نگاران قدیم و جدید متفق ہیں کہ عرب کو " جزیرہ " اسلیے کہا گیا کہ تین طرف سمندر اور ایک جانب دریا کے پانی سے محصور ہے - یعنی تین طرف بحر ہند ' خلیج فارس ' بحر احمر و قلزم واقع ہیں - ایک جانب دریائے دجلہ و فرات -

فتح الباری وغیرہ میں ہے " قال الخلیل سمیت جزیرۃ العرب ' لان بحر فارس و بحر الحبشہ و الفرات و الدجلہ احاطت بہا " (۶ : ۱۱۸) اور اصمعی کا قول ہے : " لاحاطۃ البحار بہا ' یعنی بحر الھند و القلزم و بحر فارس و بحر الحبشہ و دجلہ " (ایضاً)

نہایہ میں امام زہری کا قول نقل کیا ہے " سمیت جزیرۃ لان بحر الفارس و بحر السودان احاط بجانبیہا ' و احاط بالجانب الشمالی دجلہ و الفرات " -

یہی قول ارباب لغۃ کا بھی ہے - قاموس میں ہے " جزیرۃ العرب ما احاط بہ بحر الھند و الشام ثم دجلہ و الفرات " پروفیسر پطرس بستانی نے بھی (جو زمانۂ حال میں شام کا ایک مشہور مسیحی مصنف گزرا ہے اور جس نے عربی میں انسائیکلو پیڈیا لکھنی شروع کی تھی) محیط المحیط میں یہی تعریف کی ہے -

حاصل سب کا یہی ہے کہ جزیرۂ عرب وہ سر زمین ہے جسکے تین جانب سمندر ہیں اور شمالی جانب دریاے دجلۂ و فرات -

سب سے زیادہ مفصل جغرفیہ یاقوت حموی نے معجم البلدان میں دیا ہے - اس سے زیادہ جامع و معتبر کتاب عربی میں جغرافیہ و تقویم بلدان کی کوئی نہیں :

" انما سمیت بلاد العرب جزیرۃ لاحاطۃ الانہار و البحار ' و ذلک ان الفرات اقبل من بلاد الروم ' فظہر بناحیۃ قنسرین ' ثم احاط علی اطراف الجزیرۃ و سواد العراق ' حتی وقع فی البحر فی ناحیۃ البصرۃ و الابلہ ' و امتد الی عبادان ' و اخذ البحر فی ذلک الموضع معربان منعطفاً ببلاد العرب " الخ -

خلاصہ اس کا یہ ہے کہ عرب ایسے جزیرہ مشہور ہوا کہ سمندروں اور دریاؤں سے گھرا ہوا ہے - صورت اسکی یوں ہے کہ دریاے فرات بلاد روم سے شروع ہوا ' اور قنسرین کے نواح میں عرب کی سرحد پر ظاہر ہوا - پھر عراق میں ہوتا ہوا بصرہ کے پاس سمندر میں جا ملا - وہاں سے پھر سمندر نے عرب کو گھیرا ' اور قطیف و ہجر کے کناروں سے ہوتا ہوا عمان اور شحر سے گزر گیا - پھر حضرموت اور عدن ہوتا ہوا پچھم کی جانب یمن کے ساحلوں سے جا ٹکرایا - حتی کہ جدہ نمودار ہوا جو مکۂ و حجاز کا ساحل ہے - پھر ساحل طور اور خلیج ایلہ پر جا کر سمندر کی شاخ ختم ہوگئی - پھر سر زمین مصر شروع ہوتی ہے اور قلزم نمودار ہوتا ہے ' اور اسکا سلسلہ بلاد فلسطین سے سواحل عسقلان ہوتا ہوا سر زمین صور و ساحل اردن تک بیروت پر پہنچتا ہے ' اور آخر میں پھر قنسرین تک منتہی ہوکر وہ جگہ آجاتی ہے جہاں سے فرات نے عرب کا احاطہ شروع کیا تھا - پس اس طرح چاروں طرف پانی کا سلسلہ قائم ہے - بحر احمر اور قلـــزم کی درمیانی خشکی بھی پانی سے خالی نہیں - کیونکہ سوڈان سے دریاے نیل وہاں آ پہنچا ہے اور قلزم میں گرا ہے - یہی جزیرہ ہے جس سے عرب کی سر زمین عبارت ہے ' اور یہی عرب اقوام کا مولد و منشاء ہے - انتہی ملخصا - (جلد ۳ - ۱۰۰)

اس تفصیل سے واضح ہوگیا کہ جزیرۂ عرب کے حدود کیا ہیں ؟ عرب کا نقشہ اپنے سامنے رکھو اور اسپر مندرجۂ بالا تخطیط منطبق کرکے دیکھو - اوپر شمال ہے - دھنے مشرق - بائیں مغرب - شمال میں دریاے فرات مغرب سے خم کھاتا ہوا نمودار ہوتا ہے اور صحراے شام کے کنارے سے گزرتا

هوا دجلہ میں ملجاتا ہے - پھر دونوں ملکر خلیج فارس میں گرتے ہیں - فرات کے پیچھے دجلہ کا خط ہے - اسی پر بغداد واقع ہے - خلیج فارس کے مشرق میں ایران ہے اور مغربی ساحل میں فطیف و حساء - پھر یہ خلیج تنگ نائے ہرمز سے نکل کر مسقط و عمان کے کناروں سے گزرتا ہے اور اسکے بعد ہی بحر عمان نمودار ہوجاتا ہے - اسکے بعد حضرموت کا ساحل دیکھوگے - پھر عدن آگیا' اور باب المندب سے جونہی آگے بڑھے' بحر احمر شروع ہوگیا - چونکہ اسکا مغربي ساحل افریقہ و حبش سے متصل ہے ' اسلیے قدیم جغرافیہ میں اسکو بحر حبش بھي کہتے تھے - بحر احمر کے کنارے پہلے یمن ملیگا - پھر جدہ - اسکے بعد ساحل حجاز - حتیٰ کہ سمندر کي شاخ پتلی ہوکر طور سینا تک منتہی ہوگئی ' اور اسکے ساتھ ہي خلیج عقبہ کي شاخ نمودار ہوئی - اب مصر کی سر زمین شروع ہوگئی - نہر سوئیس کے بننے سے پہلے یہ خشکی کا ایک ٹکڑہ تھا جس نے بحر احمر کو بحر متوسط سے جدا کردیا تھا - اسلیے صاحب معجم نے یہاں دریاے نیل کا ذکر کیا ' جسکو اسی درمیاني تختۂ خشک کے بائیں جانب دیکھہ رہے ہو - وہ قاہرہ سے ہوتا ہوا اسکندریہ کے پاس سمندر میں گرتا ہے - پس اگرچہ اُس زمانے میں یہ ٹکڑہ خشک تھا مگر سمندر کي جگہ دریاے نیل کا خط آبي موجود تھا -

اس کے بعد بحر متوسط ہے جس کے ابتدائی حصہ کو قدیم جغرافیہ نویس بحر مصر و شام سے موسوم کرتے تھے - اسي پر بیروت واقع ہے اور ساحل سے اندر کی جانب دیکھوگے تو پھر وہی مقام سامنے ہوگا ' جہاں سے دریاے فرات نمودار ہوکر خلیج فارس کی جانب بڑھا تھا -

پس یہ ایک مثلث نما ٹکڑہ ہے جو اس تمام بحري احاطہ کے اندر واقع ہے - صرف خشکی کا ایک حصہ شمال میں فرات کے بائیں جانب نظر آتا ہے - یعني سرحد شام - یہی مثلث ٹکڑہ جزیرۂ عرب ہے - قدیم و جدید جغرافیہ نگار' دونوں اس پر متفق ہیں -

اس سے معلوم ہوا کہ عرب کے " جزیرہ " اور " جزیرہ نما " ہونے میں سب سے زیادہ اہم وجود دریاے دجلۂ و فرات کا ہے - کیونکہ اگر یہ عرب کے حدود سے کوئي متصل تعلق نہیں رکھتے ' تو پھر اس کي ایسي صورت ہي باقي نہیں رہتي جس پر جزیرہ کا اطلاق ہوسکے - یعني شمال کی جانب بالکل خشک رہجاتي ہے - یہي وجہ ہے کہ جس کسي نے عرب کي تعریف کي'

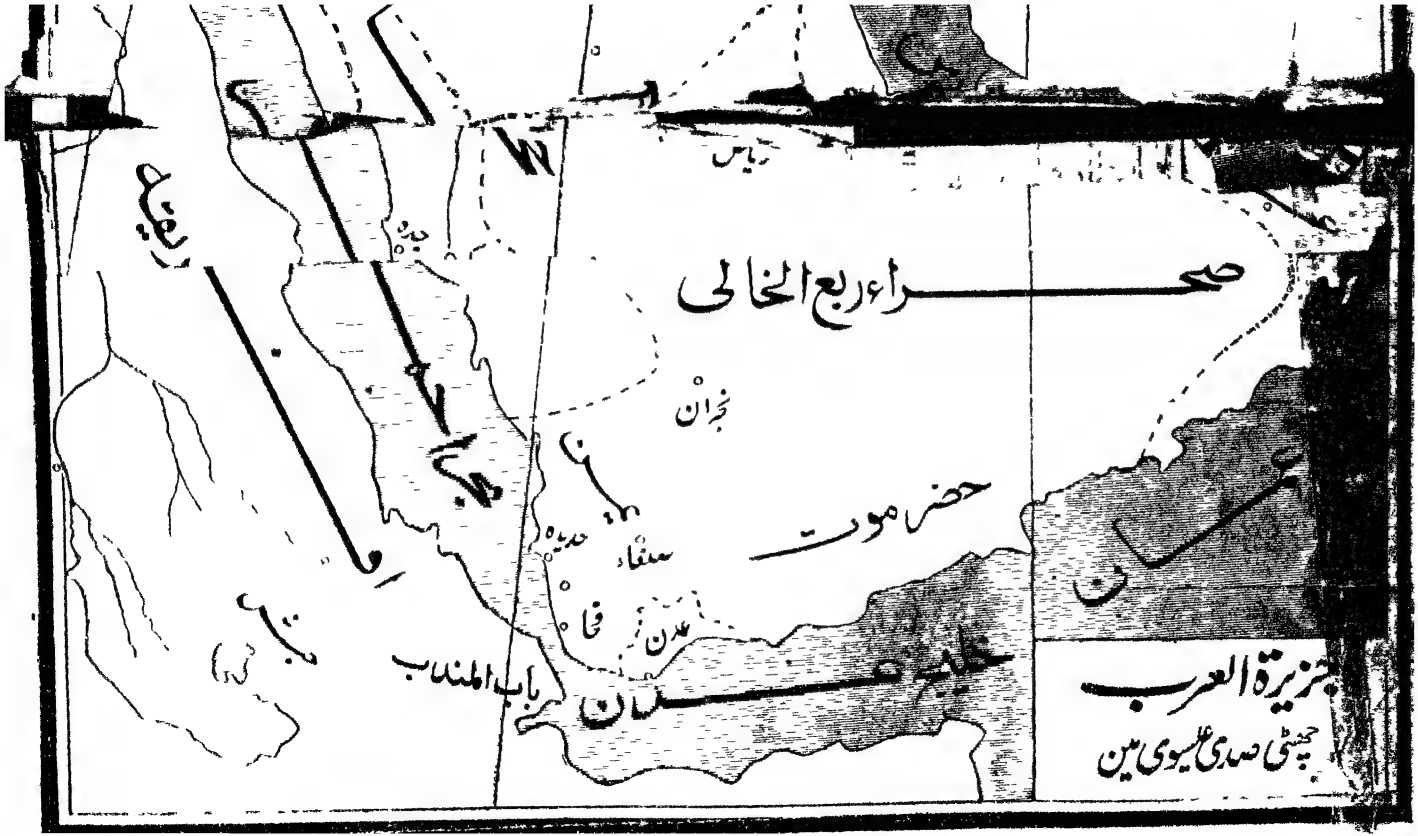
صحراء ربع الخالی
نجران
حضرموت
عمان
خلیج عدن
باب المندب
جدہ
ریاض
صنعاء
حدیدہ
عدن
جزیرۃ العرب
چھٹی صدی عیسوی مین

حتى المحـــاريب تبكى وهي جامدة حتى المعـــابر ترثي وهي عيدان !

احاطۂ بحر و نہر کا لفظ کہکر واضح کردیا کہ جانب شمال دجلہ تک پھیلا ہوا ہے - اور جنہوں نے مقامات کے نام لیکر حدود متعین کیے ' انہوں نے بھی صاف کہدیا کہ شمالی حد دجلہ ہے - نہایہ ' معجم البلدان ' اور فتح الباری میں اصمعی کا قول منقول ہے " من اقصی عدن الدن الی ریف العراق طولاً ' و من جدہ و ساحل البحر الی اطراف الشام عرضاً " کرمانی نے کہا " ھی ما بین عدن الی ریف العراق طولاً ' و من جدہ الی الشام عرضاً " یہی قاموس میں ہے - ایسا ہی ابن کلبی سے مروی ہے - رفاعہ بک طہطاوی نے قدیم و جدید کتب سے اخذ کرکے عربی میں " تعریفات النافعہ لمرید الجغرافیہ " لکھی - اسمیں بھی یہی حدود ہیں - پس صاحب معجم کی تفصیل اور تمام اقوال سے ثابت ہوگیا کہ عرب طول میں عدن سے لیکر عراق کی ترائی تک ' اور عرض میں ساحل بحر احمر سے خلیج فارس تک پھیلا ہوا ہے - اس کی حد شمال میں دہنی جانب دجلہ ہے ' اور اگر عرض کا خط کھینچیں تو بائیں جانب شام - آجکل کے جغرافیوں میں بھی عرب کے یہی حدود بتلائے جاتے ہیں - پچھم میں بحر احمر ' جنوب میں بحر ہند ' پورب میں خلیج فارس ' اور دکھن میں ملک شام -

اسی معجم البلدان میں عراق کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوے لکھا ہے : " ای انہا اسفل ارض العرب " (جلد ۶ : ۱۳۳) یعنی عراق اسلیے نام ہوا کہ زمین عرب کا سب سے زیادہ نچلا حصہ ہے - اس سے بھی ثابت ہوا کہ عراق عرب میں داخل ہے - البتہ عراق کا وہ حصہ جو دجلہ کے پار واقع ہے ' اس میں داخل نہ ہوگا -

ہم یہاں عرب کا ایک نقشہ تفسیر البیان کے مسودہ سے لیکر درج کرتے ہیں - اس نقشہ میں ظہور اسلام کے وقت جزیرۂ عرب کی حالت دکھلائی ہے - یہ نقشہ دراصل یورپ کے بعض مشہور مستشرقین (اورنٹیلسٹ) نے قدیم نقشوں اور تعریفات سے مدد لیکر طیار کیا تھا جسکو سنہ ۱۸۵۰ میں پروفیسر فرڈنینڈ ویسٹن فیلڈ (Ferdinand Wustenfeld) نے لیڈن یونیورسٹی سے شائع کیا - جزیرۂ عرب کے تمام قدیم نقشوں میں سب سے زیادہ صحیح اور مستند نقشہ یہی ہے - نقطوں کے خطوط سے تجارتی قافلوں کی وہ سڑکیں دکھلائی ہیں جو چھٹی صدی عیسوی میں عرب کے اندرونی مقامات سے سواحل تک جاتی تھیں -

فصل

(مسجد اقصیٰ و ارض مقدس)

مقامات مقدسۂ اسلامیہ کے سلسلہ میں بیت المقدس اور اسکی سرزمین کا مسئلہ بھی مسلمانوں کے لیے اس سے کم اہمیت نہیں رکھتا جس قدر حرم مکہ اور حرم مدینہ کا -

اسلام نے صرف تین مقامات کے لیے بہ نیت طاعت و ثواب سفر کرنے کی اجازت دی ہے - اُن میں جسطرح مکہ و مدینہ کا نام ہے ' اُسیطرح بیت المقدس کا بھی - بخاری و مسلم کی مشہور روایت میں ہے : " لا تشد الرحال الا الی ثلاثہ مساجد : المسجد الحرام ' و مسجدی ھذا ' و المسجد الاقصیٰ " یعنی بہ نیت زیارت و طاعت سفر کا قصد و اہتمام کرنا نہیں ہے مگر ان تین جگہوں کے لیے - مسجد حرام ' مسجد مدینہ ' اور مسجد اقصیٰ - اس سے معلوم ہوا کہ تمام دنیا میں مسلمانوں کے لیے شرعاً یہی تین مقام سب سے زیادہ مقدس و محترم ہیں ' اور انہی کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ انکی زیارت کیلیے نیت کرکے اپنے وطنوں سے نکلتے ہیں ' سفر کی تکلیفیں اور صعوبتیں برداشت کرتے ہیں ' اور یقین کرتے ہیں کہ اس کے معاوضہ میں اُنکے لیے بڑا ہی اجر ہے -

یہی وجہ ہے کہ جمہور آئمۂ اسلام نے اتفاق کیا کہ اگر مسجد اقصیٰ کی زیارت کی نذر مانی ہو ' تو اسکا ادا کرنا اسی طرح واجب ہوگا ' جس طرح زیارت مسجد نبوی اور حج و عمرہ کا ادا کرنا - حالانکہ ان تین جگہوں کے علاوہ اگر کسی دوسری زیارتگاہ کے سفر کیلیے نذر مانی ہو ' تو اسکا ادا کرنا باتفاق ائمہ واجب نہ ہوگا - اسی بات سے اندازہ کرلیا جاسکتا ہے کہ بیت المقدس کی سرزمین مسلمانوں کے مذہبی احکام و اعتقاد میں کیسا اہم درجہ رکھتی ہے ؟

یہی وہ مقدس سرزمین ہے جسکا اللہ نے یہودیوں سے وعدہ کیا تھا ' اور بالآخر وعدہ پورا ہوکر رہا - لیکن وہ اسکے اہل ثابت نہ ہوے ' اور دنیا کی حکومت و عزت کے ساتھ یہاں کی پادشاہت بھی اُن سے چھین لی گئی - پھر مسیحی دور شروع ہوا - اسکے بعد مسلمان وارث ہوے - قرآن حکیم نے

مسلمانوں کو خصوصیت کے ساتھہ اس وراثت کی بشارت دی تھی -

ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ' ان الارض یرثہا عبادی الصالحون -

ان فی ھذا لبلاغا لقوم عابدین - وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین (۲۱ : ۱۰۵)

حضرۃ ابن عباس وغیرہ سے مروی ہے کہ اس آیت میں " الارض " سے مقصود بیت المقدس اور فلسطین ہے - اسمیں خبر دی گئی تھی کہ اب رومانکی پادشاہت مسلمانوں کے حصے میں آئیگی - اسی لیے کہا : ان فی ھذا لبلاغا الخ -

یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں نے ہمیشہ اس سرزمین کی خدمت و وراثت کو اللہ کی طرف سے ایک مخصوص عطیہ و امانت سمجھا ' اور اسکی حفاظت کو حرمین کی طرح ساری دنیا کی حکومت و فرماں روائی سے بھی زیادہ عزیز و محبوب سمجھتے رہے - یہی اعتقاد دینی تھا جسنے مسیحی جہاد کی اُن اُتھہ لڑائیوں کو کامیاب ہونے نہ دیا جن میں تمام یورپ کی طاقت اکٹھی ہوگئی تھی ' حالانکہ وہ وقت مسلمانوں کی پولیٹکل طاقت کے عروج کا نہ تھا - تنزل و انحطاط کا تھا ' اور تمام عالم اسلامی مختلف حکومتوں میں متفرق ہوچکا تھا - اُسوقت سے لیکر آجتک وہاں کی حکومت خلیفۂ اسلام کے ماتحت رہی ہے ' اور ہمیشہ خود یورپ نے مسیحی دنیا کے امن و سکون کیلیے اسی بات کو بہتر سمجھا ہے - پس اگر آج پھر ازمنۂ مظلمہ (مڈل ایجز) کی تاریخ دھرائی جائیگی ' اور اسلام کی جگہ اُسے مسیحیت یا یہودیت کے زیر اثر لانے کی کوشش کی جائیگی ' تو مسلمانان عالم کیلیے ناممکن ہوگا کہ خاموش رہسکیں - اُنکا فرض ہوگا کہ جب گذشتہ کروسیڈ کا ایک حصہ دھرایا گیا ہے ' تو دوسرا حصہ بھی ظہور میں آجاے - وہ مسلمانوں کی دینی زیارت گاہ ہے - اُنکا مقدس اولین قبلہ ہے - اسکی مذہبی وابستگی اُنکے ایمان و مذہب کا جزء ہے - اگر وہاں یہودیوں کا اقتدار بڑھایا جاتا ہے ' یا کسی مسیحی حکومت کو نگرانی و بالا دستی کے نام سے قائم کیا جاتا ہے ' تو یہ صرف مسلمانوں کی آبادیوں ھی کو نہیں بلکہ انکی شریعت کو چیلنج دیتا ہے ' اور مسلمانوں کو مجبور کردیتا ہے کہ یا تو اسلام کی جانب سے اس چیلنج کو قبول کرلیں ' یا اسکی اطاعت و حمایت سے دست بردار ہو جائیں -

باب

(خاتمۂ سخن)

فصل

(نتائج بحث)

گذشتہ مباحث و تفصیلات کا خلاصہ حسب ذیل ہے :

(۱) اسلام کا قانون شرعی یہ ہے کہ ہر زمانے میں مسلمانوں کا ایک خلیفۂ و امام ہونا چاہیے - " خلیفہ " سے مقصود ایسا خود مختار مسلمان پادشاہ اور صاحب حکومت و مملکت ہے جو مسلمانوں اور اُنکی آبادیوں کی حفاظت اور شریعت کے اجراء و نفاذ کی پوری قدرت رکھتا ہو اور دشمنوں کے مقابلے کیلیے پوری طرح طاقتور ہو -

(۲) اُسکی اطاعت و اعانت ہر مسلمان پر فرض ہے - اور مثل اطاعت خدا و رسول کے ہے - تاوقتیکہ اُس سے کفر بواح (صریح) ظاہر نہو - جو مسلمان اُسکی اطاعت سے باہر ہوا ' وہ اسلامی جماعت سے باہر ہوگیا - جس مسلمان نے اُسکے مقابلہ میں لڑائی کی - یا لڑنے والوں کی مدد کی ' اُس نے اللہ اور اسکے رسول کے مقابلے میں تلوار کھینچی - وہ اسلام سے باہر ہوگیا ' اگرچہ نماز پڑھتا ہو ' روزہ رکھتا ہو ' اور اپنے تئیں مسلم سمجھتا ہو -

(۳) ایک خلیفہ کی حکومت اگر جم چکی ہے ' اور پھر کوئی مسلمان اُسکی اطاعت سے باہر ہوا اور اپنی حکومت کا دعوا کیا ' تو وہ باغی ہے - اسکو قتل کردینا چاہیے -

(۴) صدیوں سے اسلامی خلافت کا منصب سلاطین عثمانیہ کو حاصل ہے ' اور اسوقت از روے شرع تمام مسلمانان عالم کے خلیفہ و امام وہی ہیں - پس اُنکی اطاعت و اعانت تمام مسلمانوں پر فرض ہے - جو اُنکی اطاعت سے باہر ہوا ' اس نے اسلام کا حلقہ اپنی گردن سے نکالدیا ' اور

اسلام کی جگہ جاہلیۃ مول لی - جس نے انکے مقابلے میں لڑائی کی ' یا انکے دشمنوں کا ساتھ دیا ' اُس نے خدا اور اُسکے رسول سے لڑائی کی -

(۵) صرف خلیفۂ اسلام ہی کے لئے یہ حکم مخصوص نہیں ہے - جب کبھی مسلمانوں اور غیر مسلمانوں میں لڑائی ہو ' تو کسی مسلمان کیلیے شرعاً جائز نہیں کہ غیر مسلمان فوج کا ساتھی ہوکر مسلمانوں سے لڑے - یا انکی مدد کرے - اگر کریگا تو بحکم " من حمل علینا السلاح فلیس منا " اور نص قرآنی من یقتل مومناً متعمداً فجزاءہ جہنم خالداً فیہا وہ اسلامی جماعت سے خارج ہو جائیگا - اس کا ٹھکانا دوزخ ہے -

(۶) جب کسی اسلامی حکومت یا جماعت پر غیر مسلم حملہ کریں یا حملہ کا قصد کریں ' یا اُنکی آزادی و خود مختاری کو کسی دوسری طرح نقصان پہونچایا چاہیں ' تو ہر ملک کے مسلمانوں پر یکے بعد دیگرے اُنکی مدد کرنا ' اور حملہ کرنے والوں سے لڑنا ' فرض ہو جاتا ہے - علی الخصوص ایسی حالت میں جب کہ حملہ آور زیادہ طاقتور ہوں ' اور ان کے مقابلہ کی کافی طاقت اُن مسلمانوں اور وہاں کی اسلامی حکومت میں نہو - اس صورت میں جہاد کی فرضیۃ علی الکفایہ نہ ہوگی - مثل نماز روزہ کے فرض عین ہوگی -

(۷) اگر خلیفۂ اسلام کو دشمنوں کا ایسا طاقتور گروہ گھیر لے کہ ان کا مقابلہ کرنا اس کی طاقت سے باہر ہو ' اور بلا تمام مسلمانان عالم کی فوری مدد و نصرت کے اسلامی ممالک کی حفاظت نہ ہو سکے ' تو اُس صورت میں تمام دنیا کے مسلمانوں کا یہ یک وقت فرض ہوگا کہ جس طرح بھی ممکن ہو ' اس کی مدد کریں - اور اُس کے دشمنوں پر حملہ آور ہوں -

(۸) اسلام کا حکم شرعی ہے کہ جزیرۂ عرب کو غیر مسلم اثر سے محفوظ رکھا جائے - اُس میں عراق کا ایک حصہ اور بغداد بھی داخل ہے - پس اگر کوئی غیر مسلم حکومت اس پر قابض ہونا چاہے ' یا اُس کو خلیفۂ اسلام کی حکومت سے نکال کر اپنے زیر اثر لانا چاہے ' تو یہ صرف ایک اسلامی ملک کے نکل جانے ہی کا مسئلہ نہ ہوگا ' بلکہ اُس سے بھی بڑھکر ایک مخصوص سنگین حالت پیدا ہو جائیگی - یعنی اسلام کی مرکزی سرزمین پر کفر کا اثر چھا رہا ہے - پس اس حالت میں تمام مسلمانان عالم کا

وہیں فرض ہوگا کہ اس قلعہ کو وہاں سے ہٹانے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوں ' اور اپنی تمام قوتیں اس کام کے لیے وقف کردیں -

(۹) اسلام کے مقامات مقدسہ میں بیت المقدس اُسی طرح محترم ہے جس طرح حرمین شریفین - اس کے لیے لاکھوں مسلمان اپنی جانوں کی قربانیاں ' اور یورپ کے آٹھ صلیبی جہادوں کا مقابلہ کرچکے ہیں - پس تمام مسلمانوں کا فرض ہے کہ اس مقام کو دوبارہ غیر مسلموں کے قبضہ میں جانے نہ دیں - علی الخصوص مسیحی حکومتوں کے قبضۂ واقتدار میں - اور اگر ایسا ہو رہا ہے ' تو اُس کے خلاف دفاع کرنا صرف وہاں کی مسلمان آبادی ہی کا فرض نہوگا - بلکہ بہ یک وقت و بہ یک دفعہ تمام مسلمانان عالم کا -

(۱۰) اس صورت میں جو فرض شرعی مسلمانوں پر عائد ہوگا ' اس میں پہلی چیز " ترک " ہے - دوسری " اختیار " - " ترک " سے مقصود یہ ہے کہ تمام ایسے تعلقات ترک کردینا پڑینگے جن میں برٹش گورنمنٹ کی اعانت و موالات ہو - "اختیار" سے مقصود یہ ہے کہ وہ تمام وسائل اختیار کرنے پڑینگے ' جنکے ذریعہ فریضۂ دفاع انجام پاسکے -

وتلک عشرۃ کاملہ -

فصل

(خلیفۃ المسلمین اور گورنمنٹ برطانیہ)

جب کہ اسلام کے اٹل اور اپنے پیروؤں کے لیے دائمی احکام کا یہ حال ہے ' تو یکایک ۴ - اگست ۱۹۱۴ کو عالمگیر جنگ عالم کا شرارہ وسط یورپ میں چمکا ' اور دیکھتے ہی دیکھتے مغربی تمدن کا تمام آتشگیر مادۂ جنگ بھڑک اُٹھا : نار اللہ الموقدۃ التی تطلع علی الافئدۃ ! پھر تھوڑے ہی عرصہ کے بعد جنگ نے مسلمانان ہند کے لیے ایک ایسی نازک صورت اختیار کرلی ' جو برطانیہ کی حکومت ہند کی پوری تاریخ میں آج تک کبھی پیش نہیں آئی تھی - یعنی خلیفۃ المسلمین کی فوجیں بھی میدان جنگ میں مشغول پیکار نظر آئیں ' اور ترکی کے برخلاف برطانیہ نے اعلان جنگ کردیا -

اس اعلان جنگ کی اطلاع جب سرکاری طور پر ہندوستان میں مشتہر کی گئی ' تو ساتھہ ہی حسب ذیل امور کا بھی اعلان کیا گیا تھا :

(۱) ترکی حکومت کے ساتھہ ہماری جنگ دفاعی ہے - نہ کہ حملہ آورانہ - ہم نے دو ماہ تک ہر طرح کا محافظانہ اور جنگ جویانہ سلوک برداشت کیا ' اور پوری کوشش کی کہ کسی طرح یہ جنگ ٹل جائے ' لیکن ترکی گورنمنٹ نے برابر اپنے حملے جاری رکھے - اب مجبوراً ہم کو بھی اعلان جنگ کرنا پڑا ہے -

(۲) ہندوستان کے مسلمانوں کو پوری طرح بھروسہ رکھنا چاہئے کہ اس جنگ میں ہمارے یا ہمارے ساتھیوں کی جانب سے کوئی بات ایسی نہ ہوگی جو انکے مذہبی محسوسات کو صدمہ پہونچائے - اسلام کے تمام مقدس مقامات محفوظ رہینگے جن میں عراق بھی داخل ہے - انکے احترام کا پورا پورا لحاظ رکھا جائے گا - اسلام کے مقدس مقام خلافت کے خلاف کوئی کارروائی عمل میں نہ آئیگی - ہماری جنگ موجودہ ترکی وزارت سے ہے جو جرمنی کے زیر اثر کام کررہی ہے - خلیفۃ المسلمین سے اور اسلام سے نہیں ہے - گورنمنٹ برطانیہ نہ صرف اپنی جانب سے بلکہ اپنے تمام حلیفوں کی جانب سے ان باتوں کی ذمہ داری لیتی ہے -

یہ خلاصہ اُس سرکاری اعلان کا ہے جو پہلی نومبر سنہ ۱۹۱۴ کو اعلان جنگ کی اطلاع کے ساتھہ ہی گورنمنٹ آف انڈیا نے شائع کیا تھا ' اور پھر تمام صوبوں میں سرکاری طور پر اسکی اشاعت کی گئی تھی - حتی کہ ہر کمشنری ' ہر ضلع ' ہر صدر مقام ' ہر شہر کے مسلمانوں کو جمع کرکے مقامی حکام نے اسکی نقلیں بانٹی نہیں اور زبانی بھی پڑھکر سنایا تھا - برٹش انڈیا کا کوئی مسلمان گھر ایسا نہیں ملیگا جو اس اعلان سے بے خبر چھوڑ دیا گیا ہو - بعد کو " نیر ایسٹ " وغیرہ اخبارات سے معلوم ہوا کہ مصر و سوڈان میں بھی بجنسہ یہی اعلان شائع کیا گیا تھا -

اس اعلان کے بعد بھی ہمیشہ ذمہ دار حکام ہند و انگلستان کی زبان سے یہ دونوں باتیں بار بار ظاہر ہوتی رہیں - اگر کسی اظہار و بیان کی مضبوطی میں اعلان کی تکرار و اشاعت کی کثرت و وسعت کو دخل ہے ' تو بلا خوف رد کہا جاسکتا ہے کہ جسقدر کثرت و تکرار کے ساتھہ یہ اعلان شائع کیا گیا ' شاید ہی کوئی انسانی وعدہ اسقدر دہرایا گیا ہو -

یہ کہنا ضروری نہیں کہ اسوقت میدان جنگ کا کیا حال تھا ؟ برٹش گورنمنٹ کو اپنی زندگی کیلئے لاکھوں سپاہیوں اور توپوں کی جسقدر ضرورت تھی ' اس سے کہیں زیادہ اس اعلان اور اسکی کامیابی کی ضرورت تھی - اگر اسوقت ہندوستان کے مسلمانوں میں ذرا بھی بے چینی پیدا ہوجاتی ' تو نہیں معلوم جنگ کی تاریخ کیسا پلٹا کھاتی ' اور آج نتائج کا کیا حال ہوتا ؟

اس اعلان کا نتیجہ وہی نکلا جو مطلوب تھا - یعنی مسلمانان ہند پر صورت حال مشتبہ ہوگئی - نادان و جاہل جو علماء اس خیال میں پڑگئے کہ جب ترکوں نے انگلستان و دول متحدہ پر حملہ کیا ہے ' تو شرعاً صورت دفاع کی نہیں ہے بلکہ حملۂ و ہجوم کی ہے ' اور اسلئے اسکی شرکت فرض کفایہ کا حکم رکھتی ہے - یہ کہ فرض عین کا - پس شرعاً ضروری نہیں کہ مسلمانان ہند بھی اسمیں حصہ لیں - عام مسلمانوں پر یہ اثر پڑا کہ برٹش گورنمنٹ صرف اپنا بچاؤ کررہی ہے - اسکا مقصود اسلامی ممالک پر قبضۂ و تصرف کرنا یا خلیفۂ اسلام کی حکومت کو نقصان پہنچانا نہیں ہے - نیز اسلام کے مقدس مقامات یعنی جزیرۂ عرب اور بیت المقدس وغیرہ ہر حال میں محفوظ رہینگے - ان تمام باتوں کا نہ صرف انگلستان کی جانب سے وعدہ کیا جاتا ہے ' بلکہ تمام حلیف حکومتوں کی جانب سے بھی -

نہایت افسوس اور روسیاہی کے ساتھہ اقرار کرنا پڑتا ہے کہ مسلمانوں کا نہ یہ مذہبی فیصلہ صحیح تھا - نہ وعدوں اور اعلان پر اعتماد - انہوں نے اپنی سیزدہ صد سالہ تاریخ حیات میں شاید ہی کوئی ایسی قومی و مذہبی غلطی کی ہوگی ' جیسی اس موقعہ پر کی ' اور جسکے نتائج کی پہلی قسط آج آنکے سامنے ہے - " وما تخفی فی صدورہم اکبر "

فما کان اللہ لیظلمہم ولکن کانوا انفسہم یظلمون !

تھوڑی دیر کیلیے اس سے قطع نظر کرلو کہ احکام شرع کی بنا پر یہ رائے کہانتک صحیح تھی ؟ صرف اس پہلو سے دیکھو کہ جن وعدوں پر بھروسہ کیا گیا ' انکا حال کیا تھا ؟

پرانے وقتوں کی طرح موجودہ زمانے کی سوسائٹی بھی اشخاص کے لیے ضروری سمجھتی ہے کہ ایفائے عہد میں اپنے تئیں

شریف ثابت کریں ' لیکن بیسویں صدی کی تہذیب میں حکومتوں کیلئے شریف ہونا جیسا ضروری بات نہیں ہے ' اور اگر طاقت موجود ہے تو پھر اخلاقی صداقت کے مطالبہ کا وہم و گمان بھی نہیں کرنا چاہیے - جب وعدوں کا ایفا اور عہد و پیمان کی پابندی کمزور حکومتوں کے ساتھ ضروری نہیں سمجھی جاتی ' تو پھر محکوم رہے سرو سامان رعایا کے ساتھ کیوں ضروری سمجھی جائے ' جو اپنی وفاداری میں کتے کی طرح قابل تعریف مگر بے زبانی میں اُسی کی طرح بے بس بھی ہے ؟

انگلستان کی حکومت نے نپولین کے عہد سے ابتک آجتک اپنے وعدوں کو جس طرح پورا کیا ہے ' اسکی عبرت انگیز سرگذشت صفحات تاریخ پر ثبت ہے -

برطانی وعدوں کے اعتماد اور اُنکے ایفاء کی اخلاقی پیمائش کا یہ پہلا ہی موقعہ نہیں ہے - ۱۵ - جولائی سنہ ۱۸۱۵ع کو جب نپولین نے بلرافان نامی انگریزی جہاز پر قدم رکھا تھا تو اُس نے بھی انگلستان کے وعدوں پر اعتماد ہی کیا تھا - کچھ بے اعتمادی نہ کی تھی - لیکن خود اُسی کے لفظوں میں " انگلستان نے ہاتھ بڑھا کر اپنا مہمان بنانے کیلیے بلایا ' اور جب وہ آ گیا تو اسکا خاتمہ کر دیا "

سینٹ ہلینا کی سنگلاخ چٹانیں آجتک سمندر کے طوفانوں کے اندر انگریزی مواعید کی اخلاقی قدر و قیمت کا اعلان کر رہی ہیں !

۴ - اگست سنہ ۱۸۱۵ کو جنگ واٹرلو کے بعد جب شہر پیرس متحدہ افواج کے حوالے کیا گیا ' اور اس عہد نامہ کو فرانسیسیوں نے عہد نامہ سمجھا جس پر انگلستان کے نامور ہیرو ڈیوک آف ویلنگٹن کے دستخط تھے ' تو یقیناً انھوں نے بھی انگلستان پر اعتماد ہی کیا تھا - لیکن قصہ کے بعد جو نتیجہ نکلا ' اس پر تاریخ کا اٹل فیصلہ صادر ہو چکا ہے ' اور خود انگریز مورخوں کی زبانی اُسکا افسانۂ خونیں سن لیا جا سکتا ہے -

خود ہندوستان کے گذشتہ سو سالوں کی تاریخ ہی اسکے لیے کافی ہے - دوسرے ملکوں کی سرگذشتوں کی طرف نظر اُٹھانے کی ضرورت کیا ہے ؟

شمشاد خانہ پرور ما از کے کمتر ست ؟

تاہم بدقسمت مسلمانوں نے بھروسہ کیا اور جنگ کے نتائج کی طرف سے مطمئن ہوگئے - اُنکا روپیہ ' اُنکی جانیں ' اُنکے ملک کی تمام قوتیں ' بے دریغ خرچ کی گئیں - دنیا کی آخری اسلامی حکومت و خلافت کے مٹانے میں اُنکی ہر چیز نے پورا پورا کام دیا - یہانتک کہ برٹش گورنمنٹ اپنی تاریخ حیات کے سب سے بڑے مہلک وقت سے بچ گئی ' اور وہ فتح مندی مکمل ہوگئی جسکا پہلا نتیجہ اسلامی خلافت کی بربادی و تباہی ہے -

اثناء جنگ ہی میں اس اعتماد کے تمام نتائج ظاہر ہوگئے تھے - بغداد پر انگریزی فوج قابض ہوگئی تھی جو جزیرۂ عرب کی مقدس سرزمین میں داخل ہے - عدن حدود حرم مکہ کے اندر سازشیں کرکے بغاوت کرائی گئی اور اسکی وجہ سے جسقدر توہین اس مقدس مقام کی ہوئی تھی وہ ہوکر رہی - پھر بھی مسلمانان ہند اپنے اعتماد سے دست بردار نہ ہوئے اور اس انتظار میں رہے کہ یہ جنگ کی عارضی حالتیں ہیں - صلح کے بعد ہی برطانی اعلان و مواعید کی مقدس صداقت تمام عالم پر آشکارا ہو جائیگی -

فصل

(موجودہ و آیندہ حالت اور احکام شرعیہ)

بحث کے اس ٹکڑہ کو ہم دانستہ حذف کردیتے ہیں کہ جنگ کے بعد ان وعدوں اور اعلانات کا کیا نتیجہ نکلا ؟ نہ ہم اُن پیہم اعلانات کا یہاں ذکر کرینگے جنکا سلسلہ برابر اثناے جنگ میں بھی جاری رہا - مثلاً وزیر اعظم کی تقریر ۵ - جنوری سنہ ۱۹۱۸ - کیونکہ یہ تمام باتیں دنیا کے سامنے ہیں - اور سورج کی روشنی جن چیزوں کو دکھلادے ' انکے لیے بحث و نظر کی روشنی سے مدد لینے کی ضرورت باقی نہیں رہتی -

ہمکو یہاں صرف ایک بات کا فیصلہ کرنا ہے - اسکے علاوہ نہ اب کوئی بات ہمارے لیے سونچنے سمجھنے کی باقی رہی ہے - نہ گورنمنٹ کیلیے - وہ صرف موجودہ و آیندہ حالت کا سوال ہے -

احکام شرعیہ اوپر گذر چکے ہیں - پس اگر موجودہ حالت میں تبدیلی نہ ہوئی اور صلح کے نام سے اسلامی خلافت کے خلاف وہی حملہ آور انہ جنگ عمل میں لائی گئی جسکا اظہار ہو رہا ہے ' تو نتائج حسب ذیل ہونگے '

(۱) جس وقت خلیفۃ المسلمین نے جنگ میں شرکت کی ہے تو برٹش گورنمنٹ نے اعلان کیا تھا کہ حملہ انکی جانب سے ہے - انگلستان و حلفاء کی جانب سے نہیں ہے - لیکن اب موجودہ حالت بالکل اسکے برعکس ہے - یعنی خلیفۃ المسلمین کسی غیر مسلم ملک و حکومت پر حملہ آور نہیں ہیں بلکہ غیر مسلم حکومتیں مسلمان آبادیوں اور خلیفۂ اسلام کی حکومت پر قابض ہو رہی ہیں ' اور خلیفۃ المسلمین پر حملہ آور ہیں - پس اگر اس جانب میں تبدیلی نہ ہوئی اور عارضی صلح کے بعد بھی یہی حال رہا ' تو مسلمانوں کیلیے قطعاً صورت دفاع اور نفیر عام کی پیدا ہو جائیگی جب جہاد ہر مسلمان پر فرض عین ہو جاتا ہے - حملۂ و ہجوم کی صورت نہ ہوگی کہ فرض علی الکفایہ ہو - لہذا ہندوستان کے ہر مسلمان کا یہ شرعی فرض ہوگا کہ خلیفۃ المسلمین ' اور اُن تمام اسلامی آبادیوں کی اعانت کیلیے اُٹھہ کھڑا ہو ' جہاں سے اسلامی حکومت مٹائی جا رہی ہے -

(۲) یہ حقیقت پہلے سے آشکارا تھی ' مگر چار سال کی جنگ اور اسکے نتائج نے آخری درجۂ تعین تک ظاہر کردی کہ نہ تو خلیفۃ المسلمین کی موجودہ طاقت غیر مسلم حریفوں کے مقابلے کیلیے کافی ہے - نہ موجودہ اسلامی ممالک کے مسلمانوں کی - یعنی وہ شکست کھا چکے ہیں اور بعض مقامات کے مسلمانوں کی درماندگی و تباہی غایت درجۂ ہلاکت تک پہنچ چکی ہے - جیسے ولایت سمرنا وغیرہ کے مسلمان - پس اس بنا پر بھی مسلمانان ہند کا فرض شرعی ہوگا کہ انکی مدد کیلیے اُٹھہ کھڑے ہوں - کیونکہ اگر ایک مقام کے مسلمان دشمن کے مقابلے کی طاقت نہیں رکھتے تو دیگر ممالک کے مسلمانوں پر دفاع میں شریک ہونا فرض ہوجاتا ہے -

(۳) جن بلاد اسلامیہ پر غیر مسلم دخل و تصرف کرنا چاہتے ہیں ' یا کرچکے ہیں - مثلاً ایڈریا نوپل ' تھریس ' ایشیائے کوچک ' سمرنا ' عراق ' فلسطین ' انکے قرب و جوار میں مسلمانوں کی کوئی ایسی جماعت موجود نہیں جو دشمنوں کے دفاع میں مددگار ہوسکے ' اور اسکی اعانت کی وجہ سے مسلمانان ہند بری الذمہ ہو جائیں - پس اس بنا پر بھی ساری شرعی

ذمہ داري مسلمانان هند هی کے ذمے عائد هوتي هے ' جنکی تعداد دنیا کی تمام اسلامي آبادیوں سے زیادہ ' اور جو بہت سی باتوں میں دوسرے ملکوں کے مسلمانوں سے بہتر حالت رکھتے هیں -

(۴) عراق کا تمام خطہ دریاے دجلہ تک جزیرۂ عرب میں داخل هے - بس اگر انگریزي قبضہ وهاں قائم رها ' یا کسی طرح کا بھی انگریزي اقتدار حکم برداري اور نگرانی کے نام سے حاصل کیا گیا ' تو یہ صریح جزیرۂ عرب پر غیر مسلم اقتدار هوگا ' اور اور روے شرع مسلمانان هند کا فرض هوگا کہ اس اقتدار کے دور کرنے کیلیے حریف کا مقابلہ کریں -

(۵) بیت المقدس اسلام کے مقامات مقدسہ میں داخل هے - اگر اسپر غیر مسلم اقتدار قائم رکھا جائیگا ' تو تمام دنیا کے مسلمانوں کی طرح هندوستاني مسلمانوں کا بھی فرض هوگا کہ دفاع کیلیے مستعد هوجائیں -

(۶) غرضکہ هندوستان کے مسلمانوں پر ایک وفادار برٹش شہري کی زندگی بسر کرنا شرعاً ناجائز هوجائیگا - اور یہ فرائض کی سب سے بڑي کشمکش هوگی جسمیں کوئی انسانی جماعت مبتلا هو سکتی هے - یعنی بمجرد ان حالات کے برٹش گورنمنٹ کی حیثیت اور روے شرع یہ هوجائیگی کہ وہ " اسلام اور مسلمانوں کی حملہ آور دشمن هے ' اور اسلیے اس سلوک کی مستحق هے جو اور روے شرع مسلمانوں کو حملہ آور حریف کے ساتھہ کرنا چاهیے " جب ایسا هوا ' تو مسلمان مجبور هونگے کہ دو راهوں میں سے کسی ایک کو اختیار کریں - یا برٹش گورنمنٹ کا ساتھہ دیں ' یا اسلام کا - یہ ناممکن هوگا کہ دونوں تعلق ایک وقت میں جمع کیے جاسکیں -

کیا چھہ کروڑ سے زائد انسانوں کو اس کشمکش میں مبتلا کردینا کوئي عاقبت اندیشانہ فعل هوسکتا هے ؟ فرصت کی آخري گھڑیاں گزر رهي هیں - اگر عارضي فتح مندي کا گھمنڈ مہلت دے ' تو گورنمنٹ اس سوال پر غور کرلے -

- اگر انگلستان کے وزرا (نیرلین کے لفظوں میں) وعدہ اسلیے نہیں کیا کرتے کہ وفا کیا جاے ' تو کم از کم اس ایک وعدہ کو تو اس اخلاقی کلیہ سے مستثنی کردینا چاهیے جسکو هندوستان میں برٹش گورنمنٹ کا بنیادي اصول سمجھا جاتا هے - یعني کامل مذهبي آزادي کا وعدہ - اسی وعدہ کا

نتیجہ ہے کہ ہندوستان میں ہر قوم کی طرح مسلمان بھی زور شور سے اپنے مذہبی فرائض انجام دے رہے ہیں - انکی مسجدیں قائم ہیں - پانچ وقت اذان کی صدائیں بلند ہوتی ہیں - کوئی حاکم مسلمانوں سے یہ نہیں کہتا کہ نماز نہ پڑھو -

لیکن اگر برٹش گورنمنٹ بلاد اسلامیہ کے خلاف اپنے موجودہ طرز عمل پر قائم رہی ' اسکے جہاز اسلامی حکومت کے ٹکڑے ٹکڑے کردینے کیلیے سمندروں میں دوڑتے رہے ' اسکی فوجیں عراق کی سرزمین پر قابض رہیں جو مقدس جزیرۂ عرب میں داخل ہے ' اور ساتھ ہی وہ اس کی بھی متوقع رہی کہ ہندوستان کے اندر تحت مسلمان اسکے وفادار بنے رہیں ' تو اسکے معنی یہ ہونگے کہ وہ مسلمانوں کو انکے مذہب کے چھوٹے چھوٹے حکموں میں تو آزادی دینے کیلیے طیار ہے ' لیکن جو احکام اسلام کے بنیادی عقائد ہیں اور اُن بڑے حکموں میں داخل ہیں جن کے ترک کردینے سے مسلمان مسلمان نہیں رہتا ' اُنکے لیے چاہتی ہے کہ حق و آزادی کا نام بھی زبان پر نہ لائیں ' اور برطانیہ کی وفاداری کی خاطر اپنے اسلام سے باغی ہو جائیں '

وہ مسلمانوں کو آزادی دیتی ہے کہ نماز پڑھیں جو مذہبی احکام میں شاخ کا حکم رکھتی ہے ' لیکن ساتھ ہی اسلامی خلافت و امامت پر حملہ آور بھی ہے جو شاخ نہیں بلکہ بنیاد اور جڑ کے حکم میں داخل ہے ؟

وہ نماز پڑھنے میں مداخلت نہیں کریگی جس کے نہ پڑھنے سے مسلمان گناہگار ہو جاتا ہے ' لیکن خلیفۃ المسلمین کو اُنکی حکومت و مملکت سے محروم کردیگی جنکی مدد نہ کرنے سے مسلمان گناہگار ہی نہیں بلکہ اسلامی جماعت سے باہر ہو جاتا ہے ؟

وہ مسلمانوں کو حج کے سفر سے نہیں روکتی کیونکہ انکا مذہبی عمل ہے - لیکن وہ خلیفۃ المسلمین کو اپنی فوجی طاقت سے محصور کرکے مجبور کریگی کہ اسلامی مملکتوں کو غیر مسلموں کے حوالہ کردیں - اسوقت مسلمان دفاع کیلیے اُٹھینگے تو کہیگی کہ یہ بغاوت ہے - پھر کیا دفاع مسلمانوں کا مذہبی عمل نہ ہوگا ؟ اور کیسا مذہبی عمل ؟ ایسا عمل کہ شرعا ہزاروں حج سے بڑھکر - حج اس کے لیے چھوڑ دیا جا سکتا ہے ' لیکن حج کی خاطر وہ نہیں چھوڑا جا سکتا -

مسلمان هندوستان کی مسجدوں اور اُنکے اندر کي نمازوں کو لیکر کیا کرینگے جنکي اجازت دیدینے پر برٹش گورنمنٹ کي آزادي کو ناز هے ' جبکه شریعت کے وہ احکام اُن کے سامنے آجائینگے جنکي تعمیل هزار نمازوں سے بھی بڑھکر اور هزار روزوں سے بھي اشد و اهم هے ' اور جنکی نا فرمانی کے بعد نه تو اُنکی نمازیں هی اُن کے لیے سود مند رهینگي - نه اُن کے روزے هی اُن کو نجات دلا سکینگے ؟

باب

ترک و اختیار

فصل

(ترک موالات)

اس صورت میں مسلمانوں پر ترک و اختیار، دونوں طرح کے احکام شرعاً عائد ہونگے -

" ترک " سے مقصود یہ ہے کہ بہت سی باتیں جو اس وقت کر رہے ہیں، ترک کردینی پڑینگی -

" اختیار " سے مقصود یہ ہے کہ بہت سی باتیں جو اس وقت نہیں کر رہے، کرنی پڑینگی -

اس سلسلہ میں سب سے پہلی چیز وہ ہے جس کو شریعت نے " ترک موالات " سے تعبیر کیا ہے - یعنی جو غیر مسلم مسلمانوں کے حریف و دشمن اور حملہ آور فریق کا حکم رکھتے ہوں، اُن سے تمام ایسے تعلقات ترک کردینا جو محبت، خدمت، اور اعانت پر مبنی ہوں - اگر کوئی مسلمان ایسا تعلق رکھے گا، تو اُس کا شمار بھی شریعت کے نزدیک اُنہی غیر مسلموں میں ہوگا - مسلمانوں میں نہ ہوگا -

قرآن حکیم نے اس بارے میں ایک اصولی تقسیم کردی ہے - تمام غیر مسلم اقوام و افراد کو دو قسموں میں بانٹ دیا ہے - ایک قسم اُن غیر مسلموں کی ہے جو نہ تو مسلمانوں سے لڑتے ہیں - نہ انپر حملہ آور ہیں، نہ اُن کی آبادیوں پر قابض ہونا چاہتے ہیں - دوسری قسم اُن غیر مسلموں کی ہے جو یہ ساری باتیں کر رہے ہیں - یعنی لڑتے ہیں، حملہ آور ہیں، اسلامی ممالک پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں - یا کرچکے ہیں -

اسلام کا حکم یہ ہے کہ پہلی قسم کے غیر مسلموں کے ساتھ مسلمانوں کو نیکی و محبت اور ہر طرح کے احسان و خیر خواہی کا سلوک کرنا چاہیے - اسلام اس سے ہرگز مانع نہیں - عالمگیر محبت اس کی دعوۃ حق کا اصل الاصول ہے - البتہ دوسری قسم کے غیر مسلموں کے ساتھ وہ اجازت نہیں دیتا کہ اس طرح کا کوئی علاقہ بھی مسلمان رکھیں - اگر رکھینگے تو اُن کا شمار بھی اللہ اور اس کی شریعت کے دشمنوں میں ہوگا - ایک مسلمان کے سارے گناہوں سے شریعت درگزر کر لے سکتی ہے ' لیکن اگر دوسری قسم کے غیر مسلموں سے محبت کرتا ہے ' یا کسی طرح کا واسطہ رکھتا ہے ' تو یہ گناہ نہیں ہے بلکہ نفاق ہے - اور منافق مومن نہیں ہے -

قرآن نے یہ تقسیم سورۂ ممتحنہ میں کردی ہے : لا ینہا کم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین و لم یخرجوکم من دیارکم ' ان تبروھم و تقسطوا الیہم ' ان اللہ یحب المقسطین - انما ینہا کم اللہ عن الذین قاتلوکم فی الدین و اخرجوکم من دیارکم و ظاہروا علی اخراجکم ' ان تولوھم ' و من یتولہم فاولئک ھم ' الظلمون - [۶۰ : ۱۰]

اور اسی سورۃ کے اوائل میں فرمایا : یا ایہا الذین آمنوا ! لا تتخذوا عدوی و عدوکم اولیاء ' تلقون الیہم بالمودۃ و قد کفروا بما جاءکم من الحق ؟ الخ مسلمانو ! جو غیر مسلم تمہارے اور تمہارے خدا کے دشمن ہیں ' اُنکو اپنا دوست نہ بناؤ - اور سورۂ مائدہ میں ہے : لا تتخذوا الیہود و النصاری اولیاء ' بعضہم اولیاء بعض - و من یتولہم منکم فانہ منہم (۵ : ۵۴) اُن یہود و نصاریٰ کو جو مسلمانوں کی دشمنی اور نقصان رسانی میں سرگرم ہوں ' اپنا دوست نہ بناؤ - اور جو مسلمان بنائیگا ' خدا کے حضور اسکا شمار بھی اُنہی میں ہوگا - اس سے بھی زیادہ واضح فرمایا : لا یتخذ المومنون الکافرین اولیاء من دون المومنین (۳ : ۲۸) اور لاتتخذوا الکافرین اولیاء من دون المومنین (۴ : ۱۴۴) یعنی جبکہ غیر مسلموں اور مسلمانوں میں باہم جنگ ہو ' تو مسلمانوں کو نہیں چاہیے کہ اپنے بھائیوں کو چھوڑ کر اُن کے دشمنوں کو اپنا دوست بنائیں - " من دون المومنین " جہاں جہاں آیا ہے ' اس نے واضح کردیا ہے کہ مقصود ہر قسم کے غیر مسلموں سے ترک موالات نہیں ہے '

بلکہ ایک خاص قسم کے محارب غیر مسلموں سے اور ایک خاص حالت جنگ میں - اسی طرح سورۂ عمران میں ہے لا تتخذوا بطانۃ من دونکم لا یالونکم خبالا - ودوا ما عنتم ' قد بدت البغضاء من افواھھم ' و ما تخفی صدورھم اکبر - (۳ : ۱۱۸)

یہاں صمداً یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ ہندوستان کے ہندوؤں کے ساتھ مسلمانوں کو شرعاً کیسا تعلق رکھنا چاہیے ؟ سو معلوم ہوگیا کہ قرآن کی اس تقسیم کی بموجب وہ دوسری قسم میں داخل ہیں - پس ان کے ساتھ نیز احسان اور نیکی و ہمدردی کرنے سے شریعت ہرگز ہرگز نہیں روکتی - آجتک انہوں نے نہ کبھی اسلامی ممالک پر حملہ کیا ' نہ مسلمانوں سے قتال فی الدین کیا ' نہ کسی اسلامی ملک سے مسلمانوں کے اخراج کا باعث ہوئے -

فصل

(واقعۂ حاطب بن ابی بلتعہ)

سورۂ ممتحنہ کے شان نزول کا واقعہ اس بارے میں مسلمانوں کیلیے بڑا ہی عبرت انگیز ہے -

بخاری و مسلم میں حضرت علی سے مروی ہے کہ حاطب بن ابی بلتعہ مہاجرین صحابہ اور شرکاء بدر میں سے تھے - آنحضرت صلعم نے مکہ پر چڑھائی کا قصد کیا تو انہوں نے اپنے اہل و عیال کی حفاظت کے خیال سے ایک خط لکھکر مکہ میں اطلاع دیدینی چاہی - وحی الہی سے آنحضرت اسپر مطلع ہوگئے اور راستے ہی میں سے خط پکڑوا منگوایا - جب حاطب سے پوچھا گیا تو انہوں نے معذرت کی " ما فعلت ھذا کفرا و لا ارتدادا " میں نے کفر و ارتداد اور اسلام کی مخالفت کے خیال سے ایسا نہیں کیا - صرف اپنے اہل و عیال کی حفاظت کے خیال سے خط بھیجدیا تھا - میری نیت بری نہ تھی - حضرۃ عمر نے چاہا کہ انہیں قتل کردیں اور کہا " انہ منافق - قد خان اللہ و رسولہ " یہ منافق ہے - اس نے اللہ اور اسکے رسول کے ساتھ خیانت کی !

اسپر سورۂ ممتحنہ کا نزول ہوا ۔

یا ایہا الذین آمنوا لاتتخذوا عدوی و عدوکم اولیاء تلقون الیہم بالمودۃ و قد کفروا بما جاء کم من الحق ۔

مسلمانو! خدا کے اور خود اپنے دشمنوں کو ایسا دوست نہ بناؤ کہ محبت و الفت کے ایسے تعلقات رکھو ۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اسلام سے انکار کرچکے ہیں ' اور اللہ اور اسکے دین برحق کے دشمن ہیں ۔

اس واقعہ میں ہمارے لیے بڑی ہی عبرت ہے ۔ حاطب بن ابی بلتعہ مہاجرین و بدریین میں سے تھے ۔ انھوں نے صرف اپنے اہل و عیال کی حفاظت کے خیال سے خط لکھا تھا ۔ دشمنان اسلام کی مدد کرنا مقصود نہ تھا ۔ اسپر بھی اللہ کی جانب سے یہ عتاب نازل ہوا ' اور حضرۃ عمر قتل کردینے کیلئے آمادہ تھے کہ یہ منافق ہے ۔ غور کرنا چاہیے کہ جب باوجود علاقۂ قرابت ' محالف و محارب فریق کے ساتھ ایسا تعلق بھی گوارا نہیں کیا گیا ' تو پھر اُن مسلمانوں کا شرعاً کیا حکم ہونا چاہیے جو برٹش گورنمنٹ کے محارب فریق ہونے پر بھی ' ہر طرح کی محبت و موالات اور اعانت و مشارکت کے تعلقات اُسکے ساتھ رکھتے ہیں ۔ اور جنکا اب تک یہ حال ہے کہ اُسکے درباروں کے دبے ہوے بے سود خطابوں کو بھی ترک کر دینا اُنکے نفس حق فراموش پر گراں گزر رہا ہے ؟

علی الخصوص اُن مدعیان علم و تقدس کا حال قابل تماشا ہے جنکو اُنکی بارگاہوں سے " شمس العلماء " کے خطابات ملے ہیں ۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے تئیں اسلام کی دینی ریاست کا اولین حقدار اور مسلمانوں کی مذہبی پیشوائی کا سب سے زیادہ مستحق ظاہر کرتے ہیں ۔ یا سبحان اللہ ! مسلمانوں پر اُنکی قومی بدبختی کا اس سے بڑھکر اور کونسا وقت آسکتا ہے ؟ جن لوگوں کو اسلام اور اسکی کتاب قطعاً منافق قرار دے رہی ہو ' اور جو اللہ کے نزدیک اسکے بھی حقدار نہوں کہ مسلمانوں کی صف میں جگہ پائیں ' اُنکو مسلمانوں کی ریاست و پیشوائی کا دعویٰ ہو ' وہ مسلمانوں کی بڑی بڑی درسگاہوں کے مالک ہوں جہاں صبح شام قال اللہ اور قال الرسول کا چرچا رہتا ہو ' اور پھر اس سے بھی عجیب تر یہ کہ بہت سے مسلمان ہوں جو انکی پیشوائی کو جان و دل سے مان رہے ہوں ' اور اُنکے آگے عقیدت و ارادت کا سر جھکا کر اللہ اور اُسکے رسول سے گردن موڑ رہے ہوں !

مدار روزگار سفلہ پرور را تماشا کن !

الذین یتخذون الکافرین اولیاء من دون المؤمنین ' ایبتغون عندھم العزۃ فان العزۃ للہ جمیعا (۴ : ۱۳۸)

جو مسلمان ' مسلمانوں کو چھوڑ کر انکے مخالف غیر مسلموں کو اپنا دوست بنا رہے ہیں ' کیا وہ چاہتے ہیں کہ انکی بارگاہوں سے عزت حاصل کریں ؟ اگر عزت ہی کی طلب ہے تو یہ دیکھیں کہ اصلی عزت تو اللہ کیلیے ہے اور تمام مسلمان کو منسلکی ہے تو اسی کی چوکھٹ سے -

سورۂ نساء میں یہ تمام خصلتیں منافقوں کی قرار دی ہیں ' جن میں آج ہمارے بڑے بڑے مدعیان علم و مشیخت مبتلا ہیں - اُن کا حال یہ ہوتا ہے کہ ایک ہی وقت میں اسلام و کفر ' دونوں سے ساز باز رکھنا چاہتے ہیں - یعنی وہ چاہتے ہیں کہ مسلمان بھی رہیں ' اور اسلام کے مخالفوں سے بھی رسم و راہ جاری رہے - مذبذبین بین ذالک - لا الی ھا اولاء ' ولا الی ھا اولاء (۴ : ۱۴۳) تو ایسے لوگوں کی نسبت فرمایا : یا ایھا الذین آمنوا لا تتخذوا الکافرین اولیاء من دون المومنین - اتریدون ان تجعلوا للہ علیکم سلطانا مبینا ؟ ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار (۴ : ۱۴۳)

اسلام تو ایک مسلمان کے لیے یہ بات بھی جائز نہیں رکھتا کہ اگر اس کے ماں باپ ' بھائی بہن ' مسلمانوں سے لڑ رہے ہوں ' تو اُن سے بھی کسی طرح کا واسطہ رکھے : لا تتخذوا آباءکم و اخوانکم اولیاء ان استحبوا الکفر علی الایمان ' و من یتولھم منکم فاولئک ھم الظالمون (۹ : ۲۳) اور جو مسلمان ایسے وقتوں میں محارب غیر مسلموں سے محبت و اعانت کا تعلق رکھیں ' خواہ وہ اُنکے ماں باپ ہی کیوں نہوں ' اُن کے مومن ہونے کی صاف صاف نفی کر رہا ہے : لا تجد قوما یومنون باللہ و الیوم الاخر ' یوادون من حاد اللہ و رسولہ و لو کانوا آباءھم (۵۸ : ۲۲) مہاجرین صحابہ نے اس حکم کی تصویر بنکر دنیا کو دکھلا دیا کہ ایمان کے معنی کیا ہیں ؟

پس اب فیصلہ کرلو کہ اُن لوگوں کا حکم کیا ہونا چاہیے جو ایسے وقتوں میں بھی محارب غیر مسلموں کے دئے ہوئے خطابوں سے پیار کرینگے ' اُن کے دئے ہوئے تمغوں کو (جن میں سے اکثر اسلام فروشی ہی کے صلے میں ملے ہیں) اپنے سینوں پر جگہ دینگے ' اُنکی بارگاہوں میں جاکر اطاعت و تعبد

کا سر جھکائینگے ' اور آہ ' ان سب سے بھی بڑھکر وہ ' جو انکی راہوں میں غلاموں کی طرح بچھینگے ' انکے حکموں پر کتوں کی طرح لوٹینگے ' انکی خدمت و چاکری کے عشق میں اپنے دین و ایمان تک کو نثار کردینگے ؟ فیا للہ و للمسلمین ! من هذه الفادحة التی هی اعظم فواقر الدین ' والرزئة التي ما رزي بمثلها سبیل المومنین !

لمثـــل هذا یذوب القلب من کمد
ان کان فی القلب اســـلام و ایمان !

فصل

هل للامام ان یمنع المتخلفین والقاعدین من الکلام معهم و الزیارة و نحوه ؟

ایک اہم سوال شرعاً یہاں یہ پیدا ہوتا ہے کہ جو مسلمان باوجود تبلیغ و تفہیم ' محارب غیر مسلموں سے ترک موالات نہ کریں ' اور انکی مودت و اعانت سے باز نہ آئیں ' انکے ساتھ مسلمانوں کو کیا سلوک کرنا چاہیے ؟

حضرۃ کعب بن مالک اور غزوۂ تبوک کے متخلفین کا واقعہ گذشتہ باب میں گزر چکا ہے - اس موقعہ پر آنحضرۃ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو طرز عمل اختیار کیا تھا ' اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جو مسلمان مصالح امت کے خلاف روش اختیار کریں ' اور دشمنان ملت کے دفاع میں با وجود استطاعت حصہ نہ لیں ' انسے بھی مسلمانوں کو ترک موالات کردینا چاہیے -

امام بخاری نے کتاب الاحکام میں باب باندھا ہے " هل للامام أن یمنع المجرمین و اهل المعصیة من الکلام معه و الزیارة و نحوه ؟ " یعنی کیا مسلمانوں کے امام کو اس بات کا حق پہنچتا ہے کہ جو لوگ شرعی جرائم کے مرتکب ہوں ' انسے ملنے ' بات چیت کرنے ' اور اسی طرح کے تعلقات رکھنے سے لوگوں کو روک دے ؟ اور پھر اسمیں حضرۃ کعب بن مالک کی روایت درج کی ہے - گویا اس واقعہ سے وہ استدلال کرتے ہیں کہ امام کو ایسا کرنے کا حق پہنچتا ہے ' اور زجر و تنبیـــہ اور عبرت پذیری کے لیے ایسا کرنا اعمال نبوت کے ٹھیک ٹھیک مطابق ہوگا -

امام بخاري کا یہ استدلال نہایت واضح اور صاف ہے - آنحضرۃ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مسلمانوں کو حکم دیدیا تھا کہ کسي طرح کا واسطہ ان لوگوں سے نہ رکھیں - نہ سلام کریں - نہ کلام کریں - نہ ملیں جلیں - یہانتک کہ انکی بیویوں تک کو تعلقات زوجیۃ رکھنے کی اجازت نہ تھی - بالاخر یہ حالت ہوگئی کہ " ضاقت علیہم الارض بما رحبت " پس اس سے ثابت ہوا کہ جب کبھی اسلام اور امت کی حفاظت اور دفاع کا وقت آجائے اور تمام مسلمانوں کا اسمیں شریک ہونا ضروری ہو' تو جس مسلمان کی طرف سے اسمیں سستی و کاہلی ہو' یا انکار و تخلف ہو' اُسکا جرم عند اللہ نہایت شدید و عظیم ہے' اور مسلمانوں کی جماعت کو حق پہنچتا ہے کہ زجر و تنبیہ کیلیے اُسکے ساتھ وہی سلوک کریں جو اُن تینوں شخصوں کے ساتھ کیا گیا تھا - اور جبتک وہ اپنے رویہ سے باز نہ آجائیں' کوئی مسلمان اُن سے کسی طرح کا علاقہ نہ رکھے - جب اُن مسلمانوں کیساتھ یہ سلوک جائز ہوا جو سابقین انصار اور شرکاء بدر میں سے تھے اور جنکا قصور بجز سستی و کاہلی کے اور کچھ نہ تھا' تو جو لوگ صریح طور پر اعداء اسلام کے ساتھ اطاعت و اعانت کے تعلقات رکھیں' اور دفاع اسلام کي سعی و تدبیر میں شامل ہونے سے صاف صاف انکار کردیں' انکے لیے تو ایسا حکم دینا نہ صرف جائز و مشروع ہوگا' بلکہ یقیناً واجب و لازم ہوگا -

ابن ابي حاتم نے امام حسن بصري کا کیا خوب قول نقل کیا ہے - قال " یا سبحان اللہ ! ما أکل ھا اولاء الثلاثۃ مالاً حراماً ' ولا سفکوا دماً حراما ' ولا افسدوا فی الارض ' اصابہم ما سمعتم ' وضاقت بہم الارض بما رحبت ' فکیف بمن یواقع الفواحش و الکبائر ؟ "

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں " وفیہا ترک السلام علی من أذنب وجوار ھجرۃ أکثر من ثلاث - واما النہی عن الھجر فوق الثلاث فمحمول علی من لم یکن ھجرانہ شرعیا " (۱) یعنی اس واقعہ سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ مجرمین شرع سے ترک سلام و کلام کرنا جائز ہے اور تین دن سے زیادہ

---

(۱) امام بخاري اپنی عادت کے مطابق حدیث کعب کو مختلف ابواب میں لائے ہیں - باب مذکورۂ متن کتاب الاحکام کا آخري باب ہے ' اور مفصل حدیث کتاب المغازي میں ہے - کتاب المغازي کی شرح میں حافظ موصوف کي یہ عبارت ملیگي - (جلد ۸ - ۹۴)

ان سے ترک تعلق کیا جا سکتا ہے - باقی رہی حدیث - " لا یحل لرجل ان یھجر اخاہ فوق ثلاث" یعنی کسی مسلمان کیلیے جائز نہیں کہ تین دن سے زیادہ اپنے بھائی مسلمان سے جدا رہے - تو اس سے مقصود وہ جدائی ہے جو بلا سبب شرعی ہو' اور اس واقعہ میں جدائی کا حکم جرم شرعی کے ارتکاب کی بنا پر ہوا - پس زیادہ عرصہ تک ترک علائق جائز ہے -

حافظ ابن قیم نے بھی ہدی میں اس واقعہ سے یہ حکم مستنبط کیا ہے اور اپنے مخصوص طرز میں مشرح بحث کی ہے -

فصل

(ایک شبہ اور اسکا ازالہ)

بیجا نہ ہوگا اگر یہاں ایک شبہ دور کردیا جائے جو اس معاملہ کی نسبت ہوا ہے اور ہوسکتا ہے - حافظ ابن حجر لکھتے ہیں " استدل بعض المتاخرین لکونھما لم یشھدا بدرا بما وقع فی قصۃ حاطب' و ان النبی صلعم لم یھجرہ و لا عاقبہ مع کونہ جس علیہ بل قال لعمر لما ھم بقتلہ : لعل اللہ اطلع علی اھل بدر فقال اعملو ما شئتم فقد غفرت لکم : قال - و این ذنب التخلف من ذنب التجسس ؟ " یعنی بعض متاخرین نے اس سے انکار کیا ہے کہ مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ شہداء بدر میں سے تھے - کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو انکو یہ سزا نہ دی جاتی - حاطب بن ابی بلتعہ نے قریش مکہ سے خط و کتابت کی اور وہ جرم بڑا ہی سخت جرم تھا - یعنی جاسوسی کا تھا - اسپر بھی بوجہ بدری ہونے کے آنحضرت نے معاف کردیا اور لوگوں کو انکے ساتھ ترک تعلق کا حکم نہیں دیا - کعب اور انکے ساتھیوں کا اس سے بڑھکر تو قصور نہ تھا ؟ پھر اتنی بڑی سخت سزا انکو کیوں دی گئی ؟ پس اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حاطب کی معافی انکے بدری ہونے کی وجہ سے تھی ' اور یہ لوگ اسلیے ماخوذ ہوئے کہ بدری نہ تھے - انتھی -

پھر حافظ موصوف نے اسکا جواب دیا ہے کہ یہ لوگ ضرور بدری تھے - حاطب کو اسلیے کوئی سزا نہیں دی گئی کہ انھوں نے اپنے اھل و عیال کی حفاظت کا عذر پیش کیا تھا - لیکن ان لوگوں کے پاس کوئی عذر نہ تھا - پھر آگے چلکر سہیلی کا جواب نقل کیا ہے کہ ان لوگوں کو سخت

سزا اسلیے دی گئی کہ انصار مدں سے تھے اور انصار نے آنحضرت کی حمایت کا خاص طور پر وعدہ کیا تھا - اُنکو دوسروں سے نہیں زیادہ معیت و نصرت فرض تھی - اسمیں کوتاہی ہوئی تو مستحق تعزیر ہوے -

ہم کو افسوس کے ساتھہ کہنا پڑتا ہے کہ یہ شبہ جسقدر تعجب انگیز ہے' اس سے کہیں زیادہ ان اکابر و اعاظم کے حوالات و تعللات تعجب انگیز ہیں - سخت حیرانی ہوتی ہے کہ ایک نہایت صاف و واضح معاملہ کی نسبت کیوں اسقدر عذر ضروری کا وشمن کی گئیں ' اور کیوں اصلی علت سامنے نہ آگئی ؟

حضرت ہلال اور مرارہ کا بدری ہونا مسلم ہے - بخاری کی روایت مدں خود حضرت کعب کہتے ہدں " رجلین صالحین قد شہدا بدرا " اور حاطب بن ابی بلتعہ کے واقعہ اور اس معاملہ میں کسی طرح کی مناسبت نہیں ہے - دونوں معاملے اپنی اپنی جگہ ٹھیک ہدں - اس واقعہ پر جن لوگوں کو تعجب ہوا ' انھوں نے حکم دفاع کی اہمیت پر نظر نہ ڈالی - اگر اسپر غور کرلیتے تو یہ شبہ پیدا ہی نہ ہوتا - نہ ان کمزور توجیہوں کی ضرورت پیش آتی -

ایک صورت عام طور پر حفظ ملک و نصرت قوم کی ہے - اور ایک صورت خاص دشمن کے حملۂ و ہجوم کی ہے - پہلی حالت میں اگر جنگی احکام کی تعمیل میں سستی و کاہلی ہو ' تو اُس درجہ سنگین نہیں ہوتی جسقدر دوسری حالت میں - پہلی حالت اندرونی امن کی ہے - دوسری بیرونی حملہ و جنگ کی - جنگ و دفاع کی حالت میں ایک ذرا سی سستی اور کاہلی بھی اتنا بڑا جرم ہوتی ہے کہ اسکی پاداش میں موت کی سزا کو بھی سخت نہیں کہا جاسکتا -

اسی بنا پر شریعت نے ایک حالت تہیۂ جہاد و رباط خیل و استعداد کار کی قرار دی ہے - دوسری حالت " دفاع " اور نفیر کی بتلائی - جب کسی دشمن نے مسلمانوں پر حملہ کردیا ہو اور مسلم و غیر مسلم جنگ کی حالت پیدا ہوگئی ہو ' تو وہ حالت دفاع کی ہے -

حاطب بن ابی بلتعہ کا واقعہ یہ ہے کہ مدینہ مدں امن تھا - قریش یا کسی دوسرے دشمن کی طرف سے اُسوقت حملہ کا خوف نہ تھا - خود مسلمان مکہ پر حملہ کرنے والے تھے - کیونکہ قریش نے اپنا عہد و میثاق توڑ دیا تھا -

لیکن حضرت کعب بن مالک کا معاملہ دوسرا تھا - اُنھوں نے اسوقت اداء فرض میں سستی کی جب دشمن کے حملۂ و ہجوم کا اعلان ہوچکا تھا اور جالیس ہزار رزمیوں کے اجتماع کی خبریں آچکی نہیں - وہ حملہ کا وقت نہ تھا - دفاع کا تھا - امام نے حکم دیدیا تھا ' اور تعبیر عام کی صورت پیدا ہوگئی تھی - اُسوقت اداء فرض میں غفلت کرنا ایسا سنگین جرم ہے کہ کسی طرح معاف نہیں کیا جاسکتا - بس ضروری تھا کہ عبرت کیلیے کوئی سخت طرز عمل اختیار کیا جاتا ' تا کہ آیندہ ایسی غفلتوں کی کسی کو جرأت نہ ہو -

تعجب ہے کہ حافظ ابن قیم کو بھی ہدی میں یہی شبہ لاحق ہوا اور اسی لیے اُنھوں نے ہلال اور مرارہ کے بدری ہونے سے انکار کردیا ہے - والغلط لا یعصمہ الانسان -

فصل

(گورنمنٹ کے لیے اصلی سوال)

گورنمنٹ صرف اپنے فوائد و اغراض ہی سامنے رکھکر غور کر لے کہ ہندوستان کے کروروں انسانوں کو جو دنیا اور زندگی کی ساری چیزوں سے زیادہ اپنے مذہب کو محبوب رکھتے ہیں ' ایک ایسی اٹل اور لا علاج کشمکش میں ڈالدینا بہتر ہوگا جس میں ایک طرف انکے مذہبی احکام ہیں ' دوسری طرف برٹش گورنمنٹ ؟ اور دونوں باتیں اس طرح آپس میں لڑگئی ہیں کہ کسی طرح بھی جمع نہیں ہو سکتیں ؟

اگر انسان کے ہاتھ اشارے کرکے طوفانوں اور بجلیوں کو بلا سکتے ہیں ' تو یقیناً برٹش گورنمنٹ اِسوقت اُس آدمی کی طرح سمندر کے کنارے کھڑی ہے جو اپنا ہاتھ ہلا ہلا کر طوفانوں کو دعوت دے رہا ہو -

فی الحقیقت یہ نہ تو کوئی اُلجھاؤ ہے نہ کوئی مشکل مسئلہ - بالکل صاف اور سیدھی سی بات ہے - بشرطیکہ حاکمانہ غرور اور طاقت کا نشہ چند لمحوں کے لیے عقل و انصاف کو کام کرنے دے -

مسلمانوں کا مطالبہ شرعی احکام کا مطالبہ ہے - اسلام کے احکام کوئی راز نہیں ہیں ' جو تک گورنمنٹ کی رسائی نہو - چھپی ہوئی کتابوں میں

مرتب ہیں اور مدرسوں کے اندر شب و روز زیر درس و تدریس رہتے ہیں۔
بس گورنمنٹ کو چاہیے کہ صرف اس بات کی جانچ کرلے کہ واقعی اسلام کے شرعی احکام ایسے ہی ہیں یا نہیں ؟

اگر ثابت ہوجائے کہ ایسا ہی ہے، تو پھر صرف دو ہی راہیں گورنمنٹ کے سامنے ہونی چاہئیں :

یا مسلمانوں کیلیے انکے مذہب کو چھوڑدے اور کوئی بات ایسی نہ کرے جس سے انکے مذہب میں مداخلت ہو اور وہ اپنے مذہبی احکام کی بنا پر برٹش گورنمنٹ کے خلاف ہوجانے پر مجبور ہو جائیں -

یا پھر اعلان کردے کہ اس کو مسلمانوں کے مذہبی احکام کی کوئی پروا نہیں ہے - نہ اس پالیسی پر قائم ہے کہ ان کے مذہب میں مداخلت نہوگی - اس کو صرف زیادہ سے زیادہ رمیں چاہیے ، زیادہ سے زیادہ حکومت چاہیے ، موصل کے تیل کے چشمے چاہئیں ، عراق کی زرخیز زمین کی دولت چاہیے ، اور اسلامی خلافت کا خاتمہ ، تاکہ دنیا میں اس کا کوئی اسلامی حریف باقی نہ رہے - اگر ایسا کرنے کی وجہ سے مسلمانوں کے مذہبی احکام متصادم ہوتے ہیں، تو ہوں - اگر انپر طرح طرح کے اشد فرائض عائد ہوجاتے ہیں ، تو ہوا کریں - انکو ہر حال میں برٹش گورنمنٹ کا وفادار غلام بنا رہنا چاہیے ، اگرچہ اسکی خاطر اپنے مذہب سے بھی دست بردار ہو جانا پڑے -

اسکے بعد مسلمانوں کیلیے بھی نہایت آسان ہوجائیگا کہ اپنا وقت بے سود شور و فغاں میں ضائع نہ کریں ، اور برٹش گورنمنٹ اور اسلام ، ان دونوں میں سے کوئی ایک بات اپنے لیے پسند کرلیں -

باب

(نظام عمل)

فصل

(مسلمانان هند اور نظام جماعت)

لیکن همارے لیے اصلی سوال اب یہ نہیں رہا ہے کہ گورنمنٹ کو کیا کرنا تھا ؟ صرف یہ ہے کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے ؟

اس بارے میں مسلمانوں کیلیے راہ عمل ہمیشہ سے ایک ہی رہی ہے ' اور ہمیشہ کی طرح اب بھی ایک ہی ہے - یعنی ہندوستان کے مسلمان اپنی جماعتی زندگی کی اُس معصیت سے باز آجائیں جسمیں ایک عرصہ سے مبتلا ہیں ' اور جسکی وجہ سے فوز و فلاح کے تمام دروازے انپر بند ہوگئے ہیں -

" جماعتی زندگی کی معصیت " سے مقصود یہ ہے کہ ان میں ایک " جماعت " بنکر رہنے کا شرعی نظام مفقود ہوگیا ہے - وہ بالکل اُس گلے کی طرح ہیں جسکا انبوہ جنگل کی جھاڑیوں میں منتشر ہوکر گم ہوگیا ہو - وہ بسا اوقات یکجا اکٹھے ہوکر اپنی جماعتی قوت کی نمایش کرنی چاہتے ہیں - کمیٹیاں بناتے ہیں - کانفرنسیں منعقد کرتے ہیں - لیکن یہ تمام اجتماعی نمائشیں شریعت کی نظروں میں " بھیڑ " اور " انبوہ " کا حکم رکھتی ہیں - " جماعت " کا حکم نہیں رکھتیں - " بھیڑ " اور جماعت " میں فرق ہے - پہلی چیز بازاروں میں نظر آجاتی ہے جب کوئی تماشہ ہورہا ہو - دوسری چیز جمعہ کے دن مسجدوں میں دیکھی جا سکتی ہے جب ہزاروں انسانوں کی منظم و مرتب صفیں ایک مقصد ' ایک جہت ' ایک حالت ' اور ایک ہی کے پیچھے مجتمع ہوتی ہیں -

شریعت نے مسلمانوں کیلیے جہاں انفرادی زندگی کے اعمال مقرر کردیے ہیں ' وہاں اُنکے لیے ایک اجتماعی نظام بھی قرار دیدیا ہے - وہ کہتی ہے کہ زندگی اجتماع کا نام ہے - افراد و اشخاص کوئی شے نہیں - جب

کوئی قوم اس نظام کو ترک کردیتی ہے اگرچہ اسکے افراد فرداً فرداً کتنے ہی شخصی اعمال و طاعات میں سرگرم ہوں ' لیکن یہ سرگرمیاں اس بارے میں کچھہ سود مند نہیں ہوسکتیں ' اور قوم جماعتی معصیت میں مبتلا ہوجاتی ہے -

قرآن و سنۃ نے بتلایا ہے کہ شخصی زندگی کے معاصی کسی قوم کو یکایک برباد نہیں کردیتے - اشخاص کی معصیت کا زہر آہستہ آہستہ کام کرتا ہے - لیکن جماعتی زندگی کی معصیت کا تخم (یعنی نظام جماعتی کا نہونا) ایسا تخم ہلاکت ہے جو فوراً بربادی کا پھل لاتا ہے اور پوری قوم کی قوم تباہ ہوجاتی ہے -

شخصی اعمال کی اصلاح و درستگی بھی نظام اجتماعی کے قیام پر موقوف ہے - مسلمانان ہند جماعتی زندگی کی معصیت میں مبتلا ہیں - اور جب جماعتی معصیت سب پر چھا گئی ہے تو افراد کی اصلاح کیونکر ہوسکتی ہے ؟

کتاب و سنۃ نے جماعتی زندگی کے تین رکن بتلائے ہیں :

تمام لوگ کسی ایک صاحب علم و عمل مسلمان پر جمع ہوجائیں ' اور وہ اُنکا امام ہو -

وہ جو کچھہ تعلیم دے ' ایمان و صداقت کے ساتھہ قبول کریں -

قرآن و سنت کے ماتحت اسکے جو کچھہ احکام ہوں ' اُنکی بلا چوں و چرا تعمیل و اطاعت کریں -

سب کی زبانیں گونگی ہوں - صرف اسی کی زبان گویا ہو - سب کے دماغ بیکار ہوجائیں - صرف اُسی کا دماغ کارفرما ہو - لوگوں کے پاس نہ زبان ہو نہ دماغ - صرف دل ہو جو قبول کرے ' صرف ہاتھہ پاؤں ہوں جو عمل کریں !

اگر ایسا نہیں ہے ' تو ایک بھیڑ ہے ' ایک انبوہ ہے ' جانوروں کا ایک جنگل ہے ' کنکر پتھر کا ایک ڈھیر ہے ' مگر نہ تو " جماعت " ہے نہ " امت " - نہ " قوم " نہ " اجتماع " - اینٹیں ہیں مگر دیوار نہیں - کنکر ہیں مگر پہاڑ نہیں - قطرے ہیں مگر دریا نہیں - کڑیاں ہیں جو ٹکڑے ٹکڑے کردی جاسکتی ہیں ' مگر زنجیر نہیں ہے جو بڑے بڑے جہازوں کو گرفتار کرلے سکتی ہے -

کسی گذشتہ فصل میں بہ ضمن شرح حدیث حارث اشعری "جماعت" کی حقیقت پر بحث کی گئی ہے - اس موقعہ پر وہ پیش نظر رہے -

یہ وقت فصل کاٹنے کا تھا ' نہ کہ دانہ ڈالنے کا - لیکن مسلمانوں نے اپنی جد و جہد کی تمام گذشتہ زندگی گمگشتگی و بے حاصلی میں ضائع کردی - حتی کہ سج مع وہ وقت آ گیا جسکی تباہیوں کا تخیل پیدا کرکے کبھی ڈرانے والے ڈرایا کرتے تھے : فقد جاء اشراطها - فانی لهم اذ جاءتهم ذکراهم ؟ (۴۷ : ۲۱) اب بھی اگر کام ہے تو یہی کام ہے اور عم ہونا چاہئے تو اسی کا - سچے کام کے کرنے میں کتنی ہی دیر ہو جائے ' مگر جب کبھی کیا جائے ' سچائی ہے - اسکے لیے نہ تو کوئی وقت ناموافق ہے نہ کوئی جگہ مخالف - اسکے کرنے میں جسقدر دیر کی جائیگی ' مصیبت اور ہلاکی ہے - لیکن جب کبھی کردیا جائے ' سچائی اور نیکی ہے ' اور اُسکا ثمرہ زندگی اور کامرانی -

تمہاری سب سے بڑی گمراہی یہ ہے کہ خاص خاص وقتوں میں خاص خاص کاموں کا نام سن پاتے ہو ' اور پھر حیحیے چلانے لگتے ہو ' اور جسطرح اونگھتا ہوا آدمی ایک مرتبہ جونک اُٹھتا ہے ' بکایک اعتقاد اور عمل ' دونوں تمہیں یاد آ جاتے ہیں - حالانکہ نہ تو خاص خاص وقتوں ہی میں تمہاری مصیبت وجود میں آئی ہے - نہ کامیابی کی راہ کسی خاص کام کے پڑ جانے پر موقوف ہے - تمہاری مصیبت دائمی ' تمہارا ماتم ہمیشگی کا ' تمہارا رگ تمہاری ہڈیوں کے اندر سمایا ہوا ' اور تمہاری نحوست چوبیس گھنٹے تمہاری ساتھی ہے - اور ٹھیک اُسی کی طرح تمہاری کامیابی و خوشحالی بھی ہر وقت تمہارے سایے کے ساتھ ساتھ دوڑ رہی ہے - اور ہر آن و ہر لمحہ تمہارے وجود کے اندر سمائی ہوئی ہے -

تم وقت پر سامنے آجانے والی چیزوں کے غم میں کیوں گھلے جاتے ہو ؟ اپنا ہمیشہ کا معاملہ ایک مرتبہ درست کیوں نہیں کر لیتے ؟ جبتک دل و جگر کا علاج نہوگا ' روز نئے نئے رگ لگتے رہینگے - خلافت کا مسئلہ کل سے سامنے آیا ہے ' مگر تمہاری بربادی کا مسئلہ کل ہی سے نہیں شروع ہوا - پس تمہارا اصلی کام کوئی خاص مسئلہ اور کوئی خاص تحریک نہیں ہو سکتی - ہمیشہ سے اور ہمیشہ کیلئے صرف یہی ہے کہ " ہندوستان کے مسلمانوں کو مسلمان بننا چاہیے ' اور قوم و فرد ' دونوں اعتباروں سے ٹھیک ٹھیک

اسلامی زندگی اختیار کرلینی چاہیے " اس ایک کام کے انجام پانے پر سارے کام خود بخود انجام پا جائینگے - سوال حکومتوں کے نکل جانے کا نہیں ہے - ایمان کی گم گشتگی اور محرومی کا ہے :

درازی شب و تندازی من ایں ہمہ نیست
زحمت من خبر آید تا کجا خفتست !

اسی مسئلۂ خلافت کو دیکھو! شرعی اور سیاسی ' دونوں پہلوؤں سے کسقدر اہم اور نازک معاملہ ہے ؟ اگر آج مسلمانوں میں اُنکے ائمۂ و مشاہیر موجود ہوتے' تو اُنمیں سے بھی ہر شخص زبان نہ کھولتا - کسی ایک صاحب نظر و عمل کے احکام پر سب کاربند ہو جاتے - لیکن اسکے مقابلہ میں آج ہمارا حال کیا ہو رہا ہے ؟ کمیٹیوں اور تجویزوں کی عادت برسوں سے پڑی ہوئی ہے - اُسی قینچی سے اس پہاڑ کو بھی کترنا چاہتے ہو - ہر زبان تجویزیں پیش کر رہی ہے - ہر قلم امام و مجتہد کی طرح احکام نافذ کر رہا ہے - کوئی کچھہ کہتا ہے - کوئی کچھہ کہتا ہے - کوئی دھتے بتاتا ہے - کوئی بائیں - کیا اس طوائف الملوکی اور دھتی اناركی کے ساتھہ جو عالم فکر و نظر کا ایک پورا پورا عدر ہے ' یہ مہم سر ہوسکتی ہے ؟

شرعی پہلو سے مسئلہ کا یہ حال کہ ایک صاحب نظر و اجتہاد دماغ کی ضرورت ہے جسکا قلب کتاب و سنۃ کے معارف و عوامض سے معمور ہو - وہ اصول شرعیہ کو مسلمانان ہند کی موجودہ حالت پر' انکے توطن ہند کی حدیث العہد نوعیت پر' ایک ایک لمحہ کے اندر متغیر ہوجانے والے حوادث جنگ و صلح پر' ٹھیک ٹھیک منطبق کرے ' اور پھر تمام مصالح و مقاصد شرعیۂ و ملیہ کے تحفظ و توازن کے بعد فتوی شرع صادر کرتا رہے - نہ ہر عالم اسکا اہل ہے - نہ ہر مدرسۂ نشین اس کا اسرار شناس -

سیاسی پہلو سے دیکھا جائے تو جو کام فوجوں اور حکومتوں کی طاقت سے انجام پا سکتا ہے ' اسکو تم صرف اپنی جماعتی قوت کے استعمال سے حاصل کرنا چاہتے ہو - پھر کسقدر نامرادی ہے کہ وہ قوت بھی ناپید ؟

بلاشبہ لوگوں میں احساس اور طلب کی کمی نہیں - نہ جوش و سرگرمی کی کمی ہے' اور یہ بڑی ہی قیمتی چیز ہے - لیکن اگر صحیح راہ عمل اختیار نہ کی گئی تو یہی بات سب سے زیادہ مضر بھی ہو جاسکتی ہے - جذبات کی مثال اسٹیم کی سی ہے - بغیر اسٹیم کے کچھہ نہیں ہوسکتا ' لیکن وہ بھی بغیر مشین اور سائق (ڈرائیور) کے کچھہ نہیں کرسکتی - مشین اسکی

طاقت کو ترتیب دیتی اور ڈرانور اس سے کام لیتا ہے - اگر نہ دونوں باتیں نہیں ہیں ' تو اس سے زیادہ کوئی خطرناک اور مہلک چیز بھی نہیں ہوسکتی - کاش وہ نہ ہوتی - وہ ترین کو منزل مقصود پر پہنچاتی ہے ' مگر انجنوں کو ٹکرا کر ہزاروں انسانوں کو ہلاک بھی کردیتی ہے !

" جذبات " اُسی وقت کام دے سکتے ہیں ' جب اُنکو مرتب کرے اور اُنپر حکم و قضاء کیلیے " ادراک " اور " دماغ " بھی موجود ہو - و ذلک من عمل الدوۃ ' و لکن لا یعقلھا الا العالمون -

بہر حال اسوقت ' اور ہمیشہ سے ' اور ہمیشہ کیلیے ' " راہ عمل " یہی ہے کہ مسلمان سب سے پہلے اسلام کی جماعتی زندگی اختیار کرلیں - اسی پر مسئلۂ خلافت اسلامی کے بھی تمام مہمات و اعمال موقوف ہیں -

تمام مسلمانوں کو اُن ہمدردان ملت کا شکر گزار ہونا چاہیے جنہوں نے آل انڈیا خلافت کمیٹی کی بنیاد ڈالی اور تمام ملک میں اسکی شاخوں کے قیام کا سروسامان کیا - لیکن خلافت کمیٹی کا نظام مسلمانوں کو نظام جماعتی و شرعی کے قیام سے مستغنی نہیں کردے سکتا - خلافت کمیٹی روپیہ جمع کریگی - ایجنٹی تبشن جاری رکھیگی - تبلیغ و اشاعت کریگی - لیکن نہ تو وہ قوم کو سنبھال سکتی ہے ' نہ کمیٹیوں سے " جماعت " پیدا ہوسکتی ہے ' نہ شرعی نظام کی قائم مقامی ہوسکتی ہے - وہ خود احکام شرعیہ کے علم کیلیے ' اپنے قیام و تکمیل کیلیے ' دفع تفرقۂ و انتشار کیلیے ' اور روح اجتماع و قوام کے نفوذ کیلیے ایک بالاتر قوت حاکمۂ و نافذہ کی محتاج ہے - اور اگر وہ قوت نہیں ہے تو پھر اسکی ہستی بھی قائم نہیں رہسکتی -

نظام شرعی نہ نہیں ہے کہ ہر شخص فرداً فرداً سونچتا رہے کہ مسئلۂ خلافت کیلیے کیا کرنا چاہیے ؟ اور اخباروں میں آرٹیکل لکھے جائیں کہ عملی راہ کیا ہونی چاہیے ؟ اور نہ ہر شخص یا چند آدمیوں کی گڑھی ہوئی کمیٹی کو یہ حق ہے کہ لوگوں کو کسی خاص راہ کی طرف دعوت دینا شروع کردے - یہ کام صرف ایک صاحب نظر و اجتہاد کا ہے جسکو قوم نے بالاتفاق تسلیم کرلیا ہو - وہ وقت اور حالت پر اصول و احکام شریعت کو منطبق کریگا - ایک ایک جزئیۂ حوادث و واقعات پر پوری کاردائی و نکتہ شناسی کے ساتھ نظر ڈالیگا ' اُمت و شرع کے اصولی مصالح و مقاصد اسکے سامنے ہونگے - کسی ایک گوشے ہی میں ایسا مستغرق نہوجائیگا کہ باقی تمام گوشوں سے بے پروا ہوجاے :

حفظت شیئاً و غابت عنک اشیاء !

سب سے بڑھکر یہ کہ اعمال مہمۂ امت کی راہ میں منہاج نبوت پر اسکا قدم استوار ہوگا ' اور ان ساری باتوں کے علم و بصیرۃ کے بعد ہر وقت ' ہر تغیر ' ہر حالت ' ہر جماعت کے لیے احکام شرعیہ کا استنباط کرسکے گا -

فصل

زبان رنگته فرو مانده و زار من باقیست !
بضاعت سخن آخر شد و سخن باقیست !

عزیزان ملت ! اس طول طویل صحبت میں جو کچھہ بیان کیا گیا ' اس میں کوئی بات بھی ایسی نہیں ہے جو میری زبان پر نئی ہو- یہ تمام وہی افسانۂ کہن ہے جو پچھلے دس سالوں سے برابر دھراتا رہا ہوں ' اور اگر " الہلال " و " البلاغ " کی یہہ صدائیں تمہارے حافظہ میں فراموش نہیں ہوگئی ہیں ' تو تم اسکی تصدیق کروگے - تمہارے رہبروں اور پیشواؤں کی رائیں اور صدائیں کتنی ہی مضطرب و متزلزل رہی ہوں ' لیکن میری طرف دیکھو ! میں ایک انسان تم میں موجود ہوں جو دس سال سے صرف ایک ہی صدائے دعوۃ بلند کر رہا ' اور صرف ایک ہی بات کی جانب تڑپ تڑپ کر بلا رہا اور لوٹ لوٹ کر پکار رہا ہوں - و لکن لا تحبون الناصحین (۷ : ۲۸) افسوس ! کہ تم حقیقی اور سچی بات کہنے والوں کو پسند نہیں کرتے - تم نمائش کے پجاری ' شور و ہنگامہ کے بندے ' اور وقتی جذبات و انفجار ہیجان کی مخلوق ہو- تم میں نہ امتیاز ہے نہ نظر- نہ تم جانتے ہو نہ پہچانتے ہو - تم جس قدر تیز دوڑ کر آتے ہو ' اتنی ہی تیزی کے ساتھہ فرار بھی کر جاتے ہو - تمہاری اطاعت جس قدر سہل ہے اور تمہاری ارادت جتنی سستی ' اتنا ہی تمہارا انحراف آسان ہے ' اور اسی نسبت سے تمہاری مخالفت بھی ارزاں ہے - بس نہ تو تمہاری تحسین کی کوئی قیمت ' نہ تمہاری توہین کا کوئی وزن - نہ تمہارے پاس دماغ ہے نہ دل - وساوس ہیں جنکو تم افکار سمجھتے ہو ' خطرات ہیں جنکو تم عزائم کہتے ہو- خدا را بتلاؤ ! میں تمہارے ساتھہ کیا کروں ؟ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ آج جن باتوں کے لیے تم رو رہے ہو ' یہ وہی باتیں ہیں جو ایک زمانے میں میری زبان سے فریاد کا اضطراب اور طلب

کی جبخ نکر نکلتی تھیں ' مگر تمہارے سینے کے اندر پتھر کا ایک ٹکڑہ ھے ' اس سے ٹکرا ٹکراکر واپس آجاتی تھیں ؟ اور تم تکفلم انکار و اعراض میں عرق تھے ؟

تم نے ھمیشہ اعراض کیا - تم نے اعـــراض ھی نہیں کیا ' بلکـــہ

جعلوا اصابعهم فی آذانهم ' و استغشوا ثیابهم ' و اصروا ' و استکبروا استکبارا [۷۱ : ۷] کی ساری سنتیں غفلت و انکار کی تازہ کردیں - میں نے تم میں سے ھرگروہ کو ٹٹولا - میں نے دلوں اور روحوں کا ایک ایک گوشہ چھان مارا - جب کبھی کوئی بھتر دیکھی ' فریاد کی - جب کبھی انسانوں کو دیکھا اپنی طرف بلایا - لیکن فلم تزد هم دعائی الا فـــرارا (۷۱ : ۶) بہت کم روحیں ایسی نکلیں جنکو حقیقت کا فہم ھو ' اور بہت کم دل ایسے ملے جو طلب و عشق سے معمور ھوں - یہانتک کہ میں تمہاری آبادیوں سے الگ ھوکر رانچی کے گوشۂ قید و بند میں چلا گیا ' اور خدا ھی بہتر جانتا ھے کہ وھاں بھی میری صبحیں اور میری شامیں کن فکروں اور کاموں میں بسر ھوتی رھیں - اب میں پھر تم میں واپس آ گیا ھوں - لیکن تمہاری بھیڑوں اور غولوں میں سچی جستجو کا چہرہ اُسی طرح مفقود ھے ' جیسا کہ ھمیشہ سے مفقود رھا ھے - ابتک حقیقت شناسی کی کوئی گہرائی تم میں نظر نہیں آتی - تم مجھے بلائے ھو کہ استقبال سے بھرے ھوے ریلوے اسٹیشنوں پر اُتارو ' اور ایسے پرجوش انسانوں کے نعرے سناؤ جنکے ھاتھوں میں فتح مند فوجوں کی طرح جھنڈیاں ھوں ' اور پھر اتنے انسان میری گاڑی کے چاروں طرف اکٹھے کردو کہ اُنکے ھجوم میں دو چار آدمیوں کا خون ھو جاے ' مگر آہ ! میں تمہاری ان بھیڑوں کو لیکر کیا کروں جب تمہارے دلوں میں سناٹا چھایا ھوا ھے ' اور تمہارے اس جوش استقبال سے مجھے کیا خوشی ھو جب تمہاری روحیں موت کی افسردگی سے مرجھائی ھوئی ھیں - افسوس ! تم میں کوئی نہیں جو میری زبان سمجھتا ھو - تم میں کوئی نہیں جو میرا شناسا ھو - میں سچ سچ کہتا ھوں کہ تمہارے اس پورے ملک میں میں ایک بے یار و آشنا غریب الوطن ھوں :

مـــن بہر جمعیتے نالان شـــدم * جفت خوشحالان و بد حالان شدم
ھر کسے از ظن خـــود شـــد یار من * وز درون من نہ جست اسرار من
سر من از نالۂ مـــن دور نیست * لیک کس را گوش آن منظور نیست

میری رایوں میں نہ کبھی تبدیلی ھوئی ' نہ میرے سفر میں کبھی یمین و یسار کا تذبذب پیش آیا ھے - تبدیلیاں فکروں میں ھوسکتی ھیں '

قیاسوں میں ہوسکتی ہیں ' پولیٹکل حکمت عملیوں میں ہوسکتی ہیں ' انسانی تقلید اُسکا سرچشمہ ہے ' اور انسانوں اور قوموں کا اتباع اسکا منبع' لیکن اُن عقائد میں کبھی تبدیلی نہیں ہوسکتی جو وحی و تنزیل کی اٹل اور دائمی ہدایتوں سے ماخوذ ہوں - الحمد للہ کہ میں جو کچھہ کہتا اور کرتا رہا ' وہ میرے عقائد و معلومات تھے ' تمہارے نبیوں کی طرح آراء و مظنونات نہ تھے - و ان الظن لا یغنی من الحق شیئا (۵۳ : ۳) اُسوقت تم میں سے اکثروں نے اعراض کیا ' بہتوں نے استہزاء کیا ' کئیوں ہی نے کہدیا کہ یہ تو ایک طرح کی مذہبی بدعت اور ما فوق الفطرۃ دعوؤں کا اعلان ہے : یرید ان یتفضل علینا - بعضوں نے تو فیصلہ ہی کردیا کہ یہ صرف فصاحت و بلاغت کی ساحری اور ایک طرح کی اندنانہ افسونگری ہے : اکتتبھا فھی تملی علیہ بکرۃ و اصیلا (۲۵ : ۷) لیکن دیکھو! بالآخر رفتہ رفتہ سب نے اپنی جگہیں چھوڑ دیں - سب اُسی راہ پر چل پڑے - بہتوں نے دانستہ ' اور بہتوں نے نادانستہ ' مگر راہ سب نے وہی اختیار کی - آج تم سب اُسی " ما فوق الفطرۃ دعوؤں " اور " ساحرانہ فصاحت طراریوں " کو اپنا اصل الاصول بنائے ہوئے ہو ' اور " قیام شریعت " اور " تقدیم و اتباع شریعت " اور " حفظ و دفاع ملت " کے ناموں سے موسوم کرتے ہو -

پس جبکہ یہ پہلا تجربۂ و مشاہدہ تمہارے سامنے ہے ' تو آج میں اعلان کرتا ہوں کہ دوسرے تجربہ کا وقت آگیا - راہ عمل کیلیے تمہارا رخ وہ ہے جسکی طرف تم دوڑ رہے ہو - اور میری راہ وہ ہے جسکی طرف پچھلے صفحوں میں بلا چکا ہوں - تم بارش کے وجود سے انکار تو نہیں کرتے ' مگر منتظر رہتے ہو کہ پانی برسنے لگ جائے تو اقرار کریں ' لیکن میں ہواؤں میں پانی کی بو سونگھہ لینے کا عادی ہوں' اور صرف بادلوں ہی کو دیکھہ لینا میرے علم کیلیے کافی ہوتا ہے پس اگر پچھلا تجربہ بس کرتا ہے تو اس سے عبرت پکڑو ' اور اگر ابھی اور انتظار کرنا چاہتے ہو تو انتظار کر دیکھو : فستذکرون ما اقول لکم ' و افوض امری الی اللہ - ان اللہ بصیر بالعباد (۴۰ : ۴۷)

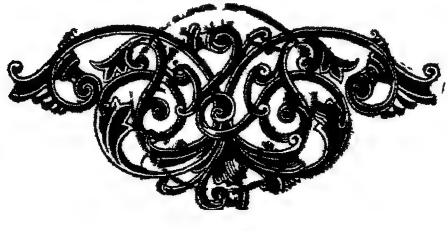

ضمیمه

جدول سنین خلافة اسلامیه

عدد	خلفاء		سنه هجری	سنه مسیحی
۱	ابوبکر الصدیق	(رض)	۱۱	۶۳۲
۲	عمر بن الخطاب	(رض)	۱۳	۶۳۴
۳	عثمان بن عفان	(رض)	۲۳	۶۴۴
۴	علي بن ابي طالب	(رض)	۳۵	۶۵۲
	سلسلهٔ بنو امیه			
۵	معاویه بن ابي سفیان		۴۱	۶۶۱
۶	یزید بن معاویه		۶۰	۶۸۰
۷	معاویه بن یزید		۶۴	۶۸۳
۸	مروان بن الحکم		۶۴	۶۸۳
۹	عبد الملک بن مروان		۶۵	۶۸۴
۱۰	الولید بن عبد الملک		۸۶	۷۰۵
۱۱	سلیمان بن عبد الملک		۹۶	۷۱۴
۱۲	عمر بن عبد العزیز		۹۹	۷۱۷
۱۳	یزید بن عبد الملک		۱۰۱	۷۱۹
۱۴	هشام بن عبد الملک		۱۰۵	۷۲۳
۱۵	الولید بن یزید بن عبد الملک		۱۲۵	۷۴۲
۱۶	یزید بن الولید		۱۲۶	۷۴۳
۱۷	ابراهیم بن الولید		۱۲۶	۷۴۳
۱۸	مروان بن محمد بن مروان		۱۲۷	۷۴۴
	سلسلهٔ عباسیه			
۱۹	ابو العباس سفاح		۱۳۲	۷۴۹
۲۰	ابو جعفر منصور		۱۳۷	۷۵۴

٢١	المهدي بن منصور	١٥٨	٧٧٤
٢٢	الهادي بن المهدي	١٦٩	٧٨٥
٢٣	هارون الرشيد بن المهدي	١٧٠	٧٨٦
٢٤	محمد الامين بن هارون	١٩٣	٨٠٨
٢٥	المامون بن هارون	١٩٨	٨١٣
٦٦	المعتصم بن هارون	٢١٨	٨٣٣
٢٧	الواثق بن المعتصم	٢٢٧	٨٤٢
٢٨	المتوكل على الله بن المعتصم	٢٣٢	٨٤٧
٢٩	المستنصر بالله بن المتوكل	٢٤٧	٨٦١
٣٠	المستعين بالله بن المعتصم	٢٤٨	٨٦٢
٣١	المعتز بالله بن المتوكل	٢٥٢	٨٦٦
٣٢	المهتدي بالله بن الواثق	٢٥٥	٨٦٩
٣٣	المعتمد بالله بن المتوكل	٦٥٢	٨٧٠
٣٤	المعتضد بالله بن الموفق	٢٧٩	٨٩٢
٣٥	المقتدر بالله بن الموفق	٢٩٥	٩٠٨
٣٦	الراضي بالله بن المقتدر	٣٢٢	٩٣٣
٣٧	المقتفي بالله بن المقتدر	٣٢٩	٩٤٠
٣٨	المستكفي بالله بن المقتفي	٣٣٣	٩٤٤
٣٩	المطيع بالله بن المقتدر	٣٤٣	٩٤٦
٤٠	الطائع لله بن المطيع	٣٦٣	٩٧٤
٤١	القادر بالله بن المقتدر	٣٨١	٩٩١
٤٢	القائم بامر الله بن القادر	٤٣٢	١٠٣١
٤٣	المقتدي بالله بن القائم	٤٦٧	١٠٧٥
٤٤	المستظهر بالله بن المقتدي	٤٨٧	١٠٩٤
٤٥	المسترشد بالله بن المستظهر	٥١٢	١١١٨
٤٦	الراشد بن المسترشد	٥٥٩	١١٣٦
٤٧	المقتفي بن المستظهر	٥٣٠	١١٣٦
٤٨	المستنجد بالله بن المقتفي	٥٥٥	١١٦٠
٤٩	المستضئي بنور الله بن المستنجد	٥٦٦	١١٨٠
٥٠	الناصر لدين الله بن المستضئي	٥٧٥	١١٨٠

٥١	الظاهر بالله بن الناصر	٦٢٢	١٢٢٥
٥٢	المستنصر بالله بن الظاهر	٦٢٣	١٢٢٣
٥٣	المستعصم بالله بن المستنصر	٦٤٠	١٢٤٣

عباسيۀ مصـر

٥٤	المستنصر بالله	٦٥٦	١٢٥٨
٥٥	الحاكم بامر الله	٦٦١	١٢٦٢
٥٦	المستكفي با لله	٧٠١	١٣٠١
٥٧	الواثق با لله	٧٤٠	١٣٣٩
٥٨	الحاكم بامر الله	٧٤٢	١٣٤١
٥٩	المعتضد با لله	٧٥٣	١٣٥٢
٦٠	المتوكل على الله	٧٦٣	١٣٦١
٦١	الواثق بالله	٧٨٥	١٣٨٣
٦٢	المستعين با لله	٨٠٨	١٤٠١
٦٣	المعتضد با لله	٨١٥	١٤١٢
٦٤	المستكفى با لله	٨٤٠	١٤٤١
٦٥	القائم بامر الله	٨٥٤	١٤٥٠
٦٦	المستنجد با لله	٨٥٩	١٤٥٤
٦٧	المتوكل على الله	٨٨٤	١٤٧٩
٦٨	المستمسك با لله	٩٠٣	١٤٩٧
٦٩	المتوكل على الله	٩١٢	١٥٠٦

سلسلۀ عثمانيـــه

٧٠	سليم خان اول	٩٢٣	١٥١٧
٧١	سليمان اول	٩٢٦	١٥٢٠
٧٢	سليم ثانى	٩٧٤	١٥٦٦
٧٣	مراد ثالث	٩٥٢	١٥٧٤
٧٤	محمد ثالث	١٠٠٤	١٥٩٦
٧٥	احمد اول	١٠١٢	١٦٠٤
٧٦	مصطفى اول	١٠٢٧	١٦١٨
٧٧	عثمان ثاني	١٠٢٧	١٦١٨

۷۸	مراد رابع	۱۰۳۲	۱۶۲۳
۷۹	ابراهیم اول	۱۰۴۹	۱۶۴۰
۸۰	محمد رابع	۱۰۵۳	۱۶۷۴
۸۱	سلیمان ثانی	۱۰۹۹	۱۶۸۷
۸۲	احمد ثانی	۱۱۰۲	۱۶۹۱
۸۳	مصطفی ثانی	۱۱۰۶	۱۶۹۵
۸۴	احمد ثالث	۱۱۱۵	۱۷۰۳
۸۵	محمود اول	۱۱۴۲	۱۷۳۰
۸۶	عثمان ثالث	۱۱۲۸	۱۷۵۴
۸۷	مصطفی ثالث	۱۱۷۱	۱۷۵۷
۸۸	عبد المجید اول	۱۱۸۷	۱۷۷۳
۸۹	سلیم ثالث	۱۲۰۳	۱۷۸۹
۹۰	مصطفی رابع	۱۲۲۲	۱۸۰۷
۹۱	محمود ثانی	۱۲۲۳	۱۸۰۸
۹۲	عبد المجید	۱۲۵۵	۱۸۳۹
۹۳	عبد العزیز	۱۲۷۷	۱۸۶۱
۹۴	مراد خامس	۱۲۹۳	۱۸۷۶
۹۵	عبد الحمید ثانی	۱۲۹۳	۱۸۷۶
۹۶	محمد خامس	۱۳۲۴	۱۹۰۸
۹۷	امیر المومنین السلطان محمد خان سادس - خلدالله ملکه و شوکته	۱۳۳۶	۱۹۱۸

ضمیمہ

۲

مواعید و عہود

اس کتاب میں گورنمنٹ انگلستان و ہند کے جن وعدوں اور سرکاری اعلانات کی طرف جا بجا اشارہ کیا گیا ہے ' اُن میں سے بعض حسب ذیل ہیں :

(۱) گورنمنٹ آف انڈیا کا اعلان جو ترکی کے شامل جنگ ہونے کے بعد ۲ - نومبر سنہ ۱۹۱۴ع کو شائع ہوا :

برطانیہ عظمی اور ترکی میں جنگ چھڑ گئی ہے - برطانیہ کو اسکا سخت افسوس ہے کہ یہ برے مشورے سے اور بلا کسی اشتعال کے اور خوب سوچ سمجھ کر دولت عثمانیہ کی طرف سے عمل میں آئی ہے - لہذا ہز ایکسلنسی وایسرائے ہند ہز مجسٹی کی گورنمنٹ کے حکم کے مطابق عرب کے مقامات مقدسہ کے بارے میں جن میں عراق کے متبرک مقامات اور بندرگاہ جدہ بھی شامل ہے' مندرجہ ذیل اعلان کرتے ہیں تا کہ ہز مجسٹی کی نہایت وفادار مسلم رعایا کو غلط فہمی پیدا نہو - اس جنگ میں مذہبی جنگ کا کوئی سوال ہی نہیں ہے -

ان مقامات مقدسہ اور بندرگاہ جدہ پر برطانی بری و بحری طاقتوں سے کبھی حملہ نہ ہوگا' نہ ان کو ستایا جائیگا جب تک کہ حجاج و زائرین ہند سے جو ان مقامات مقدسہ میں جائیں ' کوئی چھیڑ نہ کی جاے - ہز مجسٹی کی گورنمنٹ کی استدعا پر گورنمنٹ فرانس و روس نے بھی اسی طرح کا یقین دلایا ہے -

(۲) ۵ - جنوري سنه ۱۹۱۸ - کو مسٹر لائڈ جارج وزیر اعظم انگلستان نے اپنی مشہور تقریر میں کہا

" ہم اسلیے جنگ نہیں کر رہے ہیں کہ ترکی کو اس کے دارالخلافہ سے محروم کردیں - نا اشیاے کوچک اور تھریس کے زرخیز و شہرۂ آفاق علاقے لے لیں جن میں ترکی النسل آبادي کا جزء غالب ہے -

ہم اس بات کے بھی مخالف نہیں کہ جن علاقوں میں ترکی نژاد آبادي ہے ' وہاں ترکوں کی سلطنت قائم رہے ' یا قسطنطنیہ اس کا پایہ حکومت ہو - البتہ بحیرۂ روم اور بحیرۂ اسود کے درمیانی راستہ کو بین الاقوامی ضبط و نگرانی میں دینے کے بعد ہماری راے میں عرب ' آرمینیا ' عراق ' شام ' اور فلسطین اپنی اپنی جداگانہ قومی حکومتوں کے مستحق ہیں "

وزیر اعظم نے یہ جو کچھہ کہا تھا ؟ کیا محض انکی ذاتی راے تھی جسکی ذمہ داری صرف اُنہیں عائد ہوتی ہے ' یا برطانیہ کا سرکاری اعلان تھا ؟ اور اگر سرکاري اعلان تھا تو صرف وزارت اور اُسکی گورنمنٹ کا تھا ' یا تمام برٹش قوم اور امپائر کا ؟ اسکا جواب اُس تمہید سے ملتا ہے جو اس تقریر کے ابتدا میں موجود ہے :

" اس تمام بحث و گفتگو کے بعد جو قلمرو کے مختلف الخیال اور مختلف الراے طبقوں کے نمایندوں کے ساتھہ ہوئی ہے ' میں خوشی سے اس بات کا اظہار کرتا ہوں کہ آج میں جو کلمات کہونگا ' اُنکے لیے گو تنہا حکومت ہي ذمہ دار ہوگی ' مگر ہمارے جنگی مقاصد ' شرائط صلح کي نوعیت ' اور اُسکي غرض و غایت کے متعلق میرے جو بیانات آپ سے اور آپکي معرفت تمام دنیا سے ہونگے ' اُنسے تمام قوم متحد و متفق ہے - میں دلیري کے ساتھہ اس بات کا دعوی کرسکتا ہوں کہ میں صرف گورنمنٹ کے ما في الضمیر ہی کي نہیں بلکہ تمام قوم اور تمام قلمرو کی بحیثیت مجموعی ترجمانی کر رہا ہوں "

پھر ۲۶ - فروري سنه ۱۹۲۰ کو هاوس اف کامنز میں تقریر کرتے هوے اسي اعلان کي نسبت وزیر اعظم کہتے هیں :

" همارا وہ اعلان بہت وسیع المعنی تھا ' اور بہت کچھہ سونچ سمجھکر کیا گیا تھا - تمام جماعتوں کي مرضي کے مطابق تھا - مزدوروں کی جماعت بھي اُس سے متفق تھي "

(۳) پریسیڈنٹ امریکہ مسٹر ولسن نے ۸ - جنوری سنه ۱۹۱۸ - کو چودہ شرطوں کا اعلان کیا تھا جو بہ اتفاق فریقین صلح کیلیے بنیادي شرطیں قرار پائي تھیں - اُن میں بارھویں شرط یہ تھی :

" موجودہ سلطنت عثماني میں ترکي کا جو حصہ ھے ' اُسکو یقین دلایا جائیگا کہ اس کی وہ سلطنت محفوظ رھیگی - لیکن دوسری اقوام جو سلطنت ترکی کے زیر حکومت ھیں ' اُنکو بھی اسکا اطمینان دلادیا جاے کہ اُنکي جان و مال محفوظ ھے ' اور اُنکی ترقي میں کوئی رکاوٹ نہ ھوگي "

ایفـــاء عهـــد

یہ وعدے جس طرح پورے کیے گئے ' اُنکي مختصر تفصیل یہ ھے .

(۱) گورنمنٹ ھند نے عراق پر حملہ کیا جس کا بڑا حصہ جزیرۂ عرب کے مقدس حدود میں داخل ھے -

(۲) ۲۶ - نومبر سنه ۱۹۱۴ - کو بصـــرہ پر قبضہ کیا گیا جو عراق کي بندرگاہ اور زیارت گاہ ھے -

(۳) - ۲۲ - نومبر سنه ۱۹۱۵ - کو عراق کی مشہور زیارت گاہ سلمان پاک پر حملہ کیا گیا جہاں حضرت سلمان فارسي (رض) کا مزار ھے -

(۴) مارچ سنه ۱۹۱۷ - کو بغداد پر قبضہ کیا گیا جو عراق کي مشہور زیارت گاہ ھے -

(۵) ۹ - دسمبر سنه ۱۹۱۷ - کو بیت المقدس میں برطاني فوجیں داخل ھوئیں اور انگریزي قبضہ کا اعلان کیا گیا ' جو اسلام کي مقدس زیارت گاہ اور تین مقدس مقامات میں سے ایک ھے -

(۶) ۵ - جون سنہ ۱۹۱۶ - کو خاص سرزمین حجاز میں سازش کی گئی اور شریف مکہ سے بغاوت کرائی گئی - اس بغاوت کی وجہ سے اس محترم دارالامن میں کشت و خون کا بازار گرم ہوا اور حدود حرم میں گولہ باری ہوئی -

(۷) حسب تصریح نامہ نگار لندن ٹائمس بندرگاہ جدہ پر گولہ باری کی گئی -

(۸) بحر احمر کے ہوائی جہاز نے عین مدینۂ طیبہ کی فضا میں چکر لگائے (جیسا کہ ڈاکٹر ہاگرنہہ نے فروری سنہ ۱۹۲۰ - کو ٹائمز ہال اکسفورڈ کی تقریر میں بیان کیا)

(۹) کوفہ ' کربلائے معلی ' نجف اشرف پر قبضہ کیا گیا جو عراق کی مشہور زیارت گاہیں ہیں -

(۱۰) ترکی کو تھریس کے کل علاقہ سے مع ایڈریا نوپل کے محروم کردیا گیا جہاں مسلمانوں کی سب سے زیادہ آبادی ہے -

(۱۱) صلح نامہ ترکی کی دفعہ ۳۶ کے مطابق ترکی سے اس کے دار السلطنت کی خود مختارانہ فرمان روائی بھی سلب کرلی گئی اور اس پر طرح طرح کی پابندیاں عائد کردی ہیں -

(۱۲) سمرنا جو ایشیاء کوچک کا مشہور زرخیز مقام ہے ' ترکی سے علحدہ کردیا گیا - وہاں کی مسلمان آبادی پر یونانیوں نے اس قدر ظلم و ستم کیے کہ بے شمار جانیں ہلاک و تباہ ہوگئیں اور ہو رہی ہیں -

(۱۳) صلح نامہ کی شرائط نے بقیہ ایشیاء کوچک کے مالی اور ہر طرح کے فوجی اختیارات کی خود مختاری سے بھی ترکی کو محروم کردیا ہے - وہ ایک محدود تعداد سے زیادہ فوج نہیں رکھ سکتی - چند چھوٹے جنگی جہازوں کے علاوہ کوئی بحری قوت حاصل نہیں کرسکتی - اپنی عیسائی رعایا پر اسے کوئی اختیار نہیں رہا - اس کی حیثیت بالکل ایک ماتحت ریاست کی سی ہوگئی ہے جو برائے نام پادشاہت سے ملقب کردی گئی ہو -

(۱۴) صلح نامہ کی دفعہ ۳۹ - کے بموجب سلطان المعظم کے وہ تمام دینی و اسلامی اختیارات سلب کرلیے گیے ہیں جو بحیثیت خلیفۃ المسلمین انہیں حاصل تھے ' اور جن کے الگ کردینے کے بعد خلافت کا وجود ہی باقی نہیں رہتا - اس دفعہ کا منشاء یہ ہے کہ :

" حکومت ترکی اپنے اُن تمام اختیارات سے
جو حکم برداری کے با دوسری طرح کے مسلمانوں پر
رکھتی ہے ' بالکل دست بردار ہوتی ہے "
" ترکی بلا واسطہ یا بالواسطہ کسی طرح کے اختیارات
اُن ممالک پر نہ رکھیگی جو ترکی سے علحدہ ہوگئے ہیں "

حالانکہ شرعاً منصب خلافت کے معنی ہی یہ ہیں کہ تمام دنیا کے مسلمانوں اور تمام دنیا کی اسلامی حکومتوں پر اسکو ایک بالا تر اختیار حاصل ہو ' اور وہ تمام اسلامی دنیا میں ایک مرکزی اسلامی اقتدار کی حیثیت رکھے - لیکن اس دفعہ نے ترکی کو ان تمام اختیارات خلافت سے محروم کردیا ' اور اسلامی خلافت اپنے کامل معنوں میں پارہ پارہ ہوگئی -

(۱۵) شام کو ترکی سے الگ کرکے آزادی نہیں دی گئی بلکہ فرانس کی حکم برداری و بالادستی ماننے پر مجبور کیا گیا - شام کی تمام آبادی انسانیت و صداقت عہد کے نام پر فریاد کرتی رہی اور فرانس کی فوجوں نے اُس پر جبراً قبضہ کرلیا -

(۱۶) عراق کی آبادی کو خود مختاری و آزادی نہیں دی گئی بلکہ برطانیہ نے اُسکی حکم برداری کا دعوی کیا اور اسپر اپنا قبضہ قائم رکھا - وہاں کی آبادی ایفاے عہد کا مطالبہ کرتے کرتے مایوس ہوگئی اور اب بزور شمشیر اپنا حق حاصل کرنے کے لیے اُٹھہ کھڑی ہوئی ہے - اب اُنکو "باغی" کہا جارہا ہے - حالانکہ اگر برطانیہ کے اعلانات سچے تھے ' اور اسکی فوجیں " رعایا " بنانے کے لیے نہیں بلکہ آزاد کرانے کیلیے گئی تھیں ' تو وہ " باغی" کیونکر ہوسکتے ہیں ؟ بغاوت کا اطلاق رعایا کی شورش پر ہوتا ہے - نہ کہ کسی آزاد جماعت کی شمشیر زنی پر -

(۱۷) یہ تمام نتائج صلح نامہ ترکی کے ہیں - لیکن قبل اسکے کہ ترکی اپنی مرضی اور آزادی کے ساتھہ صلح کرے ' برتش فوجوں نے دار الخلافت قسطنطنیہ پر قبضہ کرلیا ' اور خلیفۃ المسلمین کی حیثیت بالکل ایک نظربند قیدی کی سی ہوگئی - اس قبضہ کی وجہ سے اسلام کے دار الخلافت میں جو درد انگیز واقعات و حوادث پیش آے ' اور عثمانی خلافت عظمی کی متصل پانچ صدیوں میں پہلی مرتبہ جو توہین ہوئی ' اُسکی تفصیل کا یہ موقعہ نہیں - یہ وہ سلوک ہے جو نہ تو جرمنی کے ساتھہ کیا گیا ' نہ آسٹریا کے ساتھہ ' اور نہ کسی دوسرے فریق جنگ کے ساتھہ -

اعتذار

براہ عنایت پہلے ان اغلاط کی تصحیح کرلیں ' پھر مطالعہ فرمائیں -

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۱۴	رعیرہ دلک	رعیر دلک
۵	۱۳	خلفہ	خلیفہ
۱۱	۱۰	الامرء	الامر
۱۸	۲۲	فکر و نطر	فکر و نظر سے
۱۹	۳	ہر دور	ہر دور
۲۵	۹	پس جو شحص	جو شحص
۳۳	۱۹	قوتوں کے	قوتوں کو
۳۶	۱۵	سمجھتے	سمجھتے ہو
۳۸	۲۴	Selectian	Selection
۷۱	۱۰	عدارت	عدارت
۷۲	۲۸	گئے	گئے تھے
۸۲	۲۵	تریہ	تربہ
۱۲۳	۱۲	Couflict	Conflict
"	"	Religiuon	Religion
"	۱۳	Seince	Science
"	۲۰	Dalambert	Dalembert
۱۵۰	۲۵	کی کو جرأت	کی جرأت
۱۰۸	۷	روایت	رأیت
۱۵۶	۳	میں میں	میں
۱۶۲	۱۰	چلي	چلپی
۱۶۳	۲	جو حصول	کہ حصول
"	۶	فراموش	یکقلم فراموش
"	۸	ارر	ارر
"	۹	نہیں رہا	نہ رہا
"	۱۹	بکفی	یکفی

۱۶۵	۱	ھے ھوتا	ھونا ھے
۱۶۹	۱	ھو ۲	ھوں
۱۷۰	۳	دریا	دربا
۱۸۱	۲۵	Wustenfeld	Westenfeild
۱۸۸	۲۸	۲ لئے	کیلیے
۱۹۹	۱۵	سطانا	سلطانا
۲۰۰	۸	معھم	معہ

(۱) صفحہ ۳۲ - سطر ۲۷ میں " ھجرۃ " کے معني " الھجر و الھجران مفارقۃ الانسان غیرہ " الخ نقل کیے ھیں - یہ عبارت مفردات راغب اصفھانی کی ھے -

(۲) صفحہ ۶۸ میں ھے " فصل : من حمل علینا السلاح فلیس منا " در اصل یہ فصل نہیں بلکہ ایک مستقل باب ھے - صحیح یوں ھے " باب : حکم حمل سلاح علي المسلم " پھر اسکے بعد اس باب کي پہلی فصل ھے " من حمل علینا " الخ -

(۳) صفحہ ۸۶ میں فصل ھے " واقعہ امام حسین علیہ السلام " اسکو باب حمل سلاح سے پہلے پڑھنا چاھیے - غلطي سے اسکے بعد درج ھوگئی -

(۴) صفحہ ۲۱ سطر ۴ - میں حدیث ھے " اذا اصلحت ' صلحت کلھا ' و اذا فسدت ' فسدت کلھا " لیکن امام بخاري کے الفاظ یہ ھیں " اذا صلحت ' صلحت الجسد کلہ ' و اذا فسدت ' فسدت الجسد کلہ - الا ' وھی القلب ! "

(۵) صفحہ ۴۱۵ سلسلہ عباسیہ کے جدول سنین میں نمبر ۳۳ کا سنہ ھجری ۶۵۴ کے بجاے ۶۵۶ - نمبر ۴۶ کا سنہ ھجري ۵۵۹ کے بجاے ۵۲۹ اور سنہ مسیحي ۱۱۳۶ کے بجاے ۱۱۳۵ - اور نمبر ۴۹ میں سنہ مسیحي ۱۱۸۰ کے بجاے ۱۱۷۰ پڑھیے -

Printed and published by F. D. Ahmed Mirza
at the "Albalagh" printing & publishing House
46, Ripon Lane, Calcutta.
(SECOND EDITION, OCTOBER 1920)
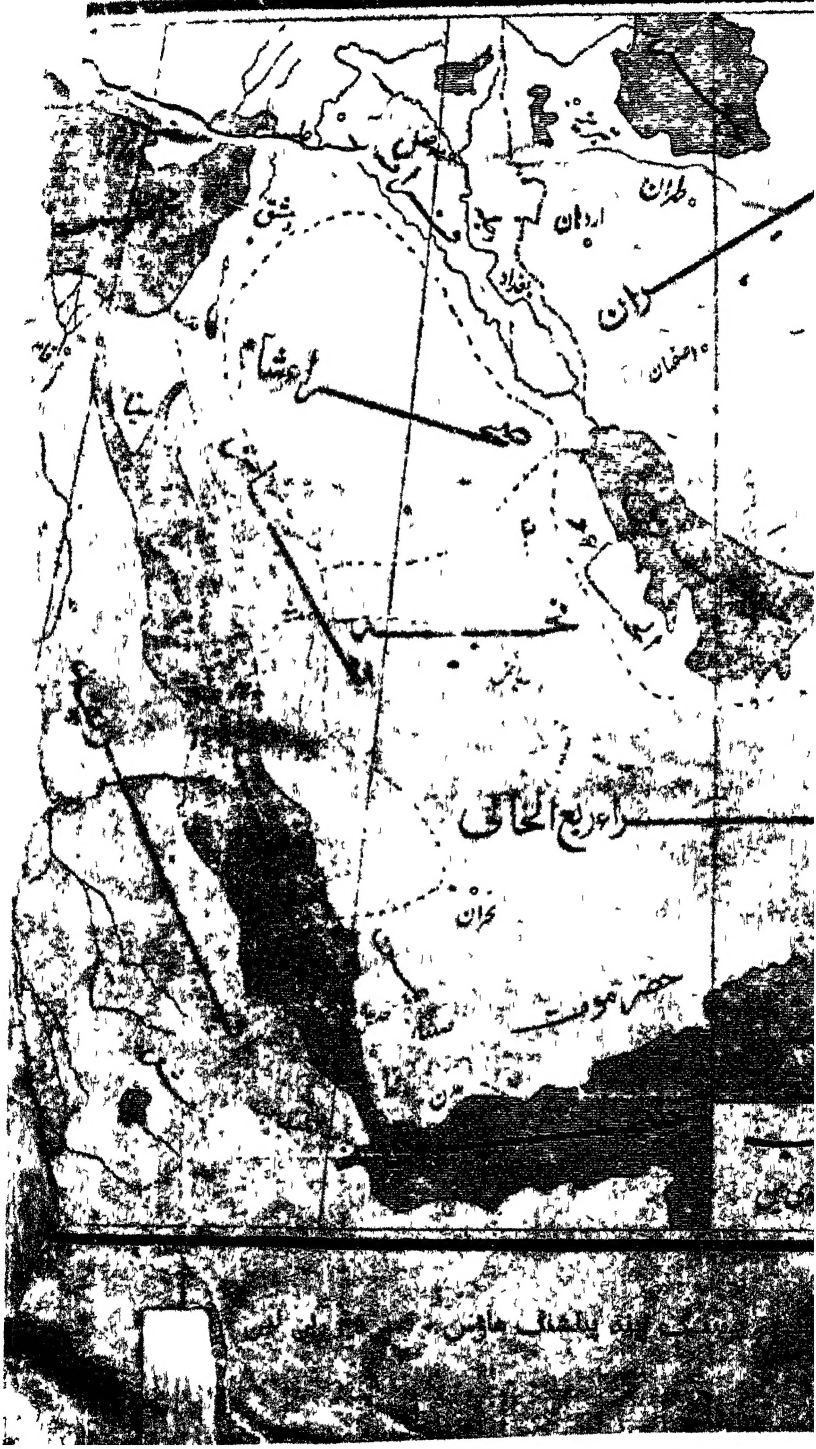
اخرجوا اليهود والنصارى من جزيرة العرب (الحديث)